الفرقان لکھنؤ

ماہنامہ

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

مرتب

عتیق الرحمٰن سنبھلی

…ظور نعمانی

کتب خانہ الفرقان کی مطبوعات

اسلام کیا ہے؟

تالیف مولانا نعمانی

اُردو اور ہندی دونوں زبانوں میں

اس کتاب کے دیکھنے والوں کا عام احساس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جو خاص مقبولیت و تاثیر عطا فرمائی ہے، پچھلے چند سالوں میں تقریباً تیس ہزار اردو میں اور کئی ہزار گجراتی میں شائع ہو چکی ہے

اسلام کے متعلق ضروری واقفیت حاصل کرنے کے لیے ہی نہیں بلکہ کامل مسلمان اور اللہ کا ولی بننے کے لیے بھی اس کا مطالعہ اور عمل ان شاء اللہ کافی ہے۔

زبان نہایت آسان ہونے کے ساتھ نہایت شیریں اور پُرتاثیر ہے۔ کتابت طباعت اعلیٰ اور معیاری قسم اول کاغذ ... مجلد ... قسم دوم کاغذ ... غیر مجلد ...

ہندی اڈیشن کاغذ اعلیٰ مجلد، قیمت تین روپے

آپ حج کیسے کریں؟

حج و زیارت کے متعلق اردو زبان میں بے شمار چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہو چکی ہیں لیکن یہ کتاب جو مولانا نعمانی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی گویا مشترک تالیف ہے اپنی خصوصیت میں اب بھی بے نظیر ہے کہ اس کے مطالعہ سے حج کا صحیح اور مسنون طریقہ بھی تفصیل سے معلوم ہو جاتا ہے اور دل میں عشق و جذب اور ذوق و شوق کی کیفیات بھی پیدا ہو جاتی ہیں جو دراصل حج کی روح اور جان ہیں۔

کاغذ عمدہ ...... قیمت مجلد ۲/۰/۰

آسان حج یہ آسان زبان میں "حج کیسے کریں" کا خلاصہ ہے جسے کم تعلیم والے حضرات جو صرف آسان اور معمولی اردو ہی پڑھ سکتے ہیں وہ اس کے مطالعہ سے پورا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

طباعت معیاری ...... قیمت ...... صرف ۔/۱۲/۰

کلمۂ طیبہ کی حقیقت

از افادات مولانا نعمانی

اس میں اسلام کے کلمۂ دعوت "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی تشریح ایسی تحقیق کے ساتھ ایسے مؤثر انداز میں کی گئی ہے کہ سمجھ سکے، ایمان و یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور دماغ کے ساتھ دل بھی متاثر ہوتا ہے۔

قیمت ۔ ۔ ۔/۱۲/۰

نماز کی حقیقت

از افادات مولانا نعمانی

ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ نماز کے مقام اور اس کی روح و حقیقت سے واقف ہونے کے لیے اس رسالہ کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔ "کلمۂ طیبہ کی حقیقت" کی طرح یہ بھی عقل و جذبات اور دل و دماغ کو یکساں متاثر کرتا ہے

قیمت ...... ۔/۱۲/۰

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت

تالیف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

شروع میں مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم سے فاضلانہ اور مبسوط مقدمہ ...... ۔/۰

ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ

مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی۔ قیمت ۔/۱۲/۰

امام ولی اللہ دہلویؒ

از مولانا عبید اللہ سندھیؒ ...... قیمت ۔

قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ

قیمت ۔/۶/۰

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین کے الزامات

قیمت ۔/۸/۱

معرکۃ القلم

اکابر دیوبند کی طرف سے مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے سنگین تکفیری الزامات کا آخری تحقیقی جواب ...... قیمت ۔/۸/۱

انیس نسواں

از محترمہ بیگم سید اصغر حسین صاحب

مسلمان خواتین خاص کر تعلیم یافتہ بہنوں میں دین کی طرف سے جو بے فکری اور بے رغبتی اور فرائض سے جو غفلت پھیل رہی ہے اس کے علاج اور ازالہ کے لیے ایک محترم بہن نے یہ رسالہ لکھا ہے۔ شروع میں مولانا نعمانی کے قلم سے پیش لفظ ہے ...... قیمت ۔/۱۲/۰

برکات رمضان

از افادات مولانا نعمانی

اسلام کے اہم رکن صوم رمضان اور اس کے خاص اعمال و وظائف و اعتکاف وغیرہ کے فضائل و برکات و روحانی تاثرات کا نہایت مؤثر اور دلکش بیان، آخر میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے حکیمانہ ارشادات کی تشریح جس سے عقل و دماغ کی تسکین ... قیمت

ہندوستان و پاکستان کے
(بشکل ہندوستانی) صہ
پاکستان) سے

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

(فی کاپی آٹھ آنے)

غیر ممالک سے
سالانہ چندہ ... شلنگ
اعزازی خریداروں سے
سالانہ ... ...

جلد (۲۸) | محرم الحرام سنہ ۱۳۸۰ھ مطابق جولائی سنہ ۱۹۶۰ء | شمارہ (۱)

صفحہ	مضامین نگار	مضامین	نمبر شمار
	مرتب	نگاہِ اولیں	۱
	عتیق الرحمن سنبھلی	وصیتِ ابراہیمی	۲
۱۱	محمد منظور نعمانی	معارف الحدیث	۳
۱۹	مولانا نسیم احمد فریدی امروہی	تجلیاتِ مجدد الف ثانیؒ	۴
۲۷	محمد منظور نعمانی	اللہ کا ایک بندہ	۵
۳۹	سید ابوذر بخاری	ایفائے عہد (نظم)	۶
۴۱	ع ـ س	تعارف و تبصرہ	۷

اگر اِس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے، تو

اِس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مُدت خریداری ختم ہو گئی ہے، براہِ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال فرمائیں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۱۵ر جولائی تک دفتر میں آجانی چاہیے ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی، پی ارسال کیا جائے گا۔ **نمبر خریداری:**۔ خط و کتابت اور منی آرڈر پر اپنا نمبر خریداری لکھنا ہرگز نہ بھولئے۔ **تاریخ اشاعت:**۔ ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۲۰ر تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے، تو مطلع فرمائیں، انکی اطلاع ۲۵ر تاریخ کے اندر آجانی چاہیئے، اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں، اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیج دیں۔

مقامِ اشاعت:۔ دفتر الفرقان، کچہری روڈ۔ لکھنؤ

[illegible]

نگاہِ اوّلیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ریاست اتر پردیش کی دینی تعلیمی تحریک جس کی داغ بیل چھ ماہ قبل ضلع بستی میں مسلمانوں کے ایک نمائندہ اجتماع نے ڈالی تھی، بحمد اللہ نہایت تیز رفتاری اور مقبولیت کے ساتھ پروان چڑھ رہی ہے۔ چھ ماہ کے مختصر عرصے میں آٹھ دس ضلع وار کانفرنسیں ہو چکی ہیں، اور ہر ضلع میں کسی نہ کسی درجہ میں عملی کام شروع ہو چکا ہے۔

سوکھی زمین خشک سالی کے بعد جس طرح پانی بھرے بادلوں کو دیکھ کر ناچ جاتی اور پوری گرمجوشی کے ساتھ بارانِ رحمت کا استقبال کرتی ہے، کچھ یہی کیفیت اس تحریک پر ان مسلمانوں کی نظر آئی ہے جو حالات سے باخبر ہونے کی بنا پر اپنی نئی نسل کے دینی مستقبل کے لئے فکرمند یا حالات سے ناواقفیت کے باوجود اپنے بچوں کے دین وایمان کے مسئلہ کی اہمیت کو سمجھنے والے تھے۔ جہاں جہاں اس تحریک کے پیغامبر پہنچے، مسلمانوں کے ان دونوں طبقوں نے ان کی آواز پر اس گرمجوشی کے ساتھ لبیک کہی کہ بعض مقامات پر تو مسلکی اختلافات تک کی وہ خلیجیں بھی کالعدم ہو گئیں جن کا پاٹنا کسی حال میں بھی ممکن نہیں سمجھا جاتا تھا۔

خدا برقرار رکھے، یہ بڑی پرامید صورتِ حال ہے، اور ایک بیدار مغز آدمی سمجھ سکتا ہے کہ حال کی یہ صورت مستقبل قریب میں رونما ہو جانے والی کیا کیا امکانی صورتیں اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے، اور سیاسی انقلاب نے مسلمانوں کی ملی زندگی میں جو سب سے زیادہ تشویشناک خلا پیدا کر دیا تھا وہ اس خوش آئند صورت حال کی فطری رفتار کے نتیجہ میں کس خوبصورتی کے ساتھ آپ سے آپ پر ہوتا چلا جائے گا۔

"عدو شود سببِ خیر اگر خدا خواہد" یا "عدو اشتہ بر انگیزد کہ خیر ما دراں باشد" اور قرآن کے الفاظ میں "عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ" حقیقت یہ ہے کہ یہ ابدی صداقتیں ہیں، جن کا تجربہ زمانہ کی گردش بار بار کراتی رہتی ہے۔ ڈیڑھ سو سالہ انگریزی راج کے طفیل ہندوستانی مسلمانوں کے ذہن اپنی اولاد کی دینی تعلیم و تربیت کی طرف سے لاپرواہ ہو چکے تھے، اور کوئی صورت نہیں سمجھ میں آتی تھی جس سے مسلمانوں کے ذہن کی اس تشویشناک بیماری کا علاج کیا جاسکے۔ کارسازِ حقیقی جو کائنات میں خیر سے شر اور شر سے خیر پیدا کرنے والی قدرت کے عجیب عجیب جلوے دن رات دکھاتا رہتا ہے، اسے اسی کی حکمتِ بالغہ کہیے کہ تھکے دل و دماغ کو جھنجوڑ کر رکھ دینے والے ایک شر کے بادل پورے زور و شور سے اس ملک میں اس نے اٹھوائے، اور جیسا کہ نظر آتا ہے، شاید فیصلہ فرما دیا کہ امت کے اہلِ نظر اگر چونک جائیں تو ان خوفناک بادلوں کو خیرِ مطلوب کا ذریعہ بنالیں۔

بت پرستانہ اعتقادات اور ان کے تہذیبی و معاشرتی مظاہر (جن کو مسلمان قدرتی طور پر اپنے لئے ننگ و عار سمجھتے ہیں) سے آئندہ نسلوں کے ملوث ہو جانے کا خطرہ اگر اس عریاں پیمانے پر (تعلیمی نظام کے راستہ سے) سامنے نہ آکھڑا ہوتا، تو بظاہر کوئی امید نہیں تھی کہ اولاد کی دینی تعلیم و تربیت کی طرف سے لاپرواہی کے ذہن پر کوئی مؤثر چوٹ لگائی جاسکتی، لیکن اس شرِ خیر انگیز نے نہ صرف اس لاپرواہی کو فکرمندی سے بدلنے کا سامان فراہم کر دیا ہے، بلکہ اسی ضمن میں "بیک کرشمہ دو کار" کے انداز پر مسلمانوں کی ملی حیاتِ تازہ کا بھرپور امکان بھی ودیعت فرما دیا ہے۔

قدرت کے ان کارسازانہ رجحانات سے کار برآری اب ہماری توفیق پر موقوف ہے، اس موقع سے اگر ہم پوری تندہی اور چابکدستی کے ساتھ فائدہ نہیں اٹھاتے ہیں، تو لوہے کا جتنا حصہ گرم ہو چکا ہے وہ ہماری منشاء کے مطابق ڈھل جانے سے پہلے سرد ہو رہے گا، اور جو حصہ گرم ہونے سے باقی ہے اسکے گرم ہونے کے امکانات ختم ہو جائیں گے ـــــ استعارہ کی زبان کو چھوڑ کر کہئے کہ جتنے مسلمانوں میں اپنے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کی ضرورت کا احساس پیدا ہو چکا ہے، وہ ضائع ہو رہے گا، اور جن میں ابھی حالات سے ناواقفیت اور دینی شعور کی کوتاہی کی وجہ سے اس ضرورت کا احساس پیدا نہیں ہوا ہے انہیں یہ احساس پھر بیدار کرایا نہیں جاسکے گا ـــــ اور پھر اسکے نتائج، خدا محفوظ رکھے، بڑے ہی پرشر ہونگے۔

پس وہ لوگ جنھوں نے بستی کانفرنس کی دعوت و پکار میں اپنے دل کی بات پائی ہے، ملت اسلامیہ ہند کے مستقبل کا سوال اُنھیں پکار رہا ہے، کہ اس دعوت سے ہم آہنگ ہو کر میدانِ عمل میں اُتر آئیں!——
اور جو افراد اس دعوت کو لیکر میدان میں اُتر چکے ہیں، یا اب بنام خدا اُترتے ہیں، وہ اس جانفشانی اور اس تندہی کے ساتھ کام سے لپٹ جائیں کہ کام کا جو زریں موقع مسبب الاسباب نے عجیب و غریب طریقے سے پیدا کر دیا ہے. وہ تکمیل کار سے ایک لمحہ پہلے بھی گذر نہ جائے —— اور ع

"یک لحظہ غافل بودہ ام صد سالہ راہم دور شد"

کی طرح پر ایک نئے مرثیہ کا اضافہ ہمیں اپنی تاریخ میں نہ کرنا پڑے۔

قوموں اور ملتوں کی زندگی میں کبھی کبھی کوئی مسئلہ آجاتا ہے جو تقدیر الٰہی کا کانٹا بن جاتا ہے، اُس مسئلہ کی بدولت یا تو قومیں ایک نئی زندگی پا جاتی ہیں، اور صدیوں کی تقدیری بساط اُلٹ کر پھینک دیتی ہیں، یا پھر صدیوں کے لئے اپنی تقدیر پر ایک نئی مہر لگا لیتی ہیں! —— یہ نئی نسل کی دینی تعلیم کا مسئلہ جس سے اچھی طرح عہدہ برآنہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کا ممتاز ملی وجود گم ہو جانے کا زبردست اندیشہ سامنے ہے اسی سے اگر پوری ہوشمندی اور چابکدستی کے ساتھ نپٹ لیا جائے، تو یہی، مسلمانانِ ہند کے ممتاز اور مخصوص ملی وجود کی انشاء اللہ مدتوں تک کی ضمانت دے کر اور اُن کو ایک مؤثر اقلیت بنا کر جائے گا!!۔

اِس مسئلہ سے بہتر طور پر نپٹنے کے لئے جہاں اور بہت سے پہلوؤں پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے، وہاں یہ بات خاص طور پر بہت بنیادی اہمیت کی حامل ہے کہ دینی تعلیم کے ہمہ گیر انتظام کی جو جدوجہد کی جا رہی ہے جس کے دائرہ سے ریاست کا ایک مسلمان بچہ بھی باہر نہ رہنے پائے، اُسکے بارے میں مسلمانوں کے ذہن کو اس پہلو سے بالکل صاف رکھا جائے کہ یہ جدوجہد محض جبری تعلیم کے منصوبے اور موجودہ نصابی زہر سامانیوں پر مبنی نہیں ہے. نصابی کتابوں سے زہریلا عنصر نکال بھی دیا جائے (اور بلاشبہ نکل کر رہے گا) تب بھی دینی تعلیم کا یہ ہمہ گیر بند و بست اور اُس میں مسلمانوں کی دلچسپی اسی قدر ضروری ہے جس قدر اس زہر کی موجودگی کی شکل میں —— اِسلئے کہ یہ زہر جو ملک کے تعلیمی شعبہ میں بہت عریاں شکل میں ہمارے سامنے آیا ہے، یہی زہر اُنھیں اسباب کے ماتحت (جن اسباب کے ماتحت تعلیمی شعبہ میں داخل ہوا ہے) ملک کے سرکاری اور غیر سرکاری عمومی ماحول میں بھی

پوری طرح جاری وساری ہے، اور رہے گا (جس کی اگر مثالیں دی جائیں تو قدم قدم پر نشاندہی کی جا سکتی ہے) اور اس زہر کے اثرات سے بھی وہ نسل زیادہ دیر تک نہیں بچ سکتی، جس کے دل ودماغ پر دینی تعلیم کے نقوش ثبت نہ کئے گئے ہوں، جس طرح کہ تعلیمی شعبہ میں پائے جانے والے زہر کے متعلق آج ہم سب یہ بات پوری طرح محسوس کر رہے ہیں۔ علیٰ ہذا اگر کوئی صورت ایسی ہوتی ہے کہ پورا ماحول بھی زہر سے پاک ہو جاتا ہے تب بھی اس جدوجہد سے دلچسپی میں کمی آنے کی کوئی معقول وجہ نہیں، اسلئے کہ یہ بات اب ہم سب پر صاف ہو گئی ہے کہ دینی تعلیم سے بے بہرہ نسل ہر وقت خطرہ میں ہے، کوئی بھی کسی طریقہ سے اس کو بآسانی اغوا کر سکتا ہے ——

پس ضروری ہے کہ جو کام تائیدِ ایزدی سے شروع ہو گیا ہے، اُس کو عارضی اور وقتی سمجھ کر نہ کیا جائے، بلکہ اس کو ایک غیر مختتم اور غیر میعادی فیصلہ کی حیثیت دی جائے۔

یہ ایک طرف، ایک حقیقت پسندانہ طرزِ عمل اور طرزِ فکر ہوگا، دوسری طرف ہوشمندانہ بھی —— اور یہ "ہوشمندانہ" اس جدوجہد کے اُن عظیم مضمر منافع کے لحاظ سے جن کی طرف اشارةً توجہ دلائی گئی ہے۔

دوسری بات جو اسی طرح بہت اہمیت کیساتھ ملحوظ رکھنے کی ہے، یہ ہے، کہ اس کام کا انداز نہایت باوقار تعمیری کام کا ہے، موجودہ ابتدائی مرحلہ جس سے یہ جدوجہد گزر رہی ہے، اس میں حکومت اور اس کی مشینری پر نکتہ چینی ناگزیر ہے، لیکن یہ بات ایک لمحہ کیلئے فراموش کرنے کی نہیں ہے کہ اگر اس نکتہ چینی کے انداز میں وقار اور رکھ رکھاؤ کی شان نہ رہی، اور اسکی حدیں کہیں عامیانہ ہجو واستہزاء اور سفلی جذباتیت سے جا ملیں، تو اس کا نقصان حکومت کو تو بالکل نہیں، تمام تر اس تحریک اور مسلمان قوم کو پہنچے گا، اور جس عادت نے چار کروڑ کی مسلمان قوم کو بے وزن اور تعمیری دلچسپیوں سے بیگانہ کر رکھا ہے، بدقسمتی سے یہ تحریک اسکے فروغ کا ذریعہ بن جائیگی، اور کوئی ٹھوس خدمت مسلمانوں کی انجام نہ دے سکے گی۔

آج ہر تعمیری کام سے پہلے سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کے ذہن کو تعمیری بنایا جائے، اور اس کے لئے اسوقت کی بہترین شکل یہ ہے کہ یہ دینی تعلیمی تحریک جو مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی زبردست صلاحیت رکھتی ہے، اسے ہر لحاظ سے ایک پُروقار تعمیری تحریک کا نمونہ بنایا جائے، اور اس تحریک کی نمائندگی کرنے والے تمام افراد اپنے طرزِ عمل سے تعمیری کردار کا ایک بہترین اُسوہ مسلمانوں کے سامنے رکھیں —— اگر مسلمانوں کی کوئی ٹھوس خدمت کرنا ہے، اور اُن میں اپنے

…ائل کو حل کرنے کا سنجیدہ مذاق پیدا کرنا ہے، تو اس راہ میں قدم رکھنے کی یہ سب سے پہلی شرط ہے۔

جہانتک اسوقت کے ذمہ داران تحریک کے ذہن اور رویہ کا تعلق ہے، وہ ان دونوں باتوں میں بالکل صاف اور صحیح ہے، لیکن ہم نے یہ گذارشات، اسکے باوجود، اسلئے سپرد قلم کی ہیں کہ تحریک کے ہر نمایاں کارکن پر یہ باتیں واضح ہونی چاہئیں، اور اُسے ان باتوں کی اہمیت کو سمجھنا چاہئے —— یہ اور اسی قبیل کی دوسری باتیں اگر ہر کارکن کو ملحوظ رہیں، تو انشاء اللہ یہ تحریک بار آور ہو کے رہے گی، اور اس سے وہ عظیم منافع ظہور میں آئیں گے جن کے راستے نئے ہندوستان میں مسلمانوں پر بند نظر آرہے تھے۔

اس شمارہ سے الفرقان کی اٹھائیسویں (۲۸) جلد کا افتتاح ہو رہا ہے —— خدا سے دعا ہے کہ وہ اس آغاز کو نیک انجام تک پہنچائے، اور حقیر دینی خدمت کی یہ مہلت اُسکے حضور سرخروئی کا ذریعہ قرار پائے۔

اس موقع پر چند باتوں کی طرف توجہ دلانا مناسب معلوم ہوتا ہے:—

۱۔ الفرقان پڑھنے والوں اور پسند کرنے والوں کا حلقہ خدا کے فضل سے بہت وسیع ہے لیکن خریداروں کی تعداد اس لحاظ سے، بلکہ ضرورت کے اعتبار سے بھی کم ہے، ہم اپنے تمام قارئین سے چاہتے ہیں، کہ وہ ادارۂ الفرقان کی اس ضرورت کی طرف توجہ کریں۔ جو حضرات اس طرف توجہ رکھتے ہیں وہ برابر الفرقان کی خریداری میں اضافہ کا ذریعہ بنتے رہتے ہیں، یہی توجہ اگر تمام محبین کا معمول بن جائے، تو بڑی آسانی کے ساتھ خریداروں کی مطلوبہ تعداد فراہم ہو سکتی ہے —— اگر آپ نے ابتک توجہ نہیں کی ہے تو براہِ کرم اٹھائیسویں سال کے اس پہلے مہینہ کو اپنی خاص توجہ کا مہینہ قرار دے کر ادارہ کو ممنون فرمائیے۔

۲۔ کم استطاعت حضرات اور عزیز طلبہ رعایتی چندہ کیلئے لکھتے رہا کرتے ہیں، ایسے حضرات کی اطلاع کیلئے عرض ہے، کہ اسوقت ایک صورت ایسی پیدا ہو گئی ہے کہ سال بھر کیلئے تین (۳) روپئے وصول ہونے پر رسالہ جاری ہو سکتا ہے اُمید ہے مستحقین اس موقع سے فائدہ اٹھائینگے —— اس مد کی گنجائش محدود ہے، اسلئے خواہشمند حضرات کو عجلت سے کام لینا چاہئے —— لائبریریاں اور دیگر ادارے اس موقع کیلئے درخواست نہ کریں۔

الفرقان کے بالکل ابتدائی دور سے خریداری کا تعلق رکھنے والوں میں ایک صاحب تھے جناب محمد اسحٰق صاحب انصاری، افسوس ہے کہ موصوف نے جون کی تاریخ کو انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن۔ غالباً پنا اسٹیٹ (مدھیہ بھارت) کے باشندے تھے، پولیس کی ملازمت کیوجہ سے مختلف مقامات پر تبدیل ہوتے رہتے تھے، اِدھر چند سال سے ٹی۔بی کے مرض میں مبتلا تھے —— باوجود کوئی ذاتی تعلق نہ ہونے کے الفرقان سے انکے تعلق خاطر کی کوئی انتہا نہیں تھی، حد یہ ہے کہ ٹی۔بی ہاسپٹل چھتر پور (ایم۔پی) جہاں وہ کئی ماہ سے بسلسلۂ علاج داخل تھے، اس اسپتال کے بستر سے بھی اُنکے خود اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے خطوط الفرقان اور مطبوعات الفرقان کو مختلف پتوں پر بھجوانے کیلئے آخر دم تک آتے رہے، اور نئے سال کیلئے اپنا چندہ بھی ابھی چند روز ہوئے آیا —— م

یہ ادارۂ الفرقان کو انکی مفارقت کا غم ہے، اور اپنے بزرگوں اور دوستوں سے اُن کیلئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

قرآن کا تذکیری مطالعہ

وصیتِ ابراہیمی

عتیق الرحمٰن سنبھلی

وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ ۚ وَلَقَدِ
اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ○
إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ○ وَوَصَّىٰ
بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ
فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ○

(سورۂ بقرہ رکوع ۱۶)

(ترجمہ) اور کون روگردانی کرے گا طریقِ ابراہیمی سے بجز اس شخص کے جو بیوقوف بنالے اپنے آپ کو۔ ہم نے تو اپنا خاص بنایا تھا اس کو دنیا میں، اور لاریب کہ وہ آخرت میں بھی صالحین میں سے ہے!

جب کہا اس سے اس کے رب نے کہ حکم برداری کر! تو بولا کہ میں حکم بردار ہوں: پروردگارِ عالم کا، اور پھر اسی کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو (اور یعقوب نے بھی) کہ بیٹو! اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو دین اسلام بس نہ موت آئے تم کو مگر مسلمانی پر!!

یہی ملتِ ابراہیمی ہے جس کی ہدایت ہمیں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملی اور آپ کی رہنمائی اپنے جدِ امجد کی اس میراث کی طرف خود پروردگارِ عالم نے فرمائی اور ان الفاظ میں اس حقیقت کے اظہار کا حکم آپ کو دیا کہ

إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ   مجھ کو دکھایا ہے میرے رب نے ایک سیدھا

مُسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ
حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝
قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ
وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا
شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَ
أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝

(الانعام ع ۲۰)

راستہ، کہ وہ ایک دین ہے مستحکم جو ملت ہے
ابراہیم کی جس میں ذرا بھی کجی نہیں۔ اور
وہ نہیں تھے شرک کرنے والوں میں سے۔
(آپ فرما دیجئے) کہ میری ساری عبادت
اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خالص اللہ ہی
کا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھ کو
حکم ہوا ہے اور میں سب سے اول ماننے والا ہوں۔

اس اظہار و اعلان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام جس حکم برداری کا اصطلاحی عنوان ہے اُسکی وسعتوں میں کس طرح انسانی زندگی کا ایک ایک نفس سمایا ہوا ہے۔ کہ پوری زندگی حکمبرداری ہی کے خطوط پر گردش کرتے ہوئے موت سے ہم آغوش ہونی چاہیے اور نماز و روزہ و حج ہی کو نہیں، زندگی کے ہر ہر لمحے، حتیٰ کہ موت کو بھی "لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" کی شانِ حنیفی کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔

الغرض ہم مسلمانوں نے جس دین کو اپنے لیے پسند کیا ہے۔ یا مسلمان کہلانے کی بنا پر جس دین سے وابستگی ہمارے ذمہ لازم آتی ہے، قرآن بتاتا ہے کہ وہ اصلاً طریقِ ابراہیمی (یا ملتِ ابراہیمی) ہے۔ جس سے اعراض اور بے رُخی سفاہت اور خود فریبی کے سوا کچھ نہیں، اور بالفاظ دگر جس کی پیروی حقیقت پسندی و دانشمندی کا سب سے واضح معیار! — اسلیے کہ اس کی پیروی میں ایک طرف دنیاوی زندگی میں پروردگار عالم کی اصطفائیت (پسندیدگی) مضمر ہے، دوسری طرف یہ پیروی حیاتِ اخروی میں نجات و فلاح کی ضمانت دیتی ہے — اور اللہ کی دی ہوئی عقل سے کام لینے والا کوئی انسان، جو اس حقیقت کا یقین رکھتا ہو کہ اس تمام کائنات کی خالق اور فرمانروا وہی ایک ذات ہے جسکو اللہ کہا جاتا ہے وہ، دنیا اور آخرت کی اس خوش نصیبی کو کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑ سکتا

طریقِ ابراہیمی کی کچھ جوہری تفصیل تو ہمیں سورۂ انعام کی مذکورۂ بالا آیت سے معلوم ہوتی ہے۔ لیکن سورۂ بقرہ کی وہ آیتیں جو سرِ مضمون ہیں اُن سے ایک اور اُسوۂ ابراہیمی بھی سامنے آتا ہے۔ اور وہ ہے اولاد کو دینِ حق پر قائم رکھنے کی فکر، جس کا بیان ان الفاظ میں ہوا ہے۔

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

اور وصیت کی اسی (ملت) کی ابراہیم نے اپنی اولاد کو اور یعقوب نے بھی کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے چن دیا ہے تمہارے لیے دین اسلام۔ پس نہ موت آئے تمکو مگر حالت مسلمانی و حکمبرداری پر۔

اس اسوۂ ابراہیمی کو سامنے رکھ کر جائزہ لیجئے کہ آپ کا طریقہ اپنی اولاد کے بارے میں کیا ہے؟ آپ اُس دین حق پر اپنی اولاد کو کاربند رہنے کی ترغیب دیتے ہیں جس کو اللہ نے اپنی خاص رحمت سے آپ کی اولاد کا پیدائشی (یا مادری) دین بنایا ہے؟ آپ انسانی کوشش کی حد تک اس کا بندوبست کرتے ہیں کہ "نہ مرے وہ مگر حالت مسلمانی و حکمبرداری پر" یا آپ کی کوششیں از اول تا آخر اس کی دنیا بنانے پر مرکوز ہوتی ہیں اور دین کا سوال آپ سراسر بخت و اتفاق کے حوالے کرکے چھوڑ دیتے ہیں؟ ——— اور ذرا دیکھئے کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ آپ اولاد کو اسکی دنیا کی خاطر کسی ایسے ماحول میں بھی جھونک دینے سے دریغ نہ کرتے ہوں جہاں قسمت ہی ہے کہ اس کا دین سلامت رہ جائے، اور نصیب ہی ہو کہ اس کی پیدائشی مسلمانی کچھ سخت جانی دکھا جائے؟

اگر خدانخواستہ آپ کا معاملہ یہی ہو تو غور کیجئے کہ یہ بھی وہی "سفاہت نفس" ہو یا نہیں جس کا ذکر قرآن کے حوالہ سے اوپر آیا ہے؟ — اس سے بڑھ کر سفاہت نفس اور خود فریبی دوسری کیا ہوسکتی ہے کہ ایک انسان اولاد کی دنیا کی خاطر خود اپنی اور اولاد کی آخرت کو خطرہ میں ڈالے! — اگر ایمان ہے کہ ابراہیم کا طریقہ ہی عقل خداداد کا تقاضا ہے اور اس سے انحراف سراسر سفاہت و عقل فروشی، تو ابراہیم نے اولاد کے باب میں یہ طریق ہدایت بتا کیا ہے۔

رَبَّنَآ اِنِّىْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۔ (ابراہیم ع ۶)

پروردگارا! میں نے آباد کر دیا ہے اپنی اولاد کو تیرے محترم گھر کے قریب بن کھیت وادی میں۔ پروردگار! اس لیے کہ وہ نماز قائم کریں۔

آج سچ مچ کی بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کو لے جا کر ڈال دینے کا کسی سے مطالبہ نہیں لیکن دینی تعلیم و تربیت کی وادی جو فی زمانہ مادی اعتبار سے غیر نفع بخش ہونے کی بنا پر ہمیں "وادی غیر ذی زرع" ہی نظر آتی ہے، اگر اولاد کو کما حقہٗ دین پر قائم رکھنے کی مخلصانہ خواہش ہے تو ایک حد تک اس وادی میں داخل کیے بغیر چارہ نہیں اور ابراہیم کے "اسوۂ وصیت" کی پیروی کا حق در حقیقت اس کے

بغیر ادا نہیں ہو سکتا ـــ

اور یہ وادی بے آب و گیاہ ہونے کے باوجود وہ وادی ہے کہ اس کے مخلص مکینوں کی طرف ساکنانِ عالم کے دل کھنچتے اور سرسبز وادیوں کے رُخ مڑتے ہیں، اولادِ ابراہیمؑ کے ساتھ یہی ہوا اور آج تک اس کا حیران کن اور ایمان آفریں منظر ہمارے سامنے ہو ـــ ابراہیمؑ کی راہ پر گامزن ہو کر کوئی ضائع نہیں ہوتا۔

"فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ" کے وہ دعائیہ الفاظ جو اولاد کو وادیٔ غیر ذی زرع میں ڈالتے وقت ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی زبان سے نکلے تھے۔ ان کلماتِ دعا نے قیامت تک کے پیروانِ ابراہیمؑ کو اپنی حفاظت میں لے لیا ہے ـــ

اور ـــ ایمان رکھئے کہ یہ راہِ ابراہیم پر چلنے والوں کے لیے خدا کی تقدیر بن گئے ہیں!!

اور صرف یہ بھی نہیں کہ اس طریقِ ابراہیمی کی اقتدا میں ایک وادیٔ "غیر ذی زرع" میں بسائی جانے والی اولاد کو زندگی کی ضمانت حاصل ہے بلکہ اس وادی سے پوری دنیا کی روحانی زندگی کا چشمہ پھوٹتا ہے۔ ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو روحانی زندگی کے بقا کی خاطر ایک وادی بے آب وگیاہ میں بسایا تو دنیا کی روحانی مُردنی کے وقت میں اسی بے آب وگیاہ وادی نے ایک مسیحا پیدا کیا۔ آج دنیا پھر ایک بار روحانی موت کے دروازہ پر پہونچا چاہتی ہے اس کی حیاتِ تازہ کا سامان وہی لوگ کریں گے جو اس مسیحا کے دین کی بے آب وگیاہ وادی کو آباد کریں گے۔

پس کون ہے جو اس عزت سے سرفراز ہونا چاہے۔

اور کون ہے جو طریقِ ابراہیمی میں رغبت کا ثبوت دینا چاہے۔

وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ ـــ اور وہی لوگ ہیں درحقیقت جن کے پاس عقل ہے اور سرمایۂ دانش ہے۔

معارف الحدیث

(مسلسل)

وضو کی سنتیں اور اسکے آداب :-

وضو میں فرض تو بس وہی چار چیزیں ہیں جن کا ذکر سورۂ مائدہ کی اس مندرجۂ بالا آیت میں کیا گیا ہے جس میں نماز سے پہلے وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی پورے چہرے کا دھونا، ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا، سر کا مسح کرنا، پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا، — ان چار چیزوں کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو میں جن چیزوں کا اہتمام فرماتے تھے، یا جن کی ترغیب دیتے تھے، وہ وضو کی سنتیں اور اسکے آداب ہیں جن سے وضو کی ظاہری یا باطنی تکمیل ہوتی ہے — مثلاً چہرے اور ہاتھ پاؤں کو بجائے ایک ایک دفعہ کے تین تین بار دھونا، اور مل مل کر دھونا، داڑھی میں اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا، انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو حرکت دینا، تاکہ اسکے نیچے پانی پہنچنے میں شبہ نہ رہ جائے۔ اسی طرح کلی اور ناک کی صفائی کا اہتمام کرنا، کانوں کے اندرونی اور بیرونی حصہ کا مسح کرنا، شروع میں بسم اللہ اور آخر میں کلمۂ شہادت پڑھنا، اور خاتمۂ وضو کی دعا کرنا — یہ سب چیزیں وضو کی سنتیں اور اس کے آداب و مستحبات ہیں، جن سے وضو کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے! :-

(۳۱) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ — (رواه الترمذی وابن ماجه)۔

(ترجمہ) حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے اللہ کا نام لئے بغیر وضو کیا، اس کا وضو ہی نہیں —

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجه)

(تشریح) اُمت کے اکثر ائمہ اور مجتہدین کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو وضو غفلت کے ساتھ، اللہ کا نام لئے بغیر کیا جائے، وہ بہت ناقص اور بالکل بے نور ہوگا، اور ناقص کو کالعدم قرار دے کر اس کی سرے سے نفی کر دینا عام محاورہ ہے۔ "کتاب الایمان" میں یہ بات تفصیل اور وضاحت سے لکھی جا چکی ہے ـــــ اگلے ہی نمبر پر ابوہریرہ وابن مسعود وابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایت سے جو حدیث درج ہو رہی ہے اُس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے، کہ اللہ کا نام لئے بغیر جو وضو کیا جائے، وہ اگرچہ بالکل بیکار نہیں ہے، لیکن اپنی باطنی تاثیر اور نورانیت کے لحاظ سے بہت ناقص ہے۔

(۴۲) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وَذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ فَاِنَّهُ يُطَهِّرُ جَسَدَهُ كُلَّهُ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ لَمْ يُطَهِّرْ اِلَّا مَوْضِعَ الْوُضُوْءِ۔

ـــــــــــ (رواہ الدار قطنی)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ وابن مسعود وابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے، کہ جو شخص وضو کرے اور اُس میں اللہ کا نام لے، تو یہ وضو اس کے سارے جسم کو پاک کر دیتا ہے، اور جو کوئی وضو کرے اور اس میں اللہ کا نام نہ لے، تو وہ وضو اُس کے صرف اعضائے وضو ہی کو پاک کرتا ہے ـــــــــــ (سنن دار قطنی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو وضو اللہ کا نام لیکر مثلاً بسم اللہ پڑھ کر یا اسی طرح کا کوئی کلمہ ذکر زبان سے ادا کر کے کیا جائے تو اس کے اثر سے سارا جسم مطہّر اور منور ہو جاتا ہے، اور جو وضو اللہ کا نام لئے اور اُس کا ذکر کئے بغیر کیا جائے تو اُس سے صرف اعضاء وضو ہی کی طہارت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ یہ وضو بہت ناقص قسم کا ہوتا ہے ـــــــــ

(۴۳) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اِذَا تَوَضَّأْتَ فَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاِنَّ حَفَظَتَكَ لَا تَبْرَحُ تَكْتُبُ لَكَ الْحَسَنَاتِ حَتّٰى تُحْدِثَ مِنْ ذَالِكَ الْوُضُوْءِ۔

ـــــــــــ (رواہ الطبرانی فی الصغیر)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اُن سے فرمایا۔ اے ابوہریرۃ جب تم وضو کرو، تو "بسم اللہ والحمد للہ" کہہ لیا کرو (اس کا اثر یہ ہوگا کہ) جب تک تمہارا یہ وضو باقی رہے گا، اس وقت تک تمہارے محافظ فرشتے (یعنی کاتبینِ اعمال) تمہارے لئے برابر نیکیاں لکھتے رہیں گے ——

—— (معجم صغیر طبرانی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو وضو "بسم اللہ والحمد للہ" کہکر کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنی عظیم نیکی ہے، کہ جب تک وہ باقی اور قائم رہے اُس وقت تک کاتبانِ اعمال اس وضو والے کے نامۂ اعمال میں مسلسل نیکیاں لکھنے کے لئے مامور ہیں۔

(۴۴) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَبِسْتُمْ وَإِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَءُوْا بِمَيَامِنِكُمْ ——

—— (رواہ احمد وابو داؤد)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب تم لباس پہنو، اور جب تم وضو کرو، تو اپنے داہنے اعضاء سے ابتدا کیا کرو —— (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جب کوئی کپڑا یا جوتا یا موزہ وغیرہ پہنا جائے تو پہلے داہنی طرف پہنا جائے، اور جب وضو کیا جائے تو ہر عضو کے دھونے کی ابتداء داہنی طرف سے کی جائے۔

(۴۵) عَنْ لَقِيْطِ بْنِ صَبِرَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِي عَنِ الْوُضُوْءِ قَالَ اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الْاَصَابِعِ وَبَالِغْ فِي الْاِسْتِنْشَاقِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صَائِمًا —— (رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی)

(ترجمہ) لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے وضو کی بابت بتائیے؟ (یعنی بتائیے کہ کن باتوں کا وضو میں مجھے خاص طور سے اہتمام کرنا چاہئے)۔ آپ نے فرمایا:۔ (ایک تو یہ کہ) پورا وضو خوب اچھی طرح اور کامل طریقہ سے کیا کرو (جس میں کوئی کمی کسر نہ رہے) اور (دوسرے یہ کہ) ہاتھ پاؤں دھوتے وقت اُن کی انگلیوں میں خلال کیا کرو، اور (تیسرے یہ کہ) ناک کے نتھنوں میں خوب پانی

چڑھا کے اچھی طرح اُن کی صفائی کیا کرو، الا یہ کہ تم روزہ سے ہو" (یعنی روزہ کی حالت میں ناک میں پانی زیادہ نہ چڑھاؤ) ——————

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی) ——————

(۴۶) عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ يَدْلُكُ اَصَابِعَ رِجْلَيْهِ بِخِنْصَرِهٖ ——————

—————— (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ)

(ترجمہ) مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، جب آپ وضو فرماتے، تو ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی (چھنگلیا) سے پاؤں کی انگلیوں کو (یعنی اُن کے درمیانی حصّوں کو) مَلتے تھے۔

—————— (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ)

(۴۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ اَخَذَ كَفًّا مِنْ مَاءٍ فَاَدْخَلَهٗ تَحْتَ حَنَكِهٖ فَخَلَّلَ بِهٖ لِحْيَتَهٗ وَقَالَ هٰكَذَا اَمَرَنِيْ رَبِّيْ —————— (رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا، کہ جب وضو فرماتے تو ایک ہاتھ سے پانی لیکر ٹھوڑی کے نیچے ریش مبارک کے اندرونی حصّہ میں پہنچاتے، اور اس سے ریش مبارک میں خلال کرتے (یعنی ہاتھ کی انگلیاں اس کے درمیان سے نکالتے) اور فرماتے میرے رب نے مجھے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے۔

—————— (سنن ابی داؤد)

(۴۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ وَاُذُنَيْهِ بَاطِنَهُمَا بِالسَّبَّاحَتَيْنِ وَظَاهِرَهُمَا بِاِبْهَامَيْهِ۔

—————— (رواہ النسائی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (وضو میں) اپنے سر مبارک کا مسح فرمایا، اور اسکے ساتھ دونوں

کانوں کا بھی (اس طرح) کہ کانوں کے اندرونی حصّہ کا تو انگوٹھوں کے برابر والی انگلیوں سے مسح فرمایا، اور اوپر کے حصّہ کا دونوں انگوٹھوں سے ——

—— (سنن نسائی)

(۴۹) عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَاَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِىْ جُحْرَىْ اُذُنَيْهِ ——

—— (رواه ابوداؤد واحمد وابن ماجه)

(ترجمہ) رُبیّع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو (کانوں کا مسح کرتے ہوئے) دونوں کانوں کے سُوراخوں میں بھی آپ نے اپنی انگلیاں ڈالیں —— (سنن ابی داؤد، مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

(۵۰) عَنْ اَبِىْ رَافِعٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ وُضُوْءَ الصَّلٰوةِ حَرَّكَ خَاتَمَهٗ فِىْ اِصْبَعِهٖ ——

—— (رواه الدارقطنى وابن ماجه)

(ترجمہ) حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جب نماز کا وضو فرماتے تھے، تو انگلی میں پہنی ہوئی اپنی انگوٹھی کو بھی حرکت دیتے تھے (تاکہ پانی اُس جگہ بھی اچھی طرح پہنچ جائے، اور کوئی شک شبہ باقی نہ رہے) —

—— (سنن دارقطنی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مندرجۂ بالا حدیثوں میں وضو کے سلسلہ کے جن جن اعمال کا ذکر ہے، مثلاً ڈاڑھی اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا، کانوں کے اندر باہر کا اچھی طرح مسح کرنا اور اُن کے سوراخوں تک بھی انگلیاں پہنچانا، اسی طرح ہاتھ میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو حرکت دینا، یہ سب وضو کے تکمیلی آداب ہیں جن کا اہتمام رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی فرماتے تھے، اور اپنے قول و عمل سے دوسروں کو بھی ان کی تعلیم و ترغیب دیتے تھے۔

وضو میں پانی بے ضرورت نہ بہایا جائے: ——

(۵۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِسَعْدٍ وَهُوَ یَتَوَضَّاُ فَقَالَ مَا هٰذَا السَّرَفُ یَا سَعْدُ! قَالَ اَفِی الْوُضُوْءِ سَرَفٌ؟ قَالَ وَاِنْ کُنْتَ عَلٰی نَهْرٍ جَارٍ ـــــ (رواہ احمد وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہ سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) وضو کر رہے تھے (اور اُس میں پانی کے استعمال میں فضول خرچی سے کام لے رہے تھے) رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس سے گذرے، تو آپ نے اُن سے فرمایا: سعد! یہ کیسا اسراف ہے (یعنی پانی بے ضرورت کیوں بہایا جا رہا ہے) انھوں نے عرض کیا حضورؐ! کیا وضو کے پانی میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ (یعنی کیا وضو میں پانی زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف میں داخل ہے؟) آپؐ نے ارشاد فرمایا، ہاں یہ بھی اسراف میں داخل ہے، اگرچہ تم کسی جاری نہر کے کنارے ہی پر کیوں نہ ہو۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ وضو کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پانی کے استعمال میں اسراف سے کام نہ لیا جائے ـــــ

وضو کے بعد تولیہ یا رومال کا استعمال :ـــــ

(۵۲) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّاَ مَسَحَ وَجْهَهٗ بِطَرَفِ ثَوْبِهٖ ـــــ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، کہ جب آپؐ وضو فرماتے، تو اپنے ایک کپڑے کے کنارے سے چہرۂ مُبارک پونچھ لیتے ـــــ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرمانے کے بعد اپنے کسی کپڑے (چادر وغیرہ) کے کنارے ہی سے چہرۂ مُبارک پونچھ لیتے تھے۔ اور امام ترمذی ہی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، کہ وضو کے بعد اعضاء وضو کو پونچھنے کے لئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ایک مستقل کپڑا رہتا تھا جس کو آپؐ اس کام میں استعمال کرتے تھے ـــــ

بعض اور صحابۂ کرامؓ کی روایات میں بھی ایسے کپڑے یا رومال کا ذکر آیا ہے ۔۔۔ اس سلسلہ کی تمام روایات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس مقصد کے لئے کوئی مستقل کپڑا رومال کی طرح کا بھی رہتا تھا، اور کبھی کبھی آپ اپنے کسی کپڑے کے کنارے سے بھی یہ کام لے لیتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہر وضو کے بعد اللہ تعالیٰ کا کچھ ذکر اور نماز :۔۔۔

نمبر (۱۶) پر بحوالۂ مسلم و ترمذی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث گذر چکی ہے جس میں وضو کے بعد کلمۂ شہادت اور دعاء ماثور "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ" پڑھنے کی فضیلت و برکت بیان فرمائی گئی ہے، اور نمبر (۳۵) پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث بھی بحوالۂ بخاری و مسلم گذر چکی ہے جس میں وضو کرنے کے بعد قلبی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھنے پر پچھلے سارے گناہوں کی معافی کی بشارت سنائی گئی ہے، اس سلسلہ میں ایک حدیث یہاں اور پڑھ لی جائے :۔۔۔

(۵۳) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ حَدِّثْنِيْ بِاَرْجٰى عَمَلٍ عَمِلْتَهٗ فِي الْاِسْلَامِ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ قَالَ مَا عَمِلْتُ عَمَلًا اَرْجٰى عِنْدِيْ اَنِّيْ لَمْ اَتَطَهَّرْ طُهُوْرًا فِيْ سَاعَةٍ مِنْ لَيْلٍ اَوْ نَهَارٍ اِلَّا وَصَلَّيْتُ بِذٰلِكَ الطُّهُوْرِ مَا كُتِبَ لِيْ اَنْ اُصَلِّيَ۔۔۔

(رواہ البخاری و مسلم واللفظ للبخاری)۔

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فجر کی نماز کے بعد بلال سے فرمایا بتھیں اپنے جس اسلامی عمل سے سب سے زیادہ اُمید خیر و ثواب ہو وہ مجھے بتلاؤ، کیونکہ میں نے تمھارے چپلوں کی چاپ جنت میں اپنے آگے آگے سُنی ہے (مطلب یہ ہے کہ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں چل پھر رہا ہوں اور آگے آگے تمھارے قدموں کی آہٹ سُن رہا ہوں، تو میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ تمھارے کس عمل کی برکت ہے، لہذا تم مجھے اپنا وہ عمل بتاؤ جس سے تھیں سب سے زیادہ ثواب

اور رحمت کی امید ہو) بلال نے عرض کیا کہ مجھے اپنے اعمال میں سب سے زیادہ امید اپنے اس عمل سے ہے، کہ میں نے رات یا دن کے کسی وقت میں جب بھی وضو کیا ہے، تو اس وضو سے میں نے نماز ضرور ہی پڑھی ہے، جتنی نماز کی بھی مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت توفیق ملی ——— (صحیح بخاری) ———

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قدموں کی آہٹ یا چپلوں کی چاپ جنت میں سننے کی جو اطلاع دی ہے (جیسا کہ ترجمہ میں بھی ظاہر کر دیا گیا ہے) یہ خواب[1] کا واقعہ ہے، اسلئے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ بلالؓ زندگی ہی میں جنت میں کس طرح پہنچ گئے، البتہ حضورؐ کا خواب میں حضرت بلالؓ کو جنت میں دیکھنا، اور اس کا بیان فرمانا اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ حضرت بلالؓ جنتی ہیں، بلکہ درجۂ اول کے جنتیوں میں ہیں ———

اس حدیث کی روح اور اس کا خاص پیغام یہ ہے کہ بندہ اس کی عادت ڈالے، کہ جب بھی وضو کرے، اس سے حسب توفیق کچھ نماز ضرور پڑھے، خواہ فرض ہو، خواہ سنت خواہ نفل۔

---

[1] جن شواہد اور قرائن کی بنا، پر اس کو خواب کا واقعہ قرار دیا گیا ہے، اُن کی تفصیل معلوم کرنے کیلئے فتح الباری کا مطالعہ کیا جائے۔ ۱۲ منہ

تجلیاتِ مجدد الف ثانیؒ

مکتوبات کے آئینے میں

(از:- مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

مکتوب (۱۸۹) شرف الدین حسین بدخشی کے نام :—

(نصیحت)

عزیزی شرف الدین حسین کا مکتوب شریف وصول ہوکر موجبِ فرحت اور باعثِ مسرت ہوا۔ یہ بڑی نعمت ہے، کہ تعلقاتِ دُنیا میں گرفتاری کے باوجود، فقراء فراموش نہیں ہوئے— اس بات (خط وکتابت) سے فقراء سے انتہائی مناسبت کا پتہ چلتا ہے، اور یہی سببِ افادہ و استفادہ ہے—

بعض وقائع جو لکھے تھے اچھے ہیں، ارتباطِ معنوی پر دلالت کرتے ہیں — اے فرزند! دُنیائے دَنی کی تر و تازگی پر فریفتہ اور اس کی بے حقیقت شان و شوکت پر شیفتہ نہ ہو جانا، یہ دُنیا ناپائیدار اور بے اعتبار ہے — آج یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی، تو کل (بروزِ قیامت) ضرور سمجھ میں آجائے گی، مگر اُس وقت کچھ فائدہ نہ ہوگا — ؎

گوشم از بارِ دُرگراں شدہ است

نشنود نالہ و فغانِ مرا

چاہیے کہ سبقِ باطن کو اللہ کی بڑی نعمت سمجھ کر اس سبق کی تکرار کے حریص ہوں، اور پنجوقتہ

نماز کو باجماعت بغیر سستی و کاہلی کے ادا کریں ـــــ چالیسواں حصہ زکوٰۃ کا فقراء و مساکین کو شکر گذاری کے ساتھ پہنچائیں ـــــ محرمات و مشتبہات سے اجتناب کریں ـــــ مخلوقِ خدا پر شفقت و مہربانی کرنے والے ہوں ـــــ یہ ہے طریقِ نجات ـــــ والسلام ـــــ

مکتوب (۱۹۰) میر محمد نعمان اکبر آبادی کے ایک صاحبزادے کے نام: ـــــ

(آخری حصہ)

......جانتے ہو کہ پیر کون ہے؟ پیر وہ ہے کہ جناب قدس تک پہنچنے کا طریقہ تم اس سے حاصل کرو ـــــ اور اس راہ سلوک میں اُس سے مدد و اعانت پاؤ ـــــ محض کلاہ، چادر اور شجرۂ سلسلہ جو رواج پذیر ہے، حقیقتِ پیری و مریدی سے خارج ہے، اور داخلِ رسوم و عادات ہے...... یہ بھی جاننا چاہئے کہ خواب اور وارداتِ قلبیہ شایانِ اعتماد نہیں ہیں، اگر کوئی اپنے کو خواب میں بادشاہ دیکھ لے، یا قطب وقت پائے، تو حقیقت میں ایسا نہیں ہو جاتا ـــــ اگر بیرونِ خواب بادشاہ یا قطب ہو، تو البتہ صحیح ہے ـــــ پس احوال و مواجید جو بیداری میں اور بحالتِ ہوش ظاہر ہوں، وہ گنجائش اعتماد رکھتے ہیں ورنہ نہیں ـــــ یہ بھی واضح رہے کہ ذکر کا نفع اور ذکر کے آثار کا ترتّب عمل شریعت سے وابستہ ہے ـــــ پس فرائض و سُنن کی ادائیگی اور حرام و مشتبہ سے اجتناب اچھی طرح ملحوظ رہنا چاہئے ـــــ ہر چھوٹے بڑے معاملے میں علماء سے رجوع کرنا، اور ان کے فتویٰ کے مطابق زندگانی بسر کرنا چاہئے ـــــ والسلام ـــــ

مکتوب (۱۹۱) عبدالرحیم خانخاناں کے نام: ـــــ

(متابعتِ انبیاء کی ترغیب میں، اور اس بیان میں کہ تکلیفاتِ شرعیہ کے اندر آسانی و سہولت کو ملحوظ رکھا گیا ہے) ـــــ

الحمد للّٰہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللّٰہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق ـــــ سعادتِ ابدی اور نجاتِ سرمدی، متابعتِ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مربوط ہے ـــــ اگر بالفرض ہزار سال عبادت کی جائے، اور ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ بجا لائے جائیں، لیکن وہ انبیاء علیہم السلام کے نورِ متابعت سے منوّر نہ ہوں، تو اُن کی کوئی قیمت نہیں ـــــ ہزار سالہ ریاضتیں اور مجاہدے اُس ایک دوپہر سونے (قیلولے)

کے برابر نہیں، جو انبیاء کے حکم کے مطابق ہو ــــــ اگرچہ اُس سونے میں سراسر غفلت و تعطیل ہے ــــــ
قیلولے کے مقابلے میں (اپنی مرضی کی) ہزار سالہ عبادت کو چٹیل میدان میں سراب کی مانند شمار
کریں گے ــــــ اللہ جل سلطانہ کی کمال عنایت ہے، کہ تمام تکلیفات شرعیہ اُور ماموراتِ دینیہ
میں اُس نے انتہائی سہولت کو ملحوظ رکھا ہے۔ مثلاً آٹھ پہر (دن رات) میں سترہ رکعت (فرض)
پر اکتفا کیا گیا، کہ جس کی ادائیگی میں کُل وقت ایک گھنٹے سے زیادہ نہیں لگتا ــــــ ساتھ ہی تمام
نماز میں قرأت کو بھی اُتنا ہی رکھا گیا ہے جتنی آسان ہو ــــــ اگر کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھی جا سکے،
تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا، اُور بیٹھنا بھی مشکل ہو، تو کروٹ کے بَل، نماز پڑھنے کو فرمایا گیا،
اُور جب رکوع و سجود بھی مشکل ہوں، تو اشارے سے نماز پڑھنے کی سہولت عطا فرمائی ــــــ
طہارت میں اگر پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو، تو تیمم کو اُس کا خلیفہ بنا دیا ــــــ زکوٰۃ میں (صرف)
چالیسواں حصہ فقراء و مساکین کے لئے مقرر فرمایا، اُور اس کو مالِ نامی اُور جنگل میں چرنے والے
چوپایوں پر ہی رکھا گیا ــــــ تمام عمر میں ایک مرتبہ حج کو فرض کیا گیا، اُور ساتھ ہی تمام زادِ راحلہ
اُور راستے کے امن کے ساتھ مشروط فرما دیا ــــــ دائرۂ مباح کو وسیع کر دیا (بیک وقت) چار نکاح
اُور باندیوں سے جسقدر چاہے مباح کر دیئے، طلاق کو ایک ذریعہ بنایا اس کام کے لئے کہ (بوقتِ احتیاج)
عورتوں کو تبدیل کیا جا سکے ــــــ کھانے، پینے اُور پہننے کی چیزوں میں اکثر کو مباح کر دیا، اُور
تھوڑی سی چیزیں حرام قرار دیں، اُور وہ بھی بندوں کی مصلحتوں کا لحاظ رکھ کر ــــــ اگرچہ ایک
بد ذائقہ اُور مضرت رساں شراب کو حرام کر دیا گیا، لیکن کتنے خوش ذائقہ اُور نفع مند شربت اُس کے
عوض میں مباح کر دیئے ــــــ لونگ کا عرق اُور دار چینی کا عرق، ہاضم اُور خوشبودار ہونے کے علاوہ
کتنے ہی منافع اور فوائد رکھتا ہے، جن کو لکھا نہیں جا سکتا ــــــ ان (مباح) عرقوں کے مقابلہ
میں ایک تلخ، بدمزہ، بدبودار اُور ہوش و حواس لے جانے والی پُرخطر (شراب) کی کیا حیثیت ہے؟ ــــــ
دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے ــــــ اس کے علاوہ وہ فرق جو حلت و حرمت کی راہ سے
رونما ہوتا ہے، اُور وہ امتیاز جو رضائے الٰہی اُور عدم رضائے الٰہی کے لحاظ سے پیدا ہوتا ہے، وہ
علیحدہ ہے ــــــ اگر (مردوں کے لئے) ریشم کے کچھ لباسوں کو حرام کر دیا گیا، تو کیا مضائقہ ہے؟
اُس کے بدلے میں کتنے عمدہ عمدہ اُور طرح طرح کے مزین کپڑے حلال کر دیئے گئے ــــــ

ادنیٰ لباس جو کہ مطلقاً مباح ہے، لباس ریشمی سے کئی درجے زیادہ بہتر ہے ـــــ علاوہ ازیں ریشمی لباس عورتوں کے لئے مباح کر دیا گیا، اور عورتوں کے لباس کا فائدہ مردوں کے طرف ہی راجع ہوتا ہے۔ ایسے ہی چاندی سونے کا حال ہے، کہ (طلائی و نقرئی زیور) عورتوں کو حلال ہیں، اور عورتوں کے زیوروں سے مردوں کو (یک گونہ) نفع حاصل ہوتا ہے ـــــ اگر کوئی بے انصاف شریعت کی اس سہولت اور آسانی کے باوجود، شریعت کو مشکل سمجھے، تو وہ مرضِ قلبی اور علتِ باطنی میں گرفتار ہے ـــــ بہت سے کام ہیں جن کو تندرست لوگ بآسانی کرتے ہیں لیکن ضعیف و بیمار لوگوں کو وہ کام مشکل ہو جاتے ہیں ـــــ مرضِ قلبی سے مراد، احکام سماویہ کا عدم یقین ہے ـــــ (مریضانِ قلب) جو تصدیق (اپنے پاس) رکھتے ہیں، وہ صورتِ تصدیق ہے، نہ کہ حقیقتِ تصدیق ـــــ حقیقی تصدیق کی علامت یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ کی بجاآوری آسان ہو جائے ـــــ اس کے بغیر گویا درختِ خار دار میں الجھنا ہے ـــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "کبر علی المشرکین ماتدعوهم اليه الله يجتبي اليه من يشاء ويهدي اليه من ينيب" (گراں ہے مشرکوں پر وہ امر جس کی طرف آپ اُن کو بلاتے ہیں ـــــ اپنا کر لیتا ہے اللہ جس کو چاہتا ہے، اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اُس کو جو دل سے متوجہ ہوتا ہے) ـــــ والسلام علی من اتبع الهدیٰ والتزم متابعة المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ

مکتوب (۱۹۳) سیادت پناہ شیخ فرید کے نام :ـــــ

(تصحیحِ عقائد اور تعلمِ احکامِ فقہیہ کی ترغیب میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــ اللہ تعالیٰ آپ کا ناصر و معین ہو، ہر اُس کام کے مقابلے میں جو آپ کے لئے نازیبا ہو ـــــ سب سے پہلی ضرورت اُن لوگوں کے لئے جو مکلف ہیں۔ تصحیحِ عقائد ہے ـــــ علماء اہلِ سنت و جماعت کی آراء کے مطابق ـــــ نجاتِ اُخروی انھیں علماء کے راہ راست دکھانے والے عقائد کے اتباع سے وابستہ ہے، فرقۂ ناجیہ یہ اور ان کے متبعین ہی ہیں ـــــ یہی حضرات آنسرورؐ اور اصحابِ آنسرورؐ کے طریقے پر ہیں ـــــ صلوات اللہ وتسلیماتہ علیہ وعلیہم اجمعین ـــــ

کتاب و سنت سے حاصل کردہ وہی علوم معتبر ہیں جو ان علمائے اہلِ سنت نے اخذ کئے اور

سمجھے ہیں — اس لئے کہ ہر گمراہ بدعتی اپنے عقائدِ فاسدہ کو اپنے گمان میں کتاب و سنت سے ہی اخذ کرتا ہے — لہذا ہر وہ معنی جو (ایجادِ بندہ کے طور پر) کتاب و سنت سے نکالے گئے ہوں (بغیر تائیدِ علمائے اہلِ سنّت) وہ معتبر نہیں ہوں گے —

عقائدِ حقّہ کی تصحیح کے لئے امام توریشتی رحمہ کا رسالہ بہت مناسب ہے اور وہ قریب بہ فہم بھی ہے — ضروری ہے کہ آپ کی مجلسِ مبارک میں وہ رسالہ موجود ہے — لیکن چونکہ رسالۂ مذکورہ استدلالات پر مشتمل ہے، اور طویل ہے، لہذا کوئی اور رسالہ ہو جو خالص مسائل پر مشتمل ہو، تو اور زیادہ اچھا رہے گا — اس اثنا میں فقیر کے دل میں بھی یہ بات آئی کہ فقیر ایک رسالہ لکھے جو عقائد اہلِ سنت وجماعت پر مشتمل ہو اور آسان ہو — اگر ایسا رسالہ لکھا گیا تو بھیجا جائیگا —

عقائد کی تصحیح کے بعد حلال و حرام، فرض و واجب، سنت و مندوب اور مکروہ کا علم بھی ضروری ہے — جس کا ضامن علمِ فقہ ہے — اور اس علم کے مطابق عمل بھی ضروری ہے — کسی طالبِ علم سے آپ فرمادیں کہ وہ فقہ کی کتابوں میں سے کوئی ایسی کتاب جو فارسی زبان میں ہو آپکی مجلس میں پڑھ دیا کرے، مثلاً مجموعہ خانی اور عمدۃ الاسلام — اگر نعوذ باللہ، مسائلِ عقائدِ ضروریہ میں سے کسی مسئلہ میں بھی خلل آیا، تو نجاتِ اُخروی سے محرومی ہے — (بصورت صحتِ عقائد) عمل میں اگر کچھ سستی ہو جائے تو ممکن ہے کہ بے توبہ بھی درگذر فرمادی جائے، اور اگر مواخذہ بھی کرینگے تو آخرکار نجات ہو ہی جائے گی — پس سب سے بڑا کام تصحیحِ عقائد ہے — حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمہ سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے — "اگر تمام احوال و مواجید ہم کو دیں اور ہماری حقیقت کو عقائدِ اہلِ سنت وجماعت کے ساتھ مزین نہ کریں، تو اس کو ہم اپنے لئے خرابی و بربادی سمجھیں گے لیکن اگر تمام خرابیاں ہمارے ساتھ جمع کر دیں، اور ہماری حقیقت کو عقائدِ اہلِ سنت وجماعت سے نواز دیں، تو ہم کو کچھ خوف نہیں" — اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو طریقۂ مرضیہ پر ثابت قدم رکھے بحرمۃ سیّد البشر صلی اللہ علیہ وسلم —

ایک درویش لاہور سے آئے تھے، انھوں نے بیان کیا کہ شیخ صاحب (آپ) جامع مسجد پرانی کہنہ میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لئے گئے تھے، وہاں میاں رفیع الدین نے اوّلاً آپ کی اس توجہ و رغبت کا اظہار کیا، جو ترویجِ دین کی طرف مبذول ہے، بعد ازاں بتایا کہ نواب صاحب (شیخ فرید) نے

اپنے گھر میں مسجد جامع بنائی ہے ــــ الحمد للہ علیٰ ذالک ــــ حضرت حق سبحانہٗ مزید توفیق عطا فرمائے ــــ اس قسم کی خوشخبریاں جب مخلصین سُنتے ہیں تو بہت ہی خوش ہوتے ہیں ۔

سیادت پناہا! آج کے دن اسلام بہت کس مپرسی کے عالم میں ہے ــــ ایک جیتل (پیسہ) آج اگر تقویت دین کے سلسلہ میں صرف کیا جائے گا، تو کروڑوں کے اجر میں قبول کرینگے ــــ دیکھئے کس شہباز کو ترویج دین کی دولتِ عظمیٰ سے مشرف کرتے ہیں؟ ــــ ترویج دین، اور تقویتِ ملت جس وقت اور جس سے بھی وقوع میں آئے اچھی ہے ــــ لیکن اس وقت میں جبکہ اسلام کی غربت کا زمانہ ہے، آپ جیسے سیادت مآب، جوامردوں کے لئے بہت ہی زیادہ زیبا اور مناسب ہے۔ کیونکہ یہ اسلام آپ ہی کے بزرگ خاندان سے نکلا ہے۔۔۔۔۔ حقیقی وراثتِ نبوی اسی ترویج واشاعت دین میں مضمر ہے ــــ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ تم ایسے زمانہ میں موجود ہو، کہ اگر اوامر ونواہی میں سے دسواں حصہ ترک کردو تو تباہ ہو جاؤ، اور تمھارے بعد لوگ آئیں گے اگر وہ دسواں حصہ بھی اوامر ونواہی کا انجام دے لیں گے تو نجات پا جائیں گے ــــ یہ وقت وہی وقت ہے، اور یہ موجودہ لوگ وہی لوگ ہیں ۔ ؎

گوئے توفیق وسعادت درمیاں افگندہ اند

کس بمیداں در نمی آید سواراں راچہ شد

۔۔۔۔۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ بادشاہِ اسلام (جہانگیر) کو بدمذہبوں کے رسوم کی خرابی سے باخبر کریں، اور اُن رسوم کے مٹانے میں کوشش کریں۔ یہ رسوم کفر جو باقی رہ گئے ہیں شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ بادشاہ کو اُن کی بُرائی کا علم نہیں ــــ اگر گنجائش دیکھیں تو علماء اہلِ اسلام میں سے کسی عالم سے فرماویں کہ وہ بادشاہ کو اہلِ کفر کی رسوم کی بُرائی سے مطلع کرے ــــ تبلیغ احکام شرعیہ کے لئے کرامات دکھانا ضروری نہیں ہے ــــ قیامت میں یہ عذر نہ چل سکے گا، کہ تبلیغ احکامِ شرعیہ اس وجہ سے نہیں کی گئی، کہ کوئی کرامت نہ تھی ــــ (دیکھئے) انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات جو کہ بہترین موجودات تھے تبلیغ احکام شرعیہ کرتے تھے، اگر امت معجزہ طلب کرتی تھی، تو فرما دیتے تھے کہ: "معجزات، خدا کے پاس ہیں، ہمارے ذمے تو تبلیغِ احکام ہے" ــــ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ (اس تبلیغی جدوجہد کے درمیان) حق سُبحانہٗ کوئی ایسا امر واضح فرمادے جس سے لوگوں کو جماعتِ

ت کی حقانیت کا یقین ہو جائے ــــ بہر حال (بادشاہ کو) مسائل شرعیہ کی حقیقت سے اطلاع
ضروری ہے، جب تک ایسا نہ ہوگا علماء اور مقربانِ بادشاہ کی ذمہ داری اُدا نہ ہوگی ــــ
لیغی جد و جہد اور گفتگو میں اگر کسی جماعت کو تکلیف و اذیت بھی پہنچ جائے تو زہے قسمت،
ا علیہم السلام نے تبلیغ احکام شرعیہ میں کیا کچھ تکلیفیں نہیں جھیلیں، اور کتنی کچھ دشواریاں
اشت نہیں کیں ؟۔ وہ جو تمام انبیاء میں سب سے افضل تھے، یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ
وسلم ــــ انھوں نے فرمایا ہے ــــ مجھے اللہ کے راستے میں جتنی تکلیف دی گئی ہے کسی نبی کو
تکلیف نہیں دی گئی ــــــــ ے

عمر بگذشت و حدیثِ دردِ ما آخر نشد
شب بآخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را

والسلام والاکرام ... .

مکتوب (۱۹۴) صدرِ جہاں کے نام : ــــــــ

(ترویجِ ملت اور تائیدِ دین کی ترغیب میں)

اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت و باعافیت رکھے ــــ ترویجِ احکام شرعیہ اور تذلیلِ دشمنانِ
محمدی کی خبریں سُن کر غم زدہ مسلمانوں کو فرحت اور خوشی ہے ــــ الحمد للہ ــــ اللہ تعالیٰ سے

میران صدر جہاں، آپ پہانی کے ساکن تھے (جو بقول صاحب تذکرہ علمائے ہند توابع قنوج سے
گاؤں ہے) ــــ بڑے فاضل اور بڑے خوش طبع تھے، عہدِ اکبری میں شیخ عبد النبی کی سفارش سے
محروسہ کے افتاء کی صدارت ان کے سپرد تھی، اکبر کے زمانہ میں ترقی کرتے کرتے پایۂ امارت اور منصب
زاری پر فائز ہوئے ــــ جہانگیر نے زمانۂ شاہزادگی میں ان سے وعدہ کیا کہ اگر میری سلطنت ہوئی
پ کا تمام قرضہ ادا کروں گا یا آپ کوئی منصب چاہیں گے وہ دوں گا ــــ جہانگیر جب بادشاہ ہوا تو
ن کو دونوں باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا ــــ میران نے ادائیگی قرض اپنے ذمے لیکر منصب چہار ہزاری
درخواست کی چنانچہ یہ منصب عطا کیا گیا ــــ صدارت بھی برقرار رکھی گئی ــــ اور قنوج کو انکی جاگیر
نے دیا میران صدر جہاں، خلقِ خدا کے حق میں بہت محسن اور نافع واقع ہوئے تھے ــــ ایک سو بیس برس

(بقیہ صفحہ ۳۲ پر)

درخواست ہے، کہ وہ اس عظیم الشان کام میں ترقی عطا فرمائے ۔ بحرمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔

یقین ہے کہ مقتدایانِ اسلام، خواہ وہ سادات عظام ہوں یا علماء کرام خلوت وجلوت میں دین کی ترقی اور اس صراطِ مستقیم کی تکمیل میں سرگرم رہیں گے ــــ ایک بے سروسامان (یہ عاجز) اس معاملہ میں گفتگو کو کیا طول دے ــــ سنا گیا ہے کہ بادشاہِ اسلام (جہانگیر) اسلامی حُسنِ استعداد کی وجہ سے علماء کے طلبگار رہیں ــــ الحمد للہ علیٰ ذٰلک ــــ آپ کو معلوم ہے کہ قرنِ سابق (عہدِ اکبری) میں جو فساد پیدا ہوا وہ علماء سُوء کی نحوست کی وجہ سے تھا ۔

اسلئے پوری چھان بین کر کے علماء دیندار کا انتخاب کریں ــــ علماء سُوء دین کے چور ہیں ۔ ان کا مقصد حبِ جاہ و ریاست اور مخلوق میں اپنی عزت ہے ــــ اللہ اُن کے فتنہ سے پناہ دے ــــ ہاں جو بہترین علماء ہیں وہ بہترین خلائق ہیں ــــ یہ ہی وہ ہیں کہ فردائے قیامت میں اُن کے قلم کی سیاہی، شہداء کے خون کے ہموزن کریں گے، اور اس سیاہی کا پلہ جھک جائے گا ــــ بُرے علماء سب لوگوں سے بدتر ہیں، اور اچھے علماء سب لوگوں سے بہتر ہیں ۔

والسلام ....

(صٓ۲۳ کا بقیہ حاشیہ) کی عمر پاکر ۱۰۲۰ھ میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے ــــ آخر وقت تک عقل و حواس میں بالکل کوئی فتور نہیں آیا تھا ــــ ویسے مشت استخواں تھے، اور گھر میں بستر پر پڑے رہتے تھے، لیکن جہانگیر کی خدمت میں تادیر مودب کھڑے رہنا، اور دربارِ شاہی میں براہِ زینہ بے استعانتِ غیر آمد و رفت رکھنا ــ آخری عمر تک رہا ــــ (ماخوذ از مآثر الامراء جلد سوم)

حضرت مجددؒ سے عمر میں تقریباً ستر سال بڑے تھے ــــ عہدِ اکبری میں ان کے پائے ثبات میں بھی کچھ لغزش آگئی تھی ــــ چنانچہ مآثر الامراء میں دربارِ اکبری کے ایک قابلِ افسوس اور عبرت ناک واقعہ کو ان کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے ــــ حالانکہ اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ خلعتِ افتاء پہننے کے بعد بپاس شریعتِ غرا شعر گوئی کو چھوڑ دیا تھا ــ اللہ تعالیٰ ان کی بعض لغزشوں کو معاف فرمائے (آمین)۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں یہ پورے طریقے پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کی سعیٔ مشکور سے متاثر ہو گئے تھے ۔

نسیم احمد فریدی غفرلہٗ

اللہ کا ایک بندہ

(محمد منظور نعمانی)

(۲)

بیٹی کی شادی میں رسوم سے انکار اور اسکی وجہ سے مقاطعہ اور برادری سے اخراج

——فرمایا—— میری بڑی بیٹی زینب کا رشتہ ایک جگہ طے ہو گیا تھا، میں نے اس کے نکاح کا ارادہ کیا، اور یہ بھی فیصلہ کیا کہ برادری کی رسموں کی پابندی بالکل نہیں کروں گا بس شریعت و سنت کے مطابق سیدھا سادہ نکاح کروں گا اور بچی کو رخصت کر دوں گا، جو لوگ برادری میں بڑے تھے پہلے ان سے بات چیت کی. تاکہ کوئی ہنگامہ اور ناگواری پیش نہ آئے، انھوں نے کہا کہ ناچ باجے کے لیے تو ہم تجھے مجبور نہیں کرتے لیکن برادری کی فلاں فلاں رسیں تو تجھے ضرور ہی کرنی پڑیں گی. میں نے بہت سمجھایا، لیکن وہ کسی طرح نہ مانے، اب میں نے لڑکے والوں سے بات چیت کی کہ میرا ایسا ارادہ ہے، اگر تم بخوشی اس کے لیے تیار ہو تو فلاں دن بعد مغرب نکاح ہوگا اور اگر تم بھی اس کے لیے تیار نہ ہو تو پھر خوشی سے اپنے لڑکے کے لیے کوئی دوسری لڑکی تجویز کر لو. مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی، انھوں نے آمادگی اور استقامت ظاہر کی، اور میں نے دن مقرر کر دیا، یہ بھی کہہ دیا کہ آپ حضرات مغرب کی نماز اپنی مسجد میں پڑھ کے آئیں اور نکاح اور رخصتی سے فارغ ہو کے عشاء اپنی مسجد میں جا کے پڑھ لیں. بس اتنا ہی وقت نکاح اور رخصتی میں لگے گا.

برادری والوں نے پنچایت بلائی اور خود میرے بھائی کی زبان سے میرے مقاطعہ کا اور برادری سے خارج کیے جانے کا اعلان کرایا.

مقررہ دن آجانے پر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آج بعد مغرب زینب کا نکاح اور رخصتی ہوگی جو کچھ ضرورت ہو بنا دو اور ضروری سامان کر دو، والدہ کو میری اس بات سے تعجب بھی ہوا اور اس وقت رنج بھی ہوا۔ لیکن پھر میرے کہنے سننے سے وہ راضی اور آمادہ ہو گئیں، بعد مغرب لڑکے والے آئے اور میں نے نکاح کر کے اسی وقت بچی کو رخصت کر دیا۔

پھر اللہ نے برادری والوں کا وہ سارا مقاطعہ بھی ختم کرا دیا اور سب سیدھے ہو گئے۔

فرمایا — سنہ [illegible]ھ میں میں نے والدہ کو ساتھ لے کر حج کا ارادہ کیا، کئی بچے چھوٹے

پہلا حج

چھوٹے تھے اور ان کی وجہ سے گھر پر کسی کا رہنا ضروری تھا، اس لیے اہلیہ کے متعلق طے کیا کہ وہ ساتھ نہ چلیں، بلکہ گھر پر رہیں۔ محمد عمرؓ کی بیوی صرف ۸۔۱۰ دن پہلے آئی تھی، اس لیے گھر اس بیچاری پر چھوڑا نہیں جا سکتا تھا، لیکن اہلیہ نے رجو دین میں بھی حضرت حاجی صاحب کی رفیقہ اور بڑی صالحہ عابدہ تھیں، ساتھ چلنے کے لیے اتنا سخت اصرار کیا کہ مجبوراً میں نے طے کر لیا کہ اچھا اب اس سال نہیں جاتے، انشاء اللہ اگلے سال جب محمد عمر کی بیوی گھر سنبھالنے کے قابل ہو جائے گی تو والدہ اور اہلیہ دونوں کو ساتھ لے چلیں گے۔ بندھا بندھایا سامان بھی کھل گیا، شہر کے کئی آدمی جو ساتھ جانے والے تھے جب میں نے انھیں اپنی مجبوری بتائی تو ان اللہ کے بندوں نے بھی ارادہ فسخ کر دیا۔ میں نے ہر چند سمجھایا لیکن وہ تیار نہیں ہوئے۔ میں نے بیوی سے کہا کہ دیکھو تمہاری وجہ سے یہ سب بھی رہے جا رہے ہیں، اس نیک بندی کے دل پر اس کا بہت اثر پڑا اور وہ اس پر راضی ہو گئی کہ میں والدہ کو ساتھ لے کے چلا جاؤں، اب شہر کے وہ سب ساتھی بھی تیار ہو گئے، اور ہم روانہ ہو گئے —

مناسک حج کے متعلق حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ کی کتاب زیارۃ الحرمین میں نے بہت پہلے سے دیکھنی شروع کر دی تھی۔ اس کی باتیں خوب یاد ہو گئی تھیں۔ اس کے مطالعہ سے اور تجربہ کاروں کے بتانے سے یہ بات دل میں بیٹھ گئی تھیں کہ اس سفر میں دو چیزیں مشکل ہیں۔ ایک نفس پر ایسا قابو کہ کسی سے لڑائی جھگڑا نہ ہو اور دوسرے یہ کہ ہر نماز وقت پر اور جماعت سے ادا ہو۔

۱؎ حاجی صاحب مدظلہ کے بڑے صاحبزادے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے والد ماجد کی بہت سی خوبیوں کا وارث بنایا ہے۔

لڑائی جھگڑے کے بارے میں تو مجھے اطمینان تھا کہ انشاء اللہ میں اس سے محفوظ رہوں گا، اللہ تعالیٰ نے طبیعت ہی ایسی بنائی ہو کہ ساری عمر میں کسی سے لڑائی کی بلکہ تیز کلامی کی بھی نوبت نہیں آئی اور نماز کے بارہ میں میں نے عزم کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اس مالک کا فضل ہے کہ اُس دن سے آج تک بغیر عذر شرعی کے جماعت بلکہ تکبیر تحریمہ بھی فوت نہیں ہوئی ہے۔

دوسرا حج اور اہلیہ کی نہایت دردناک موت

سنہ ۹۹ھ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب کو اتنی وسعت عطا فرمادی کہ اہلیہ محترمہ سے انھوں نے فرمایا کہ تم اپنے سب بچوں کو ساتھ لے جاکر حج کر آؤ، انھوں نے اس پر سخت اصرار کیا کہ حاجی صاحب خود بھی ساتھ چلیں، چنانچہ کراچی تک حضرت موصوف کو ساتھ جانا پڑا، وہاں پہونچ کر بڑی مشکل سے وہ اہلیہ کو اس پر راضی کر سکے کہ وہ ان کے بغیر اپنے بچوں کے ساتھ ہی چلی جائیں، جہاز کے ساڑھے چھ ٹکٹ خریدے گئے اور حاجی صاحب اپنے گھر کے اس قافلہ کو رخصت کر کے کراچی ہی سے واپس تشریف لے آئے۔ یہ پورا قافلہ حج ادا کر کے بخیر و عافیت واپس آگیا۔

اگلے سال سنہ ۰۰ھ میں حضرت حاجی صاحب نے تنہا حج کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اہلیہ نے اب پھر ساتھ چلنے کے لیے شدید اصرار کیا، ان کو حجاز مقدس سے ایسا عشق ہوگیا تھا کہ وہ حاجی صاحب سے اصرار کرتی تھیں کہ ہجرت کر کے وہیں جا پڑیں، بہرحال جب سنہ ۰۰ھ میں حاجی صاحب نے حج کا ارادہ فرمایا تو انھوں نے بھی ساتھ چلنے کے لیے بے انتہا اصرار کیا بلکہ کراچی تک ساتھ گئیں بھی، لیکن حاجی صاحب چونکہ حج تنہا ہی کرنا چاہتے تھے اس لیے کسی طرح سمجھا بجھا کر انھیں واپسی پر راضی کر لیا اور وہ کراچی ہی سے واپس آگئیں۔ اور حضرت حاجی صاحب اپنے پروگرام کے مطابق تنہا ہی تشریف لے گئے۔ ماہ محرم میں حاجی صاحب کی واپسی ہونے والی تھی، اہلیہ محترمہ نے صاحبزادوں سے تقاضا کر کے مکان کے بالائی حصہ میں ایک عمارت حاجی صاحب ہی کے آرام کی نیت سے بنوائی اور اس کی پوری کوشش کی کہ حضرت موصوف کی تشریف آوری سے پہلے عمارت بن کر تیار ہو جائے۔ نویں محرم کی شام کو عمارت مکمل ہوئی، مزدوروں کے جانے کے بعد اہلیہ محترمہ نے خود بھی لگ لپٹ کے اُسی وقت اس کی صفائی کرائی تاکہ آج کی مبارک رات (شب عاشورا) میں نمازیں اسی نئی عمارت میں پڑھی جائیں، چنانچہ مغرب کی نماز اسی نئی چھت

کے لیے مصلّیٰ بچھا کر پڑھی جسے مزدوروں نے آج ہی پاٹا تھا، پھر دہیں اوّابین کے نوافل پڑھے، دہیں عشا پڑھی، نمازِ عشاء سے فارغ ہو کر دیر معمول کے مطابق تسبیح پڑھتی رہیں۔ اسی حال میں مصلّے پر بیٹھ گئیں، ہزار دانہ تسبیح ہاتھ میں تھی اور ہاتھ سینے پر تھا، رات کو سخت آندھی چلی، چھت کا ایک پتھر جو مزدوروں نے غالباً صحیح نہیں لگایا تھا اس آندھی سے گرا اور حضرت حاجی صاحب کی اہلیہ محترمہ کے ٹھیک سر پر پڑا اور وہ وہیں اپنے مصلّے پر جاں بحق ہو گئیں۔ (یہ عاشورا سنہ ۱۳۵۱ھ کی رات تھی)——

إنا لله وانا اليه راجعون ٥ اللّٰهم اغفرلها وارحمها وابلغها منازل الشهداء۔

چند ہی دن کے بعد حاجی صاحب پہونچے اور اس سانحہ کی تفصیل معلوم ہوئی، دل پر جو گزرنی چاہیے وہ سب گزری اور خوب گزری۔ لیکن حضرت موصوف کو یہ سن کر اور دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ سب گھر والوں نے (یعنی صاحبزادوں اور صاحبزادیوں نے) اتنے عظیم سانحہ کو ان کے پیچھے بھی صبر سے برداشت کیا، سب کے دل روئے، سب کی آنکھوں نے آنسو گرائے لیکن زبان کسی کی نہیں بہکی۔

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اہلیہ محترمہ کی شہادت کا یہ واقعہ میں نے حضرت حاجی صاحب کی زبان سے مختلف صحبتوں میں کئی بار سنا ہے، اس کے سناتے وقت حضرت کی جو خاص کیفیت ہوتی ہے اور چہرہ پر قلبی حزن و سرور کے جو ملے جلے آثار ہوتے ہیں ان سے میرا اندازہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب کی دینی ترقیات میں اس واقعہ کو بھی خاص دخل ہے —— اسی طرح اب سے کوئی تین سال پہلے حضرت موصوف کے ایک صاحبزادہ محمد عثمان مرحوم کی موت بھی بڑے دردناک طریقہ پر واقع ہوئی اور اتفاق سے اس وقت بھی حضرت موصوف حج ہی کے سفر میں تھے —— راقم سطور کا اندازہ ہے کہ ان جانگسل حادثوں کو آپ نے جس تسلیم و رضا کی صفت کے ساتھ جھیلا اور "صبر" و "احتساب" کی نبوی ہدایت پر جس طرح عمل کیا، اس نے موصوف کو وہاں پہونچا دیا جہاں شاید برسہا برس کے اختیاری مجاہدوں سے بھی نہ پہونچا جا سکتا——

ناظرین معاف فرمائیں! میں نے حضرت حاجی صاحب کے حالات حتی الوسع انہی کی زبان سے بیان کرنے کا ارادہ کیا تھا، لیکن درمیان میں یہ میں نے اپنا ایک تاثر اور خیال بھی بیان کر دیا—— اس کے آگے حضرت موصوف کے حالات خود انہی کی زبان سے سنیے!۔

اہلیہ محترمہ کی شہادت کا مذکورۂ بالا واقعہ بیان فرماتے ہوئے ایک دفعہ بیان فرمایا

کہ ـــــ میں نے سوچ سمجھ کے دوسرا نکاح نہ کرنے کا فیصلہ کیا، میرے مخلص دوستوں نے نگاہ اور نفس کی خرابی سے بہت ڈرایا اور نکاح کر لینے کا مشورہ دیا۔ ان حضرات کا مشورہ مخلصانہ تھا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے، لیکن مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل سے قوی امید تھی کہ انشاء اللہ میں ایسے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہوں گا، اس لیے میں نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا، میرے مالک نے ایسی حفاظت فرمائی کہ آج تک قلب میں کبھی وسوسہ بھی نہیں آیا، کسی اور کا کیا ذکر، جوان ہونے کے بعد اپنی کسی بیٹی، پوتی یا نواسی کو بھی میں نے نظر بھر کے نہیں دیکھا ہے۔

اشرف منزل ذکر فرمایا ـــــ کہ دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ایسا کر دیتے کہ سب بچوں کے لیے الگ الگ مکان ہوتا، کچھ عرصے کے بعد معلوم ہوا کہ اتنا طویل و عریض فلاں پلاٹ فروخت ہو رہا ہے، اس کی خرید کے لیے نقد روپیہ اپنے پاس نہیں تھا، سب گھر والے خوشی سے زیور فروخت کرنے پر راضی ہو گئے، بہر حال اللہ تعالیٰ نے وہ پلاٹ دلا دیا۔ اب تعمیر کے لیے کچھ نہیں تھا، میرے ایک عزیز نے کہا کہ میرے پاس اتنی رقم رکھی ہے اُسے لے کر تعمیر شروع کرا دیجئے۔ اور جب کبھی واپس کرنا آپ کے لیے آسان ہو میری رقم واپس کر دیجئے گا۔ چنانچہ وہ رقم لے کر تعمیر شروع کر دی گئی اور ٹھیکیداری میں دوسروں کے کام بھی کرتا رہا، اللہ تعالیٰ نے اس زمانے میں ایسی غیر معمولی برکت دی کہ اپنی ہی آمدنی سے تعمیر بھی مکمل ہو گئی، اور قرضہ والی رقم بھی ادا کر دی گئی۔

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اسی عمارت کا نام "اشرف منزل" ہے۔ یہ پوری عمارت سرخ پتھر سے بنی ہوئی ہے (اس علاقہ میں عام طور سے عمارتیں بجائے اینٹ کے پتھر ہی سے بنتی ہیں) بالکل سادہ مگر بہت مضبوط عمارت ہے۔ اس میں سترہ مکانات، چند دوکانیں، ایک مسجد اور ایک مدرسہ ہے۔ گویا قلعہ نما ایک چھوٹا سا محلہ ہے، حضرت حاجی صاحب کی مہارت فنی کا یہ کرشمہ ہے یا کہیے کہ ان کی کرامت ہے کہ اتنی وسیع اور ایسی مضبوط عمارت جس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہو کہ اس کی تعمیر پر کئی لاکھ روپیے صرف ہوئے ہوں گے بہت تھوڑی لاگت سے تیار ہوئی، اشرف منزل کی مسجد جس کی لاگت کا تخمینہ کوئی دیکھنے والا کسی طرح بھی ۳۔۴ ہزار سے کم نہ لگائے گا ـــــ حضرت

حاجی صاحب نے بتایا کہ اس پر صرف پندرہ سو روپے صرف ہوئے ہیں۔ اور وہ بھی اس لیے کہ زمین پتھریلی ہونے کی وجہ سے قریبًا چار سو روپے صرف کنوئیں کی تیاری میں لگ گئے، گویا کنوئیں کی رقم اگر الگ کردی جائے تو سب پر صرف گیارہ سو روپے صرف ہوئے ہیں۔

حضرت حاجی صاحب نے بیان فرمایا کہ "اشرف منزل" تیار ہونے کے کچھ عرصہ کے بعد دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ میں ابھی سے اس کی ملکیت ان بچوں کی طرف منتقل کردوں جن کے خیال سے یہ بنائی گئی ہے اور اپنے کو بے ملک بنالوں۔ اس کے بارہ میں میں نے اپنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عریضہ لکھ کر مشورہ چاہا، حضرت کا جواب آیا جس کا حاصل یہ تھا کہ اگر کوئی شرعی مسئلہ پوچھا جائے اور معلوم ہو تو اس کا بتانا تو ضروری ہے، لیکن ہر معاملے میں مشورہ دینا ضروری نہیں، آپ خود ہی غور کرلیں کہ اس زمانہ میں سب کچھ دوسروں کے حوالے کرکے خود خالی ہاتھ ہوجانا کہاں تک مناسب ہوگا

حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ اس سے میں نے یہی سمجھا کہ حضرت کی رائے نہیں ہے۔ اس لیے میں نے اپنا وہ ارادہ اس وقت فسخ کردیا ـــ کچھ عرصہ کے بعد پھر دہی داعیہ شدت سے دل میں پیدا ہوا، اب میں نے سوچا کہ حضرت نے صاف منع تو فرمایا نہیں ہے، اس لیے مشورہ کے واسطے اپنے کسی اور بزرگ کی طرف رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر وہ انتقال ملک کا مشورہ دے دیں تو میں اس پر عمل کرلوں۔ چنانچہ میں نے حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عریضہ لکھا اور اپنی بات اس میں زیادہ تفصیل سے لکھی، وہاں سے صاف جواب میری رائے کے خلاف آیا۔ میں نے پھر ارادہ ترک کردیا ـــ

اس کے کچھ عرصہ بعد ایسا ہوا کہ ایک دن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی سیرت پڑھ رہا تھا، اس کے مطالعہ سے اپنے کو بے ملک بنا لینے کا یہی داعیہ اور زیادہ شدت سے پیدا ہوا" اب میں نے سوچا کہ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ جو کچھ میں سوچ رہا ہوں وہ کوئی گناہ کی بات نہیں ہے، میرے اکابر میرے ضعف کی وجہ سے ازراہ شفقت و خیرخواہی مجھے اس کا مشورہ نہیں دیتے ہیں، اگر میں توکلًا علی اللہ عزم کرلوں اور ایسا کرگزروں تو ان شاء اللہ میرے حق میں یہ بہتر ہی ہوگا ـــ یہ سوچ کر میں نے ایک دن فیصلہ کرلیا اور لڑکوں کے سامنے اپنا یہ مقصد رکھا

کر میں نے یہ سوچا ہے، ان سب نے بھی یہی کہا کہ جب تک آپ میں یہ سب آپ ہی کی ملک میں رہنا چاہیے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں خوب سوچ سمجھ کے عزم کر چکا ہوں اور اس کام کو اب کر دینا ہی چاہتا ہوں۔

پھر میں نے انتقال ملک کی اس کارروائی کو قانونی طور پر بھی مکمل کر دیا اور بحمد اللہ اب میری ملکیت میں کچھ بھی نہیں ہے۔

حاجی صاحب نے بیان فرمایا کہ میں ابتدائی دور میں بکثرت خواب میں اپنے کو برہنہ دیکھا کرتا تھا اور اس سے طبیعت متاثر ہوتی تھی، میں نے حضرت مرحوم کو لکھا کہ میں بکثرت ایسا خواب دیکھتا ہوں، حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ خوابوں کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے اور کیا عجب ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی وقت تجرد اور ماسوا سے انقطاع نصیب فرما دے اور ان خوابوں کی تعبیر اس طرح ظاہر ہو ــــ

ناچیز راقم سطور عرض کرتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب کی موجودہ زندگی ان خوابوں کی ظاہر باہر تعبیر و تفسیر ہے۔

حضرت حاجی صاحب کی موجودہ زندگی

اب حاجی صاحب کی قیام گاہ اشرف منزل کی مسجد کا ایک بہت چھوٹا سا حجرہ ہو جو شاید اسی نیت سے بنایا ہو ــــ اب وہ اس لحاظ سے کہ ان کی ملک میں اب کچھ بھی نہیں ہو گویا "فقیر" ہیں اور دعائے نبوی "اللّٰھُمَّ احیِنی مسکیناً و امتنی مسکیناً واحشرنی فی زمرۃ المساکین" (جو ان کی خاص محبوب دعاؤں میں سے ہو) کی قبولیت کا زندہ نمونہ ہیں، لیکن ساری اولاد چونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سعادتمند بلکہ حضرت حاجی صاحب کی دل سے معتقد بھی ہے اس لیے کچھ نہ ہونے کے باوجود گویا سب کچھ ہے۔ خیر کے مصارف میں حسب سابق اب بھی وہ خوب صرف فرماتے ہیں لیکن ہر پیسہ سوچ سمجھ کے بہتر سے بہتر مصرف میں صرف فرمانے کا اہتمام کرتے ہیں، اپنی ذات پر بہت ہی کم خرچ کرتے ہیں۔ فرماتے تھے کہ ۱۰ سال کی عمر ہے اب تو خدا کے فضل سے تین لڑکوں کے دواخانے ہیں اور وہ طرح طرح کی دوائیں بنا کر مجھے خود ہی دیتے رہتے ہیں، لیکن اس کے علاوہ اپنی دوا دارو میں میں نے کبھی ایک روپیہ بھی صرف نہیں کیا ہے۔ کسی حکیم ڈاکٹر کو اپنے

حساب میں کبھی قیص نہیں دی، چونکہ ہمیشہ سے کم کھانے کی عادت ڈالی ہو اس لیے خدا کے فضل سے بیمار بہت کم ہوتا ہوں، اور اگر کبھی کچھ طبیعت خراب ہوئی تو بس ۲-۳ دن لوٹ پوٹ کے کھڑا ہو جاتا ہوں ــــ لباس اتنا معمولی اور کم قیمت پہنتے ہیں کہ کپڑے کی اس شدید گرانی کے زمانہ میں پورے لباس (کرتے، پاجامے اور ٹوپی) کی لاگت غالباً ۲۰ روپے سے زیادہ نہیں ہوتی، اسی طرح کھانا بھی نہایت سادہ اور معمولی کھاتے ہیں ــــ جفاکشی اور کفایت شعاری زندگی کا مستقل اصول ہے، اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید و تلقین فرماتے رہتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے جفاکشی اور کفایت شعاری کو اپنا اصول بنائیں اور اپنے ذاتی مصارف سے پیسے بچا بچا کر دینی ضرورتوں میں لگائیں اور اللہ کے حاجت مند بندوں کی ضرورتیں پوری کریں۔

چند ایمانی صفات

اخلاص وللّٰہیت کسی انسان کی نیت اور اس کے باطن کا صحیح علم تو بس اللہ ہی کو ہوتا ہے لیکن آثار اور علامات سے کسی حد تک اندازہ بندوں کو بھی ہو جاتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب سے بے تکلف تعلق کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ غالباً ان کا ہر کام اور کسی کے ساتھ ان کا ہر معاملہ اور برتاؤ، کھانا، کھلانا، پینا، پلانا، لینا، دینا، حتیٰ کہ بات کرنا سب حضرت اللہ کے لیے اور ثواب ہی کی نیت سے ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کتنی قابل رشک نعمت ہے۔ وفی ذالک فلیتنافس المتنافسون۔

دعا اور شکر کا غلبہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام احوال و اوقات میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے تھے اور آپ کی یہ یاد زیادہ تر دعا اور شکر کی شکل میں ہوتی تھی، حضرت حاجی صاحب پر بھی ان دو چیزوں کا خاص غلبہ ہے اکثر اوقات زبان دعا اور شکر میں مصروف رہتی ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں اپنی ہی سیدھی سادی زبان میں عرض کرتے ہیں اور اس طرح عرض کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے ہر کلمہ قلب کی گہرائی سے نکل رہا ہے، اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کا یہ بندہ زندگی کے کسی بھی شعبہ میں رسوم کا پابند نہیں ہے بلکہ بس مغز اور حقیقت ہی سے واسطہ ہے۔

بے نفسی حاجی صاحب کی زندگی میں جو ایمانی صفت میری نگاہ میں بہت ہی زیادہ نمایاں ہو وہ اُن کی بے نفسی ہو، اگر ان کو کسی ایسے کام میں جو عرفِ عام میں بہت ہی پست اور گھٹیا سمجھا جاتا ہو اور جس کے کرنے سے لوگوں کی نظروں میں آدمی بے وقعت ہو جاتا ہو اجرِ اخروی اور دینی نفع کا کوئی پہلو نظر آئے تو وہ اس کو بڑی بے تکلفی بلکہ ذوق و شوق سے کرتے ہیں اور اس کی بالکل پروا نہیں کرتے کہ کوئی کیا سمجھے گا اور کیا کہے گا۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ جس سے مجھے بڑا سبق ملا اور جس کا میرے دل پر آج تک اثر ہے یہاں بھی ذکر کرتا ہوں۔

یہ بات مجھے پہلے سے معلوم تھی کہ حاجی صاحب نے خیر کے جو مختلف سلسلے قائم کر رکھے ہیں اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ مفید دینی اور اصلاحی کتابیں کافی مقدار میں کتب خانوں سے منگوا کر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور پڑھے لکھے لوگوں کو پڑھنے کے لیے دیتے ہیں۔ پھر جب اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخص اس کتاب سے فائدہ اٹھائے گا تو اگر مناسب سمجھتے ہیں تو اس کو وہ کتاب بلا قیمت ہدیہ کر دیتے ہیں ورنہ اس کو خریدنے کی ترغیب دے کر اس اصل قیمت پر دے دیتے ہیں جس پر وہ کتب خانہ سے آئی ہوتی ہے اور کبھی مزید نقصان برداشت کر کے اس سے بھی کم قیمت پر دے دیتے ہیں۔ یہ سلسلہ حضرت حاجی صاحب کے ہاں غالباً ۳۰۔۴۰ سال سے قائم ہے۔۔۔۔ میرے نزدیک تو یہی بڑی بے نفسی کی بات ہے کہ کسی شخص کو کتاب خریدنے کی ترغیب دے کر خود ہی اس کے ہاتھ کتاب فروخت کی جائے، لیکن اس سلسلہ میں اب سے ۴ سال پہلے مجھے ایک بڑا ہی حیرت انگیز اور بہت ہی سبق آموز تجربہ ہوا، حاجی صاحب نے مجھے جو دھپور آنے کے لیے لکھا میں نے ارادہ کر لیا اور اُن ہی کے مشورہ سے سفر کا پروگرام اس طرح بنا کر پہلے میں بی باڑ اتروں اور دو دن وہاں قیام کر کے جودھپور جاؤں، حاجی صاحب نے مجھے لکھا کہ میں ان کے لیے ڈیڑھ دو سو روپے تک کی مفید اور عام فہم دینی اور اصلاحی کتابیں بھی کتب خانہ الفرقان سے لیتا آؤں۔ چنانچہ میں نے یہ کتابیں ساتھ لے لیں۔ پروگرام کے مطابق میں بی باڑ پہونچا تو دیکھا کہ حاجی صاحب وہیں تشریف فرما ہیں۔ انھوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کیا کتابیں ساتھ آئی ہیں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں لایا ہوں، فرمایا تو مجھے ابھی دے دیجئے! میں نے عرض کیا کہ کتابیں جودھپور ہی تو جاتی ہیں، اسی طرح میرے بکس میں چلی جائیں گی، فرمایا نہیں مجھے یہاں ہی دے دیجئے!

میں نے ساری کتابیں حوالہ کر دیں۔ فرمایا جو کمیشن دیا گیا ہو وہ منہا کر کے ہر کتاب کی قیمت مجھے بتادی جائے۔ میرے ایک رفیق سفر نے حساب لگا کر ہر ایک کتاب کی قیمت بعد منہائی کمیشن لکھ دی۔ اس کے بعد جب میں نماز کے لیے مسجد گیا تو دیکھا کہ مسجد کے احاطہ ہی میں ایک درخت کے نیچے بچھی ہوئی چادر پر وہی کتابیں اس طرح لگی ہوئی ہیں جس طرح بعض غریب کتب فروش زمین پر چادر بچھا کر اپنا کتب خانہ لگا کر بیٹھ جاتے ہیں، میں نے سمجھا کہ حاجی صاحب نے یہ کتابیں کسی صاحب کے سپرد کر دی ہیں۔ اور وہ بیچارے اس طرح ان کو فروخت کر رہے ہیں ـــــ اگلے دن حاجی صاحب نے دریافت فرمایا کیا ان کے علاوہ اور کتابیں بھی ساتھ ہیں؟ میں نے عرض کیا جی بس یہی تھیں، فرمایا وہ تو یہیں ختم ہو گئیں، ـــــ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دوکان حاجی صاحب نے خود ہی لگائی تھی اور خود ہی بیٹھ کر "کتب فروشی" فرمائی، اور طریقہ یہ اختیار کیا کہ ہر پڑھے لکھے شخص کو خود بلاتے اور ایک دو کتابیں اس کو دے کر فرماتے کہ ان کو دیکھو، جی چاہے گھر لے جاؤ، اگر مفید سمجھو اور خرید سکو تو قیمت ادا کر دینا اور اگر خریدنے کی استطاعت نہ ہو اور رکھنا چاہو تو یوں ہی رکھ لینا، مگر مجھے بتا دینا ـــــ جب مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ حاجی صاحب نے خود ہی بیٹھ کے کتب فروشی کی ہے اور اس طرح کی ہے تو میری طبیعت پر ایک تو اس کا بوجھ پڑا کہ میری کتابوں کی وجہ سے انھوں نے اتنی زیر باری اٹھائی اور دوسرا وسوسہ دل میں یہ آیا کہ شاید بہت سے لوگوں نے سمجھا ہو کہ بیچنے کے لیے میں اپنی کتابیں سفروں میں بھی ساتھ لیے پھرتا ہوں اور یہاں میں نے حضرت حاجی صاحب سے یہ بیچا کام لیا ہے ـــــ اب مجھے یاد نہیں کہ اس بارہ میں میں نے حاجی صاحب سے کچھ عرض کیا اور موصوف نے اس کے جواب میں فرمایا یا از خود مجھ سے فرمایا ـــــ کہ حضرت! میرے پاس اتنا علم تو ہے نہیں کہ میں ایسی کتابیں لکھ کر اللہ کے بندوں کو نفع پہونچا سکوں اور اس کا ثواب حاصل کر سکوں، لیکن یہ کر سکتا ہوں کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے ان کی اشاعت میں اور اللہ کے زیادہ سے زیادہ بندوں تک ان کے پہونچانے میں کوشش کروں اور اس طرح اس کے ثواب میں شریک ہو جاؤں، میں بس اس لالچ میں ایسا کرتا ہوں ـــــ

یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت حاجی صاحب نے جس پی پارٹی میں اس شان سے یہ

"کتب فروشی" کا عمل کیا، وہاں کے لوگ عموماً حضرت موصوف کو ایک شیخ و مرشد اور جودھ پور کی ایک معزز اور باوقار شخصیت کی حیثیت سے جانتے پہچانتے ہیں، دراصل ایسا نفس کش عمل وہی کر سکتا ہو جس کا نفس بالکل کٹ چکا ہو اور جس کی نظر ہر طرف سے ہٹ کے بس اللہ تعالیٰ کی رضا و اجر آخرت پر جم گئی ہو۔

اللہ تعالیٰ اس دولت کا کوئی حصہ اس ناچیز کو بھی عطا فرمائے۔

دین کا صحیح فہم اور اعتدال

یہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حاجی صاحب "تعلیم یافتہ" نہیں ہیں دینی ذوق اور دینی شعور پیدا ہونے کے بعد بس قرآن مجید پڑھ لیا ہے اور اردو کتابیں پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا کر لی ہے، خط و کتابت کا دائرہ اگرچہ بہت وسیع ہے لیکن اپنے خطوط عموماً دوسروں سے لکھاتے ہیں، خود غالباً دو سطریں بھی نہیں لکھ سکتے ہیں لیکن اس "ناتعلیم یافتگی" کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فہم دین کی ایسی دولت نصیب فرمائی ہو کہ بس اللہ کی شان نظر آتی ہے۔ ایک دفعہ ایک علمی اور دینی موضوع پر راقم سطور اور رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی نے ایک عرصہ تک غور کیا اور ایک نتیجہ پر پہنچے، کچھ دنوں بعد میرا جودھ پور جانا ہوا میں نے ایک سلسلۂ گفتگو میں حاجی صاحب سے اس موضوع کا کچھ ذکر کیا۔ حاجی صاحب نے اپنی سیدھی سادی بالکل غیر علمی زبان میں وہی بات فرمائی جس پر ہم دونوں کافی غور کے بعد پہونچ سکے تھے، ایسے ہی حضرات کے بارے میں عارف رومی نے فرمایا ہے ؎

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب و بے معید و اوستا

اس صحیح فہم دین ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ اپنے مرشد حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے صادق عشق اور نہایت عمیق عقیدت کے باوجود اس طرح کا غلو بالکل نہیں ہے کہ جو اس تعلق میں اکثر پیدا ہو جاتا ہے، بلکہ اس طرح کے غلو کی اصلاح ان کا خاص موضوع ہے، حاجی صاحب کی گفتگو کا خاصا حصہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ہوتا ہے لیکن بڑے سادے انداز میں بس مرحوم یا زیادہ سے زیادہ حضرت مرحوم کا لفظ استعمال کرتے ہیں، اور ذکر کے ساتھ برابر دعاء مغفرت کرتے جاتے ہیں ـــــ خود ہی سنایا کہ ایک دفعہ حضرت سے تعلق رکھنے والے ایک

صاحب نے میری زبان سے حضرت کے لیے باربار دعائے مغفرت سن کر فرمایا کہ مغفرت میں کیا شبہ ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ خدا کے بندے اللہ تعالیٰ مالک الملک اور احکم الحاکمین ہے، جس کے لیے جو چاہے فیصلہ کرے، پیغمبر تک اس کے جلال کے سامنے لرزتے، اور اس سے مغفرت کی دعا کرتے تھے۔ ہم سب اور ہمارے سب بڑے بھی دعائے مغفرت کے محتاج ہیں۔

اسی طرح سنایا کہ ایک دفعہ حجاز مقدس میں ہمارے فلاں پیر بھائی نے بڑی ناگواری کے ساتھ میرے سامنے شکایت کی کہ فلاں بزرگ کے مریدین و متعلقین اپنے شیخ کو ہمارے حضرت سے بھی بڑا سمجھتے ہیں ____ میرا جی چاہا کہ اسی وقت ان سے اس بارہ میں کچھ کہوں، لیکن میں نے سمجھا کہ اس وقت یہ بحث کرنے لگیں گے اس لیے اس وقت میں نے ان سے کچھ عرض نہیں کیا، دوسرے کسی وقت میں نے ان سے کہا کہ آپ نے مجھ سے فلاں وقت یہ بات کہی تھی، آپ نے سوچا ہے کہ اس بات سے آپ کی ناگواری اور غصہ کی وجہ اور اس کا منشا کیا ہے؟ میرے نزدیک صرف یہ ہے کہ یہ بات آپ کے جذبات کے خلاف ہے۔ میرا حال تو یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اُمت کے ایک ایک کلمہ گو کا درجہ ایمان و عمل میں اور دین میں ہمارے حضرت سے بڑھا دے اور سب کو حضرت سے اونچے درجہ کا بلکہ شیخ عبدالقادر جیلانی سے بھی اونچے درجہ کا ولی بنادے تو مجھے بڑی خوشی ہوگی ــ پھر فرمایا کہ میرے اس کہنے سے حضرت کا درجہ گھٹ نہیں جاتا ہو حضرت کا جو مقام اللہ کے یہاں ہے وہ ہے۔

یہ بھی خود ہی سنایا کہ تحریک خلافت کے زمانہ میں جب ہمارے اکابر میں اختلاف ہو گیا تھا تو میں حضرت مرحوم (یعنی حضرت تھانوی) کے قلب کی طرف متوجہ ہو کر دعا کیا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے اور اس زمانہ میں مجھ پر اس چیز کا اتنا غلبہ تھا کہ میں یہ دعا گویا مضطر ہو کر کیا کرتا تھا ____ ایک صحبت میں حاجی صاحب جس وقت یہ بیان فرما رہے تھے اتفاق سے اس وقت حضرت حکیم الامت کے ایک مجاز بزرگ بھی تشریف فرما تھے ــ ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ____ حضرت میرا یہ دعا کرنا ادب کے خلاف تو نہیں تھا؟ پھر خود ہی فرمایا کہ انشاء اللہ بالکل نہیں یہ دعا تو اس وقت میرے قلب پر وارد کی جاتی تھی۔

(باقی ص۵۵ پر ملاحظہ ہو)

سید ابوذر بخاری

"ایفاءِ عہد!"

سید ابوذر بخاری صاحب جناب سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری مدظلہم کے فرزند ارجمند ہیں اور اُنکے ان اشعار میں "شاہ جی" کی جولانیٔ طبع کا پورا پورا رنگ موجود ہے ——— (ادارہ)

(۱)

تمناؤں کا مرکز اک سفینہ!
سمندر کا تموّج ——— تہرانی ——— !
وہ ساحل کا سکوں ——— اُسکی متانت؟
وہ صحراء میں تپش کی حکمرانی!
وہ میقاتِ ——— یلملم ——— اور ——— اِحرام
وہ ——— لبّیک و دُرُود و رَجز خوانی
وہ بن کھیتی کا خطہ ——— اَرضِ مکّہ!
وہ ——— کعبہ ——— کی جلال آگیں نشانی
خوشا دیوانگی در طوفِ ——— کعبہ
زہے بوسیدنِ سنگِ ——— جنانی۔
رَمل ——— اظہارِ سر گرمیٔ عشّاق

(۲)

وہ شانِ اِضطِباع ——— مسلمانی
حَطِیم ——— و بابِ کعبہ پر دعائیں
وہ فیضِ عام اور ——— رُکنِ یمانی
وہ جدوَل نور کی ——— میزابِ رَحمۃ
سَوَادِ ——— کعبہ کی وہ ضوء ——— فشانی
وہ رونا اور لپٹنا ——— مُلتزم سے
وہ شوقِ وَصلِ حُسنِ ——— لامکانی!
وہ رَبُّ البیت سے فریاد ہر سانس
حُضوری اور مُخاطب یا رِجانی
گلوگیری وہ آوازوں میں رِقّۃ۔
نَدَامۃ ——— اور اشکوں کی روانی

(۳)

وہ عُشّاقِ اَزل — کی جاں نثاری
وہ محبوبِ اَبد — کی دل سِتانی
وہ لرزاں ہاتھ — اور دامن کسی کا؟
وہ ترساں چہرے اور آنکھوں میں پانی!
مُصلّٰیٔ — براہیمی — میں سجدے
مبارک اِقتداءِ نیک — بانی
وہ روحوں کی پیاس اور سوزِ باطن
وہ زمزم — اُسکی وہ فیضاں رسانی
ازل کے — عہد — کی — تجدیدِ دائم
ہیں مَوجِ — بقاء — بحرِ — فانی
صَفا — مروہ — یہ مجنونانہ گردش
وہ حیرانی میں — ذوقِ کامرانی
شِعب اور بُوقُبیس و دارِ اَرقم
یہاں پوشیدہ ہے — حق — کی کہانی

(۴)

وہ عَرَفات و مِنیٰ — وہ مَنظرِ عشق
وہ مُزدلِفہ — کی شبِ زرّیں سُہانی!
وہ خَیف و نَمرہ میں عجز و تعبّد۔
وہ مَشعر — میں — وُقوفِ بے مکانی
وہ ظُہر و عصر — کی — تکبیرِ یکجا
وہ مَغرب عِشاء — کی ہمعنانی۔
رَقیبِ — رُوسیہ کی — نامرادی
وہ — رَمیِ جَمرہ — وجہِ شادمانی
وہ قُربانی — وہ اک شکرانۂ وصل
وہ حلق و قصر — اور پھر میزبانی
کفن — عشّاق — کا اب ہوگیا ترک
یہ ملبوسِ رِضا — شد میہمانی
غلامی اور آقائی کے مَنظر —!
وہ باقی — اور — یہ مخلوق — فانی

"کہاں ہم اور کہاں یہ نکہتِ گل
نسیمِ صبح — تیری مہربانی"

تعارف وتبصرہ

سیاست شرعیہ | از، مولانا رئیس احمد جعفری، ناشر:- ادارۂ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، لاہور
صفحات ۵۶، مجلد /۵ روپے۔

یہ کتاب دو کتابوں کا مجموعہ ہے، ایک مصر کے استاذ عبدالوہاب الخلاف مفتش محاکم شرعیہ (مصر) کی کتاب "السیاستہ الشرعیہ" جسے ترجمہ و تلخیص، نیز کچھ حذف و ترمیم اور کچھ ایک دوسری مصری کتاب (النظم الاسلامیہ) کے مضامین سے پیوند کاری کے بعد مترجم (جناب رئیس احمد جعفری) نے گویا اپنا لیا ہے۔

۲ علامہ ابوالحسن ماوردی کی مشہور کتاب الاحکام السلطانیہ کے چند ابواب و فصول کا ترجمہ۔

یہ کتاب نوزائیدہ اسلامی مملکت پاکستان کی دینی رہنمائی کے لئے پیش کی گئی ہے۔ اور اس لحاظ سے ہماری رائے میں یہ ایک کارآمد اور قیمتی پیش کش ہے۔

ماوردی کی کتاب تو ایک پرانی تصنیف ہے جس کے ایک سے زائد اردو ترجمے ہو چکے ہیں اس لئے کسی تعارف کی حاجت نہیں البتہ استاذ خلاف کی کتاب کے متعلق یہ بتانا مناسب ہوگا کہ اسلام کے نظام سیاست اور اصول حکومت پر یہ ایک پرمغز اور حشو و زوائد سے پاک تالیف ہے اور مجموعی طور پر قارئین کو اپنے موضوع میں اچھی بصیرت عطا کرنے کے لائق۔

افسوس ہے کہ ناشر نے پروف ریڈنگ کی طرف بڑی لاپروائی برتی ہے۔ لکھائی چھپائی کا معیار بھی اونچا نہیں ہے خصوصاً الاحکام السلطانیہ کے ترجمہ میں تو بہت ہی نیچا ہو گیا ہے۔

سرگذشت غزالیؒ | از، مولانا محمد حنیف ندوی، ناشر:- ادارۂ ثقافت اسلامیہ
صفحات ۱۸۸، مجلد /۳ روپئے۔

علمائے اسلام کے طبقہ میں امام غزالیؒ کی زندگی ایک خاص امتیاز کی مالک ہے۔ اور وہ یہ کہ انھوں نے وقت کی نہایت اونچی مسندِ علم و وجاہت پر حسرت تحصیلِ اخلاص اور جستجوئے عرفان کی خاطر لات ماردی اور مسلسل دس گیارہ سال ایک فقیرِ بے نوا بن کر بادیہ پیمائی کی زحمتوں اور گوشہ نشینی کی ریاضتوں میں گزارے۔

دنیائے علم میں اس عجیب و غریب واقعہ کا کیا پس منظر تھا اور اس سے غزالی نے کیا حاصل کیا۔ اس سب کو امام غزالیؒ نے اپنے ایک مختصر رسالے " المنقذ من الضلال " ( ) میں بیان کیا ہے۔ غزالی کی یہ سرگذشت ہر صاحبِ علم کے پڑھنے کے لائق اور بڑی بڑی ضخیم کتابوں پر بھاری ہے۔ مولانا محمد حنیف ندوی نے اسی کا ترجمہ " سرگذشتِ غزالیؒ " کے نام سے کیا ہے۔ یہ صرف المنقذ کا ترجمہ ہی نہیں ہے بلکہ ایک مبسوط مقدمہ بھی اس میں شامل ہے، جس کے صفحات ترجمہ کے صفحات سے کچھ زیادہ ہی ہیں، اور باعتبار افادیت کے بھی اصل کتاب سے کچھ کم نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بصیرت افروز، پُرمغز اور غزالی کی کتاب کے شایانِ شان مقدمہ کی جس قدر بھی تحسین کی جائے کم ہے۔ مولانا محمد حنیف صاحب نے ایک طرف غزالی کی اس مختصر تصنیف پر مقدمہ نگاری کا حق ادا کردیا ہے، دوسری طرف ترجمہ میں بھی غزالی کے بیان کو اردو میں ڈھالدینے کی شان پائی جاتی ہے ——— کتابت طباعت اور کاغذ کا معیار بھی اونچا ہے۔

کتاب بہم وجوہ اہل علم کی قدر افزائی اور تعلیم یافتہ طبقہ کے استفادے کے لائق ہے۔

گلستانِ حدیث

از مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی۔ ناشر:- ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔
صفحات ۲۰۰۰ مجلد قیمت ۲/۸، لکھائی چھپائی اور کاغذ بہتر۔

یہ ایک جدید طرز کی " چہل حدیث " ہے۔ اس میں مؤلف نے چالیس حدیثوں کو مع ترجمہ وتشریحات اس طرح مرتب کیا ہے کہ ہر حدیث پر ایک عنوان قائم کیا ہے، پھر اسی عنوان کو محور بنا کر اسی مضمون سے متعلق قرآنی آیات اور دوسری بعض احادیث سے مدد لیتے ہوئے حدیث کی تشریح کی گئی ہے۔

تشریحات مجموعی طور پر مفید ہیں، لیکن جناب مؤلف نے ان

تشریحات میں" اپنے دور کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کی کوشش میں کہیں کہیں متجددانہ زبردستی بھی احادیث کے ساتھ کر گئے ہیں، مثلاً شخصی ملکیت کی نفی اور ضبط تولید کی پسندیدگی کے وہ نکتے بعض احادیث میں پیدا فرمائے گئے ہیں، جن سے در اصل ان احادیث کو کوئی واسطہ نہیں ——— اپنے بعض متجددانہ نظریات کی خاطر موصوف نے بعض احادیث کے محدود مطالب و فوائد کو اپنے پیرایۂ بیان سے ایسی ناروا وسعت بھی دے ڈالی ہے جس پر تلبیس کا لفظ صادق آتا ہے۔ مثلاً حدیث ۱۵ (عنوان :۔ زندگی کی تفریحات) ——— ذوقِ تجدد کی طرح مؤلف کا شوقِ اجتہاد اور اعجاب بالرائے (خود رائی) بھی بعض تشریحات میں رونما ہے۔ مثلاً "چند احکام حج" (۲۴) کے عنوان کے ماتحت جو آخری حکم بیان کیا گیا ہے ہر چند کہ وہ بعض ائمہ مجتہدین کا مذہب ہے مگر احناف کے مذہب کو نظر انداز کرتے ہوئے جس قطعیت کے انداز میں بات کہی گئی ہے وہ اعجاب بالرائی کا پتہ دیتی ہے۔ یہی بات حدیث ۱۱ کی تشریح کے آخری حصے (۵۶) میں بھی ہے۔ مولانا نے اتنی موٹی سی بات پر بھی غور نہیں کیا کہ جب سابق کے صریح شرک کے باوجود بھی عقیدۂ لا الٰہ الا اللہ دخولِ جنت کا ضامن ہوتا ہے۔ اور یہ سب سے پہلی بات تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لانے والوں کے علم میں آتی تھی، تو حضرت ابوذرؓ کا سوال ماقبل کے زنا اور سرقہ کے بارے میں ہو ہی کیونکر سکتا تھا۔

کاش یہ کتاب تجدد پسندی اور خود رائی کے مظاہر سے خالی ہوتی تو بڑی خوشی سے اسکے مطالعہ کی سفارش عام مسلمانوں سے کیجاتی۔

کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت

مرتبہ مولانا شاہ محمد جعفر صاحب۔ پتہ :۔ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ صفحات ۱۴۴، سائز خورد، مجلد ۸/۱

"کمرشل انٹرسٹ" تجارتی سود کو کہتے ہیں، جو آجکل بینکنگ سسٹم کے ذریعہ رائج ہے۔ یہ کتاب اسی کے شرعی حکم پر چار مضامین کا مجموعہ ہے۔ پہلا مضمون سابق اڈیٹر جنرل پاکستان سید محمد یعقوب شاہ صاحب کا ہے، جس کی حیثیت در اصل ایک ایسے مفصل استفتاء کی ہے، جس میں مستفتی نے اپنے رجحان کو بھی مدلل انداز میں پیش کر دیا ہے۔

مضمون اس مجموعہ کا سب سے اچھا اور اس قابل ہے کہ اہل علم دین سنجیدگی کے ساتھ اس سے اعتناء فرمائیں ـــــ باقی تین میں سے دو مضمون مرتب کتاب مولانا جعفر صاحب کے ہیں اور ایک عطاء اللہ صاحب پالوی کا۔

مولانا جعفر صاحب کا ایک مضمون "سودخواری کی قسموں" پر ہے، جس کا مذکورہ بالا استفتاء سے تعلق نہیں، اس مضمون پر ہمارا تبصرہ یہ ہے کہ یہ "کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی" کا مصداق ہے۔ ان کا دوسرا مضمون اور پالوی صاحب کا مضمون سید یعقوب شاہ صاحب کے استفتاء کے جواب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں ہر دو صاحبان نے کمرشل انٹرسٹ کو جائز ٹھہرایا ہے۔

ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ دونوں مضامین بالکل تلاعب بالدین کا منظر پیش کرتے ہیں۔ مولانا جعفر شاہ صاحب کمرشل انٹرسٹ پر فقہی حیثیت سے کلام فرماتے ہیں۔ لیکن طے شدہ اصول فقہ کے ساتھ انھوں نے کھلا ہوا مذاق کیا ہے، اس طرح کوئی مسئلہ علمی سطح پر منقح ہونے سے تو رہا۔ البتہ بے پڑھے لکھوں کی گمراہی کا ذریعہ ایسے مضامین ضرور بن سکتے ہیں ـــــ عطاء اللہ صاحب پالوی کو ہم نہیں جانتے کہ کتنے پڑھے لکھے ہیں۔ البتہ انکی بعض تصانیف دیکھنے کا ہمیں اتفاق ہوا ہے، جن میں ہم نے ایسے ایسے لطائف بھی پائے ہیں ـــــ اعاذنا اللہ منھا ـــــ کہ قرآن فہمی میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی تشریح کے پابند تھوڑے ہی ہیں۔ آپ تو قرآن میں تدبر کی دعوت دیتے تھے، تو اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ بعد والے فہم مراد میں آپ سے آگے جا سکتے تھے، اور بعض قرآنی حقائق ایسے ہو سکتے تھے کہ بعد والے لوگ اُن کو زیادہ صحیح طور پر سمجھ سکتے تھے[۵]۔ جن لوگوں کا انداز فکر یہ ہو وہ امت کو جس کھڈ میں لیجا کر نہ گرادیں تھوڑا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے زیر تبصرہ مضمون میں مستفتی کے ذاتی مسئلہ کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ انکی جو انٹرسٹ کی رقم ہو:

"وہ ملکی مروجہ قانون کے مطابق ہے۔ اور ملکی قانون کا احترام اور اس پر عملدرآمد

---

۵ اصل الفاظ تو اس وقت ہمارے سامنے نہیں ہیں، لیکن مفہوم یہی ہے، کتاب کا نام غالباً "شمع فروزاں" ہے۔

خود از روئے قرآن از بس ضروری ہے" (یعنی انٹرسٹ کی اس رقم کو لینے میں تامل روا نہیں ہے)
یہ "از بس ضروری" ہونے کا حکم قرآن کی کس آیت سے معلوم ہوتا ہے؟

فرماتے ہیں:-

"قرآن نے مسلمانوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ	وہ لوگ کہ جب انھیں ملک میں اقتدار حاصل
اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ	ہوگا. تو وہ نظامِ صلوٰۃ قائم کریں گے زکوٰۃ
وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا	وصول کریں گے. لوگوں کو معروفات پر عمل کرنے
عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ	کا حکم دیں گے اور وہ تمام امور کا فیصلہ اللہ کے
	حکم کے مطابق کریں گے.

"یعنی اگر اسلامی نظام قائم ہوگا تو اُس وقت قوانین ہی ایسے بنائے جائیں گے جس میں معروفات پر عملدرآمد اور منکرات سے بچنے کی گنجائش ہو ...... اور جب تک یہ نہ ہو مروجہ قانون کا احترام اور ان ہی پر عملدرآمد کرنا ہوگا۔"

یہ ہے رسول اکرمؐ کے قرآنی تشریحات پر بعد والوں کی ترقی کا نمونہ! کتنے ناخدا ترس ہیں وہ لوگ جو ان بوالفضولی نکات کو اشاعت دیتے اور اپنی سفارشات کے ساتھ لوگوں کے غور و فکر کے لئے پیش کرتے ہیں! ——— قرآن تو اس وصف پر مسلمانوں کی ستائش کر رہا ہے کہ اگر انھیں اقتدار حاصل ہوگا تو وہ منکرات کو مٹائیں گے۔ اور یہاں اُس سے یہ نکتہ پیدا کیا جا رہا ہے کہ جب تک اقتدار حاصل نہ ہوگا وہ پورے "احترام" اور "اطمینان" کے ساتھ مروجہ منکرات پر عمل پیرا رہیں گے۔

غلطیہائے مضامیں مت پوچھ
لوگ نالے کو "رسا" باندھتے ہیں

صاحب مضمون یا صاحب کتاب کو یہ شکایت نہ ہو کہ ہم بس ایک ٹکڑے کو لے اُڑے اور اصل بحث پر کوئی نقد نہ کیا۔ دراصل ایک تو ہماری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ جب مستفتی ایک ایسا شخص ہے جو قرآن کے ساتھ حدیث اور پھر نصوص قرآن و حدیث پر متفرع اصولِ فقہ کو بھی

...بل اعتنا سمجھا ہے تو پالوی صاحب کو، جو آیاتِ قرآنی کے سوا کسی چیز کو کچھ نہیں گردانتے، ...دخل درمعقولات کی ضرورت کیا تھی؟ ـــــ اور کیوں کوئی اس بحث میں اُنکی اس بے محل مداخلت کو لائق اعتنا گردانے؟

ثانیاً۔ ہمارے نزدیک یہ نقطۂ نظر قطعاً لغو ہے کہ ارشادات رسول کو چھوڑ دو، ائمہ مجتہدین و علمائے اصول و فقہ کی کاوشوں کو چھوڑ دو اور ہر مسئلہ کا فیصلہ قرآن کے الفاظ سے کر لو۔ اس اصولی اختلاف کی موجودگی میں کیا سوال ہے کہ پالوی صاحب کی گفتگو سے اعتنا کیا جائے۔

ثالثاً۔ پالوی صاحب فرماتے ہیں کہ :-

"ربا کے سلسلے میں انسانی راؤں پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ہمارے یہاں صرف الفاظ سے کھیلا جاتا ہے۔"

اُدھر دوسری ہی سانس میں، "خود قرآن میں غور کرنے" کی دعوت دیکر اپنی رائے سے قرآنی الفاظ کے مقاصد و مطالب بیان کرنا شروع کر دئے جاتے ہیں ـــــ جب انسانی رائیں ناقابل اعتبار ہیں تو خود پالوی صاحب کی رائے کیونکر لائق اعتنا ہوگی؟ اُس میں کون ایسے سُرخاب کے پر لگے ہیں۔؟

تحدید نسل | مرتبہ مولانا محمد جعفر صاحب، ناشر:- ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور صفحات ۵۰، قیمت ۱۲ ر آنے۔

یہ کتاب بھی "قومی انٹرسٹ" کی طرح چند مضامین کا مجموعہ ہے۔ جن میں ضبط ولادت (برتھ کنٹرول) کو حالات کا شدید تقاضا قرار دیتے ہوئے، اسکے شرعی حکم سے بحث کی گئی ہے۔ اور اسے جائز بتایا گیا ہے۔ مضامین میں اس درجہ تکرار اور یکسانیت ہے کہ مرتب کے "پیش لفظ" میں اس پر دو ڈھائی صفحے کی توضیحی تقریر پڑھنے کے بعد بھی طبیعت اُکتائے بغیر نہیں رہتی۔ اور کوئی معقولیت ان مضامین کی یکجائی اشاعت میں، سمجھ میں نہیں آتی۔

ضبط ولادت کا موضوع آج کوئی نیا نہیں ہے۔ اسکی حمایت میں لکھنے والے عام طور پر جو لکھتے آئے ہیں وہی باتیں ان مضامین میں بھی دہرائی گئی ہیں۔ البتہ مولانا جعفر شاہ صاحب نے ایک نکتہ حدیث غالباً بالکل نیا نکالا ہے۔ ایک حدیث میں اُس صاحب اولاد بیوہ کو جنت

میں قربِ نبوی کی بشارت دی گئی ہے جو اپنے یتیم بچّوں کی خاطر باوجود اعلیٰ مواقع کے نفس کشی کرے اور عقدِ ثانی سے باز رہے۔ مولانا جعفر شاہ صاحب اس سے یہ نکتہ برآمد فرماتے ہیں کہ:۔

"آج اگر زندوں کو زندہ رکھنے کی خاطر مزید روحوں کو آنے سے روک دیا جائے تو یہ کوئی گناہ نہیں، بلکہ قربِ نبویؐ کا ذریعہ ہے۔"

کیوں؟

(اس لئے کہ) عقدِ ثانی سے باز رہنا مزید اولاد کو وجود میں آنے سے روکنا (ہی تو) ہے۔" (ص ۶۷۔۹۰)

کہیئے ہم اس پر کیا تبصرہ کریں؟

حدیث میں بشارت صرف اس بات پر ہے کہ ایک عورت اپنے یتامیٰ کی پرورش کی خاطر لذتِ نفس کے بھرپور مواقع قربان کرتی ہے۔ (جیسا کہ حدیث کے الفاظ "حبسِ نفس" سے صاف ظاہر ہے) لیکن شاہ صاحب کی نظر اس صاف اور سامنے کی بات پر رُکنے کے بجائے اس گہرائی میں پہنچتی ہے کہ عقدِ ثانی سے باز رہنے میں مزید اولاد پیدا کرنے سے باز رہنا بھی تو لازم آتا ہے، سو دراصل بشارت اسی پر ہے کہ موجودہ اولاد کی خاطر مزید اولاد کو وجود میں آنے سے روکا جائے۔ پس آج ضبطِ ولادت کا عمل نہ صرف جائز بلکہ قربِ نبویؐ کا ذریعہ ہوا۔

کیا کہنے ہیں اِن نکتہ سنجیوں کے!

گر ہمیں مکتب و ہمیں مُلّاں
کارِ طفلاں تمام خواہد شد

اسی کو کہتے ہیں "پاپوش میں آفتاب کی کرن لاکے لگانا"۔

اگر اتنی بات بھی شاہ صاحب فرماتے کہ اس حدیث سے ضبطِ ولادت کا جواز نکلتا ہے۔ تب بھی یہ کچھ کم سرمایۂ حیرانی نہ تھا۔ چہ جائیکہ اس پر قربِ نبوی کی بشارت کا اعلان فرمانا ــــــ جبکہ اسی مضمون میں، بلکہ کتاب کے ہر مضمون میں، وہ روایتیں بھی درج ہیں جن سے معلوم ہوتا ہو کہ ضبطِ ولادت (بذریعہ عزل) کی اجازت چاہنے والوں کو حضورؐ نے ہمیشہ ایسا جواب دیا جس سے اس رجحان کی حوصلہ شکنی ہی مفہوم ہوتی ہے۔ کہیں ایسا نہیں ہوا کہ حضورؐ فرماتے، یہ کام خوب کہو،

یہ تو جنت میں میسر قرب کا ذریعہ ہے۔

خیر، یہ تو شاہ صاحب کے ایک لطیف نکتہ کے طفیل گفتگو طویل ہو گئی۔[1] ورنہ کہنے کی بات صرف یہ تھی کہ کتاب اپنے مدعا میں کامیاب نہیں ہے ——— اور اسکے چند وجوہ ہیں۔

۱۔ قلتِ خوراک و وسائل معاش کے خیال سے تحدیدِ نسل کا رجحان کتاب وسنت کی رو سے کوئی پسندیدہ رجحان نہیں ثابت کیا جا سکتا۔

۲۔ عزل کی وہ روایات جو یہ دکھانے کے لئے پیش کی گئی ہیں کہ حضور نے ممانعت نہیں فرمائی، ان میں سے کوئی بھی نہیں بتاتی کہ عزل کی بنا خشیۂ املاق (تنگدستی کا خوف) تھی ——— واضح رہے کہ اُسامہ بن زیدؓ کی جو روایت احمد و مسلم کے حوالہ سے اِن مضامین میں نقل کی گئی ہو اس میں "اشفق علی ولدِها" کا مطلب غلط سمجھا گیا ہے۔ اس میں کثرت اولاد کا خوف نہیں، بلکہ دودھ پیتے بچے کو کوئی نقصان پہنچ جانے کا خطرہ بیان ہوا ہے، چنانچہ مسلم میں یہ روایت "باب الغیلة" کے تحت آئی ہے۔ اسی سے اس کا مطلب سمجھا جا سکتا ہے۔

۳۔ انفرادی واقعات اور قومی پیمانے کے رجحانات، کا حکم یکساں ہونا ضروری نہیں۔ روایات میں انفرادی انداز کے واقعات، سامنے آتے ہیں، نہ کہ قومی اور اجتماعی پیمانے کا کوئی رجحان۔ پس اِن روایات میں آنحضرت کی عدم ممانعت، کو قومی پیمانہ پر تحدیدِ نسل کا رواج ڈالنے کے لیے وجہ جواز نہیں بنایا جا سکتا۔

۴۔ اولاد کو بیماریوں اور وباؤں پر قیاس کر کے اُسکے انسدادی مدافعت کی تدبیروں کو جائز ٹھہرانا کسی طرح صحیح سازنکا نہیں، اولاد اللہ کا ایک عطیہ اور نسل انسانی کی بقاء کے لئے اس کا ایک ازلی فیصلہ ہے جس کے لئے اللہ نے مرد و زن کو ایک ذریعہ بنایا ہے۔ اسکے برعکس ہم پر بیماریاں اور وبائیں مسلط کرنے سے اللہ کو از خود کوئی دلچسپی نہیں، یہ چیزیں دراصل خود ہماری کسی غلطی

---

[1] اس لطیفہ کے علاوہ شاہ صاحب کی یہ عبارت بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ حضور کے اس ارشاد پر کہ "آنے والی روح تو آ کر ہی رہے گی" ایک موقع پر بالواسطہ یہ اعتراض بھی جڑا ہے کہ "وہ کونا جائز روح بھی آ رہی ہے تو کیا اُسے بھی آنے دینا چاہیئے؟" (صفحہ ۵)

کے نتیجہ میں ہم پر مسلط ہوتی ہیں۔ پس اِن غلطیوں سے احتیاط و اجتناب یا ان کے نتائج کے ازالہ کی تدبیروں پر قیاس کرکے اولاد کے انسداد کے لئے بھی یہی سب روا رکھنا ظاہر ہے کہ کسقدر غلط قیاس ہے۔

۵۔ بے روزگاری اور افلاس کا مسئلہ ہماری آبادی کے خاص طور پر جس حصّہ کا مسئلہ ہے تجربہ بتاتا ہے کہ اُس میں ضبطِ تولید کو رواج پانے کے لئے جتنا عرصہ درکار ہوگا، ارباب اقتدار اور دردمندانِ ملت اگر ایمانداری اور فرض شناسی کے ساتھ جد و جہد کریں تو بلاشبہ اتنے عرصہ میں وسائل معاش کی افزائش اور اُن کی صحیح تقسیم کا بندوبست ہو سکتا ہے۔ پس کیوں اس مسئلہ کو سیدھے سیدھے حل کرنے کے بجائے قوم کو تحدیدِ نسل کا سبق پڑھایا جائے۔ اور اس سبق کے خطرات کو انگیز کیا جائے؟

تشبیہاتِ رومیؒ | از: ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم مرحوم، ناشر:- ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ ۲۰۰ سے اوپر صفحات، اعلیٰ کاغذ، نفیس طباعت ۲۲×۱۸ (کاپی سائز)

مجلد قیمت -/۸ روپے

مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ کی مثنوی اسلامی ادب کا ایک لافانی اور حیات بخش شاہکار ہے۔ کتنوں نے اپنے دلوں کی سرد انگیٹھیاں اس سے گرمائیں، اور کتنے دلوں کو ایمان و ایقان کی دولت اسکی بدولت ہاتھ آئی ـــــــ اقبال سے پوچھیے مثنوی کیا چیز ہے۔ اور کیا اُسکا عالم تاثیر ہے۔ ؎

جانِ او از شعلہ ہا سرمایہ دار
من فروغ یک نفس مثل شرار

مثنوی روم کی یہ تاثیر مولائے روم کی آتشِ درونی کے علاوہ بہت کچھ اُن کے پیرایۂ تشبیہ و تمثیل کی رہینِ منت ہے۔ مثال دیکر بات سمجھانے میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتے۔ قرآن و حدیث کے کتنے ہی حقائق و معارف مولانا کی چند لفظی تشبیہات و تمثیلات کے ذریعہ اسں آسانی کے ساتھ دل میں گھر کرتے چلے جاتے ہیں کہ لمبی لمبی منطقی تقریریں ان چند بولوں پر رشک کرتی رہجائیں، اور بڑے بڑے پیچیدہ اخلاقی و روحانی اور نفسی مسائل کی زلفیں اس طرح

سنورتی چلی جاتی ہیں کہ ہر مسئلہ ایک رُخِ زیبا کی طرح سامنے آتا اور دلوں کی گہرائیوں سے خراجِ قبول حاصل کرتا ہے۔

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب مرحوم اعلیٰ ادبی ذوق کے مالک اور بہت سادہ و شگفتہ لکھنے والے تھے۔ مثنوی رومیؒ سے اُن کو خاص لگاؤ تھا۔ یہ کتاب انھوں نے مثنوی کے تشبیہی اور تمثیلی پہلو کو اُجاگر کرنے یا کہئے کہ تشبیہات رومی کو اُردو میں منتقل کرنے کے لئے لکھی تھی، اور حق یہ ہے کہ انھوں نے اپنے دور کے خاص ادبی مذاق کے مطابق اس کام کو خوب کیا ہے —— افسوس ہے۔ کہ وہ اپنی اس محنت کو کتابی شکل میں دیکھنے سے پہلے ہی رحلت کر گئے، اور کتاب اُن کے بعد تیار ہو کر پریس سے نکلی۔

ذیل میں کتاب کا ایک اقتباس نمونہ کے طور پر دیا جاتا ہے۔

"باطنِ حیات کے لامتناہی ممکنات"

"کائنات میں ہر چیز کا باطن اُس کے ظاہر کے مقابلے میں ہزار درجہ زیادہ ہستی رکھتا ہے۔ یہاں تم مٹی کو سب سے ادنیٰ ہستی سمجھتے ہو۔ مٹی نے بھی ظاہر میں خاکساری اختیار کر رکھی ہے۔ لیکن اس کا باطن اس سے برسرِ پیکار رہتا ہے، کہ ذرا ٹھہرو ہم تم کو دکھا دیں گے کہ ہمارے اندر کیا کیا خزانے پنہاں ہیں، آتش کا شعر ہے:-

زیرِ زمیں سے آتا ہے جو گل وہ زر بکف
قاروں نے راستے میں لٹایا خزانہ کیا

مٹی کے باطنی ممکنات کا خزانہ کبھی ختم نہیں ہوتا، گل و ثمر کی گوناگونی کی کوئی انتہا نہیں۔ زمین کا سا مصور کون ہو سکتا ہے جو فقط مٹی سے ہزاروں قسم کی رنگا رنگ کی تصویریں بنا سکے؟ چشمِ ظاہر بیں مٹی ہی سے باطنِ حیات کے ممکنات کا کچھ اندازہ لگا لے۔

زانکہ دارد خاک شکلِ اغبری
وز دروں دارد صفاتِ انوری
ظاہرش با باطنش گشتہ بجنگ
باطنش چوں گوہر و ظاہر چو سنگ

ظاہرش گوید کہ ما اینیم وبس
باطنش گوید نکو بیں پیش و پس
ظاہرش منکر کہ باطن ہیچ نیست
باطنش گوید کہ بنمائیم ۔ بیست
ظاہرت از تیرگی افغاں کناں
باطن تو گلستاں در گلستاں

تیرا باطن بھی تیرے ظاہر کا بگاڑ ہی کہہ رہا ہے کہ تو نے اپنے آپ کو حقیر سمجھ کر کس قسم کے ذلیل فکر و عمل میں مبتلا کر رکھا ہے، تجھے معلوم ہی نہیں کہ تکمیل حیات اور تسخیر کائنات کے کیا لامتناہی امکانات تیرے اندر مضمر ہیں۔ مشرقی پنجاب کے درویش شاعر بھیک کا کیا عارفانہ شعر ہے:۔

بھیکا بھوکا کوئی نہیں سب کی گدڑی لال
گرہ کھول نہیں جانتا اسلئے ہے کنگال یہ

ص ۵۶-۵۷

پوری کتاب خوبصورت ٹائپ پر چھپی ہے۔

پیشۂ وکالت | از: سید محمد نبی ایم اے ایڈوکیٹ، صفحات ۱۲۰، کاغذ اخباری، مجلد مع گرد پوش ۸/۱ پتہ:۔ مکتبۂ روحانی دنیا، ریوٹ روڈ، لکھنؤ،

یہ سید محمد نبی صاحب ایڈوکیٹ لکھنؤ کی نہایت دلچسپ سوانح حیات ہے، جس کا پورا نام ہو "پیشۂ وکالت اور میں نے وکالت کیوں چھوڑی" وکیل صاحب نے نہایت ذوق و شوق سے وکالت پڑھی، اور بڑی امنگوں اور تمناؤں کے ساتھ یہ پیشہ شروع کیا۔ طبیعت میں بچپن سے دینی رجحان تھا۔ اس لئے اس کوچہ میں قدم رکھتے ہی اس رجحان کو رگڑ لگنا شروع ہوئی، اور اس سے کشمکش کی وہ چنگاریاں اٹھیں کہ رہ رہ کر دو تین بار وکالت کو خیرباد کہا۔ اور اب بظاہر اسکو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ یہ کتاب وکیل صاحب کی اسی پُرکشمکش زندگی کی داستان ہے، جس میں اس زندگی کے سارے متعلقات کچہری، محرّر، موکّل، پولیس اور پیشۂ وکالت کی نہایت

بید روانہ نقاب کشائی ایک محرم اسرار کے ہاتھوں ہوئی ہے۔

کتاب کا پہلا اڈیشن غالباً جولائی ۵۹ء میں نکلا تھا، اس سے پیشتر کی کتابوں کے ہجوم کی وجہ سے ہم تبصرہ نہ کر سکے حتیٰ کہ یہ دوسرا اڈیشن آگیا جو ہر لحاظ سے پہلے سے بہتر ہے۔ امید ہو کہ وکیل صاحب کی یہ کتاب اور بھی زیادہ مقبولیت حاصل کرے گی، اور اُنکی جرأت رندانہ کی خوب خوب داد ملے گی۔

کتاب کا انتساب

"اس زندگی کے نام جس کو میں خیرباد کہہ چکا ہوں"

وکیل صاحب کو کیا ہی خوب سوجھا ہے ـــــ گویا "عطائے تو بلقائے تو"

فاتحہ کا صحیح طریقہ از جناب قاضی سید اسمٰعیل صاحب حنفی چشتی قادری، قیمت ۲۰ نئے پیسے علاوہ محصول ڈاک، ملنے کے پتے (۱) ایم عبدالسلام ممبر مرچنٹ، لکڑ گنج بزنیرہ ضلع امراوتی، (۲) قاضی بکڈپو، پنگنور، ضلع چتور (آندھرا)

عام مسلمان ایصال ثواب کا شرعی طریقہ نہ جاننے کی وجہ سے بہت سی خرافات اور بے اصل رسوم و رواج میں پڑ گئے ہیں۔ قاضی سید اسمٰعیل صاحب نے اسی صورت حال کی اصلاح کے خیال سے یہ کتاب مرتب کی ہے جس میں ہندوستان کے مستند بزرگانِ دین کی کتابوں اور فتووں سے ایصال ثواب کے صحیح طریقے اور اس باب کے تمام ضروری مسائل لکھے گئے ہیں ـــــ فاتحہ اور نذر و نیاز کا ذوق رکھنے والے مسلمانوں کو اس مختصر کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا یا اسے پڑھوا کر سننا چاہیئے ـــــ ہمارے سامنے اس وقت کتاب کا پانچواں اڈیشن ہے جو کتاب کی مقبولیت اور افادیت کی کھلی دلیل ہے۔

فضائل دُعا مولفہ جناب نصیرالدین صاحب اکبرآبادی، صفحات ۸۰، کاغذ اور کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱/۴/۰ پتہ: مکتبۂ رحمانیہ کٹرہ حاجی حسن آگرہ (یو پی)

تبلیغی جماعتوں میں فضائل کی کتابیں بہت مقبول ہیں۔ غالباً فضائل دُعا کے نام سے کوئی کتاب اب تک نہ تھی۔ اس کمی کو تبلیغی کام سے دلچسپی رکھنے والے آگرہ کے مذکورہ بالا صاحب نے پورا کرنے کی کوشش کی ہے ـــــ خود عالم نہونے کی وجہ سے مولف نے بعض مقامی علماء سے اس پر نظر ثانی بھی کرائی ہے مگر اسکے باوجود مقدمہ نگار مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا احساس

یہ ہے کہ اس پر کسی محقق عالم کی مزید نظر کی حاجت ہے، چنانچہ مؤلف اگلے ایڈیشن کے لئے اس مشورہ کی تعمیل کر رہے ہیں، موجودہ ایڈیشن بھی نظر ثانی کے محتاج پہلوؤں کو چھوڑ کر مقصد کے لحاظ سے انشاء مفید ہی ثابت ہوگا۔

معاویہؓ | از، عمر ابو النصر (لبنانی) مترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی، صفحات ۲۳۲ — کتابت طباعت روشن، کاغذ گلیز، قیمت -/۳ ناشر۔ ایوان پبلشر، الہ آباد ۳

حضرت معاویہؓ کی شخصیت بڑی متنازع فیہ ہے۔ ادر ادھر کچھ دن سے تو ہندوستان و پاکستان میں خاص موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔ بہر حال ایک لبنانی مصنف کی یہ کتاب حضرت معاویہؓ کے دورِ خلافت کے مفصل جائزہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ روایات کی تحقیق کے بارے میں مصنف نے کسی حد تک گہری نظر سے بھی کام لیا ہے۔ مگر عام طور پر انکی نظر کا انداز سرسری رہا ہے پھر بھی کتاب معلومات افزا ہے، ترجمہ بھی اچھا ہے۔

معاویہ و یزید | از، حافظ علی بہادر خاں ایڈیٹر "دورِ جدید"، صفحات ۳۰۰، اخباری کاغذ قیمت -/۴ ملنے کا پتہ:- مکتبہ دورِ جدید اردو بازار دہلی۔

خدا بھلا کرے محمود احمد عباسی کا، ایسے غلط ڈھنگ سے خلافتِ معاویہؓ و یزید کا مسئلہ اٹھایا ہے کہ ایک اچھا خاصا فتنہ کھڑا ہو گیا۔ پیش نظر کتاب محمود احمد عباسی صاحب کی کتاب ہی کا ایک نہایت سوقیانہ جواب ہے۔ لکھنے والے نے شروع کا حصہ تہذیب و شائستگی کا لبادہ اوڑھ کر لکھا ہے، جس سے لوگوں کو دھوکا ہو گیا کہ اندازِ گفتگو سنجیدہ و متین ہے، اور بعض ایسے مدیرانِ جرائد نے بھی اپنے جرائد میں اس تأثر کا اظہار فرما دیا جن کی شخصیت کا ایک وزن ہے۔ لیکن آخر کا حصہ اس کتاب کا ایسا ہے کہ اگر آپ سچ مچ اہل سنت میں سے ہیں تو اوّلاً تو اس حصہ کو آخر تک پڑھ جانے کی تاب نہیں لا سکتے، اور کسی طرح ضبط کر کے پڑھ بھی جائیں تو شاید کتاب پیش کر نذرِ آتش کئے بغیر نہیں رہ سکتے، یہ مجاہدہ صرف تبصرہ نگار ہی کا مجبورانہ حصہ ہے کہ وہ صبر و ضبط کے ساتھ کتاب تمام پڑھے بھی اور پھر اظہارِ رائے کے لئے اس کو اپنی الماری میں محفوظ کر کے رکھے بھی!

ذرا لب و لہجہ کی وہ شائستگی تو ملاحظہ ہو جسے شروع کے تصنع نے چھپا رکھا تھا۔

حضرت سمرۃ بن جندبؓ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مشہور صحابی ہیں، ذخیرہ حدیث میں بہت سی روایات ہیں۔ اُنکے متعلق ارشاد ہے۔

"اس سمرہ بن جندب کی زندگی میں متعدد تاریک واقعات ہیں۔ اس کے دوزخی ہونے کے حق میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض احادیث مشہور ہیں" (صد ۲۳۰)

"اتنا بڑا ظالم تھا کہ" الخ صد ۲۳۱

"اس قسم کا فرعون تھا" صد ۲۳۱

حضرت معاویہؓ جن کے ذکر میں بہت دور تک تہذیب کے حدود برقرار رکھنے کا تکلف برتا گیا، آخر میں آکر یہ تکلف اس طرح برطرف ہو گیا ہے۔

"معاویہ کو کھانے کی بہت دُھن تھی۔ اور اُسکی توند بھی بہت بڑی ہو گئی تھی، یہانتک کہ خطبہ کھڑے ہو کر نہیں دے سکتا تھا" (صد ۲۵۸)

یہ تو محض لہجہ کی "تہذیب و متانت" تھی۔ اور اس کتاب کی گندگیاں تو، معاذ اللہ! وہ باتیں اور وہ زبان ہے جسے پرلے درجہ کے بازاری ...... ہی استعمال کرسکتے ہیں۔ اس طرح کی باتیں اگر کوئی شخص مہذب لوگوں کی مجلس میں کرنے بیٹھ جائے تو یقین ہے کہ اُسی دم مجلس سے باہر کر دیا جائے۔

آپ کہیں گے کہ اس کا کوئی نمونہ پیش ہو، مگر ہم معذور ہیں کہ اس گندگی سے ہم الفرقان کے صفحات کو متعفن نہیں کرسکتے۔

اس طرح کی متعفن کتابیں کسی اعتنا کی مستحق نہیں ہوا کرتیں، لیکن جہاں یہ چند سطریں ہم کتاب کی زبان کے متعلق محض اس لئے لکھنے پر مجبور ہوئے کہ ہمارے ملک کے ایک مقتدر ہفت روزہ کے مدیر نے غالباً پوری کتاب پڑھے بغیر اسے شائستہ و مہذب بتا دیا تھا۔ اسی طرح ہم اس کتاب کے سنجیدہ گفتگو والے حصے کی حالت بھی ظاہر کر دیں ــــــ جسے معاصر مذکور ہی کے الفاظ نے لائق اعتنا بنا دیا ہے ــــــ کہ حضرت معاویہؓ کی مذمت کے بارے میں بحث و استدلال کی تمام تر عمارت نہایت پوچ اور بوگس ہے، جس سے صرف ناواقف عوام کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔ اس

معاملہ میں اِن حافظ صاحب پر شیعی ذہنیت کا پورا پورا عکس نظر آتا ہے۔ اور ہونا بھی چاہیئے، جبکہ وہ شیعیت سے اسقدر ہم آہنگ ہیں کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر مدینہ میں حضرت علی کو اپنا نائب بناکر چھوڑتے ہوئے انکے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰؑ کا مقصد حضرت موسیٰ کے قرآنی الفاظ ــــــ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ــــــ کی روشنی میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ:۔

"منصب نبوت کے گرانبار فرائض کی ادائیگی میں حضرت علی کی امداد بہت اہم تھی" (ص۱۹۲)

اور توراۃ کے الفاظ سے یہ ثابت کر کے ــــ جو کہ واقعہ بھی ہے ــــ کہ

"موسیٰ کے منصب نبوت کے کاروبار میں ہارونؑ کا مرتبہ بہت بلند تھا اور یہ مرتبہ موسیٰ کا تعین کردہ نہیں تھا بلکہ خود اللہ نے انھیں متعین کیا تھا"

فرماتے ہیں:۔

"یہ وہ مرتبۂ ہارون ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو دیا تھا"

یہی نہیں شیعیت کے دوسرے آثار بھی خیر سے کتاب میں موجود ہیں، ان حضرات کو عمر فاروقؓ سے جو تعلق خاطر ہے وہ معلوم ہے، اسی پرانی الفت کا (غالباً غیر شعوری) مظاہرہ ایک جگہ یوں ہوا ہے:۔

"مغیرہ جو معاویہ کے خاص مشیر اور نفسِ ناطقہ بھی تھے، حضرت عمر کے زمانہ میں ایک ایسے مقدمہ میں ماخوذ ہوئے، کہ صرف قانون کے الفاظ... کی آڑ لیکر انھیں حضرت عمر نے چھوڑ دیا" الخ ص۲۱۸

کیا کوئی غیر شیعی ذہنیت کا آدمی بھی حضرت عمرؓ کے متعلق "کوئی آڑ لیکر مجرم کو چھوڑ دینے" کا تصور کر سکتا ہے؟ نشانہ تو بظاہر حضرت مغیرہ تھے، لیکن شیعی نیش زنی کا کمال دیکھئے، کہ ذرا سی تقریب پیدا ہوئی، تو اسی ایک تیر سے عدالت فاروقی کو بھی شکار کر جانے میں چوکنے کا کام نہیں۔

غرض جب فکر و نظر کا یہ رنگ ہو، تو جس ڈھنگ کے دلائل و استشہادات کا انبار کتاب میں لگایا گیا ہوگا، وہ ظاہر ہے۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۳۴)

حضرت حکیم الامتؒ کی طرف سے اجازت

حاجی صاحب نے بیان فرمایا کہ بالکل اچانک حضرت کا والا نامہ آیا جس میں مجھے تلقین و بیعت کی اجازت دی گئی تھی۔ مجھ پر اس کا ایسا اثر پڑا کہ خلاف عادت چیخ نکل گئی، پھر میں نے حضرت کو لکھایا کہ میرا حال یہ ہے کہ میں پڑھا لکھا کچھ نہیں ہوں، میں نے ذکر شغل بھی نہیں کیا ہے، پھر میں ایک چھوٹی ذات کا آدمی ہوں یعنی تیلی ہوں، البتہ ظاہر صوم و صلوٰۃ کی پابندی اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمائی ہے، ریا، عجب، کبر، حسد وغیرہ کے بارہ میں بھی کچھ موٹی موٹی معلومات ہیں۔ — ایسی حالت میں بھی اگر یہی مناسب خیال فرماویں تو خدمت کے لیے حاضر ہوں۔

حضرت نے حسب معمول اسی پر جواب دیا، پڑھا لکھا نہ ہونے کے بارہ میں اور ذکر شغل نہ کرنے کے بارہ میں میں نے جو لکھا تھا اُس کے متعلق حضرت نے کچھ تحریر نہیں فرمایا، اور اپنے تیلی ہونے کا میں نے جو ذکر کیا تھا اس پر تحریر فرمایا "کیا حرج ہے بعضے تیل گھی سے بھی زیادہ قیمت کے ہوتے ہیں"۔

ظاہر صوم و صلوٰۃ کی پابندی نصیب ہونے کا میں نے جو ذکر کیا تھا اس پر حضرت نے تحریر فرمایا کہ "کیا یہ تھوڑی نعمت ہے"۔ ریا اور عجب وغیرہ کے بارہ میں جو میں نے لکھا تھا کہ اس کے متعلق بھی موٹی موٹی معلومات ہیں، اُس پر تحریر فرمایا "پھر تو نورٌ علیٰ نور" — اور آخر میں جو میں نے لکھا تھا کہ ایسی حالت میں بھی اگر یہی مناسب خیال فرماویں تو خدمت کے لیے حاضر ہوں، — اس پر تحریر فرمایا کہ "ہاں ضرور، انشاء اللہ برکت ہوگی۔"

ALFURQAN (Regd No. A-353) Lucknow

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

28 (٦)

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے
لیکن یہ صرف ایک بات ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، وہ اصل یہ
اس بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی کھینچی ہوئی
اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایات اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔
جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لائے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی
زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں اور وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم اس کا
عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

فاطر السموٰت والارض انت ولیّی فی الدنیا والآخرۃ
توفنی مسلما والحقنی بالصالحین

”ادارہ الفرقان“

مسئول
محمد منظور نعمانی

مرتب
عتیق الرحمٰن سنبھلی

کتب خانہ الفرقان کی مطبوعات

کلمہ طیبہ کی حقیقت

از افادات مولانا نعمانی

اس میں اسلام کے کلمۂ دعوت
"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ"
کی تشریح پوری تحقیق کے ساتھ ایسے موثر انداز
میں کی گئی ہے کہ اس کے مطالعہ سے ایمان و یقین میں
اضافہ ہوتا ہے
اور دماغ کے ساتھ دل بھی متاثر ہوتا ہے۔

قیمت ... -/۶/۰

نماز کی حقیقت

از افادات مولانا نعمانی

ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے
کہ نماز کے مقام اور اس کی روح و حقیقت سے
واقف ہونے کے لیے اس رسالہ کا مطالعہ ضرور
فرمائیں "کلمۂ طیبہ کی حقیقت" کی طرح یہ بھی عقل و
جذبات اور دل و دماغ کو یکساں متاثر کرتا ہے

قیمت .... -/۱۲/۰

برکات رمضان

از افادات مولانا نعمانی

اسلام کے اہم رکن "صوم رمضان" اور ماہ رمضان
اور اس کے خاص اعمال و وظائف تراویح و
اعتکاف وغیرہ کے فضائل و برکات اور ان کی
روحانی تاثرات کا نہایت موثر اور ذوق انگیز بیان
اور حکیم امت حضرت شاہ ولی اللہ کے طرز پر اس
سلسلہ کی احادیث کی ایسی تشریح جس سے دل بھی
متاثر ہو اور دماغ بھی مطمئن قیمت -/۱۲/۰

اسلام کیا ہے؟

تالیف مولانا نعمانی

اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں

اس کتاب کے پڑھنے والوں کا عام احساس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو
کوئی خاص مقبولیت و تاثیر عطا فرمائی ہے۔ پچھلے چند سالوں میں تقریباً تیس ہزار اردو
میں اور کئی ہزار گجراتی میں شائع ہو چکی ہے
اسلام کے متعلق ضروری واقفیت حاصل کرنے کے لیے نہ صرف بلکہ کامل مسلمان
اور مومن کامل بننے کے لیے بھی اس کا مطالعہ اور عمل انشاء اللہ کافی ہے
زبان نہایت آسان ہونے کے ساتھ نہایت شیریں اور پر تاثیر ہے۔ کتابت طباعت
بھی اور معیاری قسم اول کاغذ ... [illegible]
ہندی ایڈیشن کاغذ اعلیٰ مجلد قیمت تین روپے -/۰/۳

آپ حج کیسے کریں؟

حج و زیارت کے متعلق اردو زبان میں بے شمار چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہو چکی ہیں لیکن یہ
کتاب (جو مولانا نعمانی اور مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی گویا مشترک تالیف ہے) اپنی
اس خصوصیت میں اب بھی بے نظیر ہے کہ اس کے مطالعہ سے حج کا صحیح اور مسنون طریقہ
بھی تفصیل سے معلوم ہو جاتا ہے اور دل میں عشق و جذب اور ذوق و شوق کی وہ کیفیات
بھی پیدا ہو جاتی ہیں جو در اصل حج کی روح اور جان ہیں۔

کاغذ عمدہ .... قیمت مجلد .... -/۰/۲

آسان حج

یہ آسان زبان میں "حج کیسے کریں" کا خلاصہ ہے
ایسے کم تعلیم والے حضرات جو صرف آسان اور معمولی
اردو ہی پڑھ سکتے ہیں وہ اس کے مطالعہ سے پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

طباعت معیاری .... قیمت ...... صرف -/۴/۰

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی
دینی دعوت

تالیف مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
شروع میں مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم سے ایک
فاضلانہ اور مبسوط مقدمہ ... ۰/۰/۳

ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ

مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی قیمت ۰/۰/۱

امام ولی اللہ دہلوی

از مولانا عبید اللہ سندھی ... قیمت -/۰/۱

انیس نسواں

از محترمہ بیگم سید اصغر حسین صاحب

مسلمان خواتین خاص کر تعلیم یافتہ بہنوں میں
دین کی طرف سے جو بے فکری اور آخرت کی
طرف سے جو غفلت تیزی سے بڑھ رہی ہے اس کے
علاج اور انسداد کے لیے ایک محترم بہن نے یہ
رسالہ لکھا ہے شروع میں مولانا نعمانی کے قلم
سے پیش لفظ ہے ...... قیمت -/۱۰/۰

قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا رستہ

قیمت -/۶/۰

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین کے الزامات

قیمت ۱/۸/۰

معرکۃ القلم

اکابر دیوبند کی طرف سے مولوی احمد رضا خاں
صاحب بریلوی کے سنگین تکفیری الزامات کا آخری
تحقیقی جواب .... قیمت -/۰/۱

ہندوستان پاکستان سے
سالانہ چندہ (دلیکہ ہندوستان) ؎
۔ ۔ (دلیکہ پاکستان) ؎

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

(فی کاپی آٹھ آنے ۸/)

غیر ممالک سے
سالانہ چندہ ، ۱۰ شلنگ
اعزازی خریداروں سے
سالانہ چندہ ، ۵ شلنگ

جلد ۲۸	بابتہ ماہ رجب ۱۳۸۰ھ مطابق جنوری ۱۹۶۱ء	شمارہ ۷

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحات
۱	نگاہِ اولین	عتیق الرحمٰن سنبھلی	۲
۲	معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی	۵
۳	تجلیات مجدد الف ثانیؒ	مولانا نسیم احمد فریدی	۱۴
۴	اقامتِ دین اور اسوۂ انبیاء	مولانا امین احسن اصلاحی	۲۳
۵	ایک خلاء جو جلد پُر ہونا چاہیئے	مولانا سید ابو الحسن علی ندوی	۳۳
۶	حضرت سعد بن کرامؓ	مولانا حافظ محمد حبیب اللہ صاحب ندوی	۴۴
۷	تعارف و تبصرہ	ع ۔ س	۴۹

اگر دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۱۰ر جنوری تک دفتر میں ضرور آجانی چاہیئے، ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی، پی ارسال کیا جائے گا۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

نمبر خریداری:۔ خط و کتابت اور منی آرڈر پر اپنا نمبر خریداری لکھنا ہرگز نہ بھولیے۔

تاریخ اشاعت:۔ الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے ۔۔۔ اگر ۱۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں، انکی اطلاع ۲۰ تاریخ کے اندر آ جانی چاہیئے، اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

مقام اشاعت دفتر الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ

[illegible]

نگاہِ اوّلیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سنہ ء کے آخری دو مہینوں میں مسلمانوں کی دو معروف جماعتوں کے اہم اجلاس ہوئے ہیں۔ ایک جماعت اسلامی ہند کا عام اجتماع دہلی میں منعقد ہوا۔ دوسرا جمعیۃ علمائے ہند کا سالانہ اجلاس وسطی ہند کے مقام اجین میں۔ ان دونوں اجلاسوں کی بعض خصوصیتیں لائقِ تذکرہ اور قابلِ تبصرہ ہیں۔

جمعیۃ علمائے ہند کے اجلاس کے خطبۂ صدارت میں عام ملکی حالات کے ساتھ مسلمانوں کے حالات پر خصوصی طور پر تبصرہ کیا گیا اور اس ضمن میں اُن کے ملکی حقوق کی پامالی پر کڑی تنقید کی گئی۔ جمعیۃ کے لیڈر اب اس معاملہ میں جس طرح سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں اُس کا اندازہ اس اجلاس کی اس تجویز سے ہوتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ

> "مشترکہ انتخاب کا اصول جمہوری نظامِ زندگی کی بنیاد پر قبول کیا گیا تھا۔ لیکن اب جبکہ یہ اصول اقلیتوں کے حق میں ناکام ثابت ہوا ہے اور یہ امر واضح ہو گیا ہے کہ اس اصول کو کامیاب بنانے کے لیے جس فراخدلی اور جمہوری اسپرٹ کی ضرورت ہے اکثریت اس کے اظہار میں ناکام رہی ہے۔ اور اس بنا پر اقلیت میں بے اعتمادی پیدا ہو رہی ہے۔ ضروری ہے کہ اس اصول کے متبادل کوئی ایسی آئینی صورت پیدا کی جائے جس سے اقلیتوں میں خود اعتمادی پیدا ہو اور جمہوریت اپنی اسپرٹ کے ساتھ قائم رہے۔"

اس رزولیوشن میں اربابِ جمعیۃ کا فکر ایک اہم موڑ مڑتا ہوا نظر آتا ہے اور اس کے پس منظر

یں حقیقت پسندی کی ایک جھلک ملتی ہے۔ لیکن جس حقیقت کا احساس اس رزولیوشن میں کارفرما نظر آتا ہے اس کا تقاضا یہ تھا کہ ارباب اختیار سے کسی مؤثر آئینی تبدیلی کی درخواست پر اکتفا کرنے کے بجائے مسلمانوں کے اندر ایسی تبدیلی کے کسی مؤثر پروگرام کی جستجو کی جاتی جو انھیں یہ پوزیشن عطا کرے کہ ان کے حقوق کی پامالی کھیل نہ رہے۔ آئین میں کسی مؤثر تبدیلی کے لیے بھی درحقیقت اُن کی اپنی مؤثر پوزیشن کی ضرورت ہے۔ ورنہ۔ کون سنتا ہے فغانِ درویش! اس لحاظ سے جمعیۃ کے مذکورہ اجلاس کی تقریروں اور تجویزوں میں ایک بڑا خلا اور مایوس کن کمی محسوس ہوتی ہے۔ ضرورت ہے کہ جمعیۃ کے لیڈر اس پہلو پر غور فرمائیں ورنہ یہ سالانہ گلے شکوے اور اپنے تحفظ کے لیے اربابِ اقتدار کو مناسب مشورے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتے۔ تیرہ برس کے تجربے نے یہ بات صاف کر دی ہے کہ مسلمان خود ہی اپنے حقوق حاصل کرنے کے قابل ہوں گے تو انھیں حقوق ملیں گے ورنہ نہ دستور کے نقوش میں یہ طاقت ہے کہ وہ اپنی آبرو کے تحفظ پر اربابِ حکومت کو مجبور کر سکیں، نہ اربابِ حکومت میں یہ اصول پرستی اور ایمان داری ہے کہ دستور کے تقاضوں کو مصلحتوں پر مقدم رکھ سکیں۔ رہی اکثریت کی فراخدلی اور فیاضی، سو یہ وہ خواب ہے جس کی تعبیر سے اب جمعیۃ بھی مایوس ہو گئی ہے۔

جمعیۃ کے فکر کا جو ایک نیا موڑ ہمیں مذکورۂ بالا رزولیوشن میں نظر آتا ہے وہ صراحت کے پیرایہ میں نہیں ہے۔ اور اس میں اتنی وضاحت بھی نہیں ہے کہ اس کا کوئی صاف رُخ سمجھ کر رائے زنی کی جا سکے۔ لیکن جماعتِ اسلامی ہند کے اجتماع میں امیر جماعت نے جو خطبہ دیا ہے اُس میں جماعتِ اسلامی کی پالیسی کو بہت صاف طور پر ایک نیا موڑ دیا گیا ہے۔ جماعتِ اسلامی کے اس اجتماع میں چونکہ ہم کو شرکت کی دعوت بھی ملی تھی اس لیے بیجا نہ ہوگا کہ ہم اس پر کچھ اظہارِ خیال کریں۔

جماعتِ اسلامی اب تک تمام اُن سیاسی نظاموں سے جن میں خدا کا کوئی مقام نہیں ہے، طاغوت ہونے کی حیثیت سے ایک صف میں رکھ کر بیزاری کا اظہار کرتی رہی تھی، وہ ان سے کسی درجہ کے تعاون اور تعلق کو بھی عبادتِ طاغوت قرار دیتی تھی اور صرف تنقید کا تعلق ان کے ساتھ روا رکھتی تھی۔ اس تازہ اجتماع کے خطبۂ صدارت میں اس بیس سالہ پالیسی کو یہ موڑ

دیا گیا ہے کہ اب جماعت ان طاغوتی نظاموں میں سے بعض کے مقابلہ میں بعض کی حمایت و تائید کرے گی ۔۔۔۔ گو کہ اس کا اصل نصب العین ان سب کو ہٹا کر اسلامی نظام قائم کرنا ہی ہوگا۔

ہم جماعت اسلامی کی پالیسی کی اس تبدیلی کو حقیقت پسندی سمجھتے ہیں۔ اور شکر ہے کہ "بیاغیمت" کا وہ فلسفہ جس سے جماعت اسلامی ، اسلامی ذہن کے منافی سمجھ کر چڑھتی رہی تھی، بیس سال کے تجربہ کے بعد اس کی سمجھ میں آگیا ہے۔ لیکن جماعت اسلامی کو اس حمایت و تائید کے حدود بھی ذرا واضح کر دینے چاہئیں۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ جماعت اسلامی آمریت اور ملوکیت کے مقابلہ میں اب جمہوریت کی حمایت کس حد تک جائز سمجھنے لگی ہے۔ اور اس کے اور ان لوگوں کے درمیان ذہن و فکر کے اختلافات کا کتنا فاصلہ کم ہوا ہے۔ جو اسلامی نظام ہی کو نظام حق سمجھنے کے باوجود ضرورت اور بیاغیمت کے نظریہ کے ماتحت غیر اسلامی نظامہائے سیاست میں سے ایک کے مقابلہ میں ایک کو اپنے اور دوسروں کے ووٹ کی تائید بہم پہونچانے کے قائل ہیں؟

ہوسکتا ہے کہ جماعت اسلامی نے صرف زبان و قلم کی حد تک اور وہ بھی صرف اصولی سطح پر تائید و حمایت کا فیصلہ کیا ہو۔ لیکن اس صورت میں یہ سوال ابھی سے سامنے رکھ لینا بہتر ہوگا کہ جماعت اگر اپنے ارکان اور عام مسلمانوں کو کسی بھی غیر اسلامی نظام کے ماتحت حکومت سازی کے لیے ووٹ دینے کو حرام قرار دیتی رہی تو اس کی تائید و حمایت کا حاصل کیا ہوگا؟

اعلان

۱۔ الفرقان کا گذشتہ شمارہ (بابت نومبر دسمبر) بالکل ختم ہو گیا ہے۔

۲۔ اس شمارہ میں دینی تعلیمی تحریک سے متعلق جو چند مضامین تھے وہ دینی تعلیمی کونسل کی طرف سے علیحدہ کتابی شکل میں طبع کرا لیے گئے ہیں۔ قیمت فی کاپی ۵۰ نئے پیسے ہے۔ یہ کتابچہ دفتر الفرقان سے بھی طلب کیا جا سکتا ہے۔

———— (منیجر)

مَعَارِفُ الْحَدِیْث

نماز کے اوقات :-

نماز سے جو اصل مقاصد اور منافع وابستہ ہیں۔ اور اللہ کے خوش نصیب بندوں کے لیے اس
میں جو لذتیں ہیں ان کا تقاضا تو یہ تھا کہ زندگی کے اگر سارے لمحات نہیں تو کم از کم دن رات کے اکثر
اوقات نماز میں صرف کرنے ضروری قرار دیے جاتے۔ لیکن چونکہ حکمتِ الٰہی نے انسانوں پر اور
بھی بہت سی ذمہ داریاں ڈالی ہیں، اس لیے دن رات میں صرف پانچ وقت کی نمازیں فرض
کی گئی ہیں۔ اور ان کے اوقات ایسی حکمت سے مقرر کیے گئے ہیں کہ نماز سے جو مقاصد وابستہ ہیں وہ
بھی پورے ہوں اور دوسری ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بھی خلل نہ پڑے۔

صبح نیند سے اُٹھنے کے وقت (یعنی صبح صادق کے بعد طلوعِ آفتاب سے پہلے پہلے)
فجر کی نماز فرض کی گئی ہے۔ تاکہ صبح کو سب سے پہلا کام بارگاہِ قدوسیت میں حاضری (اظہارِ نیاز) اور
بندگی کے میثاق کی تجدید ہو۔ پھر دوپہر یعنی زوالِ آفتاب تک کوئی نماز فرض نہیں کی گئی تاکہ ہر شخص
اپنے حالات کے مطابق اپنے کام کاج اور دوسری ذمہ داریوں کو اس طویل وقفہ میں انجام دے
سکے ——— پورے آدھے دن کے اس وقفے کے بعد ظہر کی نماز فرض کی گئی۔ اور اس میں بھی
یہ سہولت دی گئی کہ خواہ اول وقت ادا کی جائے یا اپنے حالات کے مطابق گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ
تاخیر کر کے پڑھی جائے۔ بہر حال یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ اس طویل وقفہ کے بعد نماز ظہر ادا کی جائے۔
تاکہ غفلت یا بارگاہِ خداوندی سے غیر حاضری کی مدت اس سے زیادہ طویل نہ ہو، پھر شام کے
آثار شروع ہونے کے وقت عصر کی نماز فرض کی گئی تاکہ اس خاص وقت میں بھی جو اکثر لوگوں

کے لیے اپنے کاموں سے فرصت پانے اور تفریحی مشاغل میں مشغول ہونے کا وقت ہوتا ہے۔ ایمان والے بندے اپنے ظاہر و باطن سے ربِّ قدوس کی بارگاہ میں حاضر اور اس کی عبادت میں مشغول ہوں ــــــ پھر دن کے ختم پر غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز فرض کی گئی، تاکہ دن کے خاتمہ اور رات کے آغاز کے وقت ہم پھر بارگاہ قدوسیت میں حاضر ہو کر اس کی حمد و تسبیح اور بندگی کے عہد کی تجدید کریں ــــــ اس کے بعد سونے کے وقت سے پہلے عشاء کی نماز لازم کی گئی، تاکہ روزانہ کی زندگی کا ہمارا آخری عمل بھی نماز ہو اور ہم اپنے مالک سے رابطۂ نیاز قائم کر کے اور ایمان و عبدیت کے عہد کی تجدید کر کے سوئیں ــــــ اور ہماری سہولت کے لیے پانچوں نمازوں کے ان وقتوں میں کافی وسعت بھی دی گئی۔ اپنے وقتی حالات کے مطابق ہم اول وقت میں بھی پڑھ سکتے ہیں اور درمیانی وقت میں بھی اور آخر وقت میں بھی۔

اس پوری تفصیل پر غور کر کے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ظہر سے لے کر عشاء تک کی نمازوں کے درمیانی وقفے تو اتنے مختصر مختصر ہیں کہ ایک سچے مومن کے لیے جو نماز کی قدر و قیمت سے واقف ہو اور اس کی لذت سے آشنا ہو، ظہر پڑھنے کے بعد عصر کا، عصر کے بعد مغرب کا، اور مغرب کے بعد عشاء کا منتظر اور اس کے لیے فکرمند رہنا قدرتی طور پر بالکل ناگزیر ہے۔ اور اس طرح گویا اس پورے وقفہ میں اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور نماز سے متعلق ہی رہے گا۔ البتہ فجر سے ظہر تک کا وقفہ خاصا طویل ہے، اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اس کو اس لیے اتنا طویل رکھا گیا ہو کہ بندے اپنی دوسری ضروریات اور دوسرے کاموں کو اس وقفہ میں اطمینان سے انجام دے سکیں۔ تاہم اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ جن خوش نصیب بندوں سے ہو سکے وہ اس وقفہ کے درمیان میں بھی چاشت کی چند رکعتیں پڑھ لیا کریں۔ اسی طرح رات کے سونے کو انسان کی ایک فطری اور حقیقی ضرورت قرار دے کر عشاء سے فجر تک کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے۔ اور یہ وقفہ سب سے زیادہ طویل رکھا گیا ہے۔ لیکن یہاں بھی اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ کے بندے آدھی رات گذرنے کے بعد کسی وقت اٹھ کر تہجد کی چند رکعتیں پڑھ لیا کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں، اور خود آپ کا یہ ایسا دائمی معمول تھا کہ سفر میں بھی قضا نہیں ہوتا تھا ــــــ چاشت اور تہجد کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترغیبی ارشادات انشاء اللہ

اپنے موقع پر آئیں گے۔ یہاں تو یہ تمہیدی اشارے صرف نماز پنجگانہ کے بارے میں کیے گئے ہیں۔۔۔ اس کے بعد اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھی جائیں۔

(۱۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اِنَّہٗ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوۃِ فَقَالَ وَقْتُ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ مَا لَمْ یَطْلُعْ قَرْنُ الشَّمْسِ الْاَوَّلُ وَوَقْتُ صَلٰوۃِ الظُّھْرِ اِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ عَنْ بَطْنِ السَّمَاءِ مَا لَمْ تَحْضُرِ الْعَصْرُ وَوَقْتُ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَیَسْقُطِ الشَّفَقُ وَوَقْتُ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ اِلٰی نِصْفِ اللَّیْلِ

رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ فجر کی نماز کا وقت تو اس وقت تک رہتا ہے جب تک سورج کا ابتدائی کنارہ نمودار نہ ہو (یعنی صبح کو سورج جب طلوع ہونے لگے اور افق پر اس کا کنارہ ذرا بھی نمودار ہو جائے تو فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے) اور ظہر کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب بیچ آسمان سے مغرب کی جانب ڈھل جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ عصر کا وقت نہیں آجاتا، اور عصر کی نماز کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ سورج زرد نہ پڑ جائے اور سورج کا پہلا کنارہ ڈوبنے لگے، اور مغرب کی نماز کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب ڈوب کر بالکل غائب ہو جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ شفق غائب ہو، اور عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں سائل کے سوال کے جواب میں اکثر نمازوں کا آخری اور انتہائی وقت ہی بیان فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل غالباً یہی دریافت کرنا چاہتا تھا کہ ان پانچوں نمازوں کے وقتوں میں کہاں تک وسعت ہے۔ اور ہر نماز کس وقت تک پڑھی جا سکتی ہے، اور اس کا آخری وقت کیا ہے؟ ابتدائی وقت غالباً اس کو معلوم

ہوگا۔ واللہ اعلم۔

مغرب کی نماز کے بارہ میں اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اس کا وقت اس وقت تک رہتا ہو جب تک کہ شفق غائب نہ ہو"..... اس شفق کی تعیین اور تحقیق میں ہمارے ائمہ کی رائیں کچھ مختلف ہیں۔ اتنی بات تو لوگ عام طور سے جانتے ہیں کہ غروب آفتاب کے بعد مغرب کی جانب کچھ دیر تک سرخی سی رہتی ہے[۱]۔ اس کے بعد وہ سرخی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ کچھ دیر تک سفیدی سی رہتی ہے[۲]۔ پھر وہ سفیدی بھی غائب ہو جاتی ہے، اور سیاہی آجاتی ہے — پس اکثر ائمہ کی تحقیق تو یہ ہے کہ شفق غروب آفتاب کے بعد والی سرخی کا نام ہے۔ اس لیے ان حضرات کے نزدیک سرخی ختم ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہو کر عشاء کا وقت آجاتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد والی سرخی اور اس کے بعد والی سفیدی دونوں کو شفق کہا جاتا ہے اس لیے ان کے قول کے مطابق مغرب کا وقت اس وقت ختم ہوتا ہے جب مغربی اُفق پر سفیدی بھی باقی نہ رہے۔ اور سیاہی آجائے اور اسی وقت ان کے نزدیک عشاء کا وقت آتا ہے، لیکن امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت دوسرے ائمہ کی تحقیق کے مطابق بھی منقول ہے، اور وہی اس مسئلہ میں ان کے دونوں مشہور شاگردوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی بھی تحقیق ہے۔ اسی لیے بہت سے اکابر احناف نے اسی پر فتویٰ بھی دیا ہے۔

عشاء کا آخری وقت اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بھی بعض دوسری حدیثوں میں آدھی رات تک، بتایا گیا ہے۔ لیکن دوسری بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح صادق تک عشاء کا وقت باقی رہتا ہے۔ اس لیے جن حدیثوں میں عشاء کا وقت آدھی رات تک بتایا گیا ہے اُن کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ آدھی رات تک عشاء کی نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے بعد پڑھنا مکروہ ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۳) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ لَهُ صَلِّ مَعَنَا هٰذَيْنِ يَعْنِي الْيَوْمَيْنِ

---

[۱] یہ سرخی اکثر موسموں میں قریباً ایک گھنٹہ تک رہتی ہو۔ [۲] یہ سفیدی اکثر موسموں میں قریباً آدھے گھنٹہ تک رہتی ہے"

فلمّا زالت الشمس امر بلالا فاذّن ثمّ امره فاقام الظهر ثمّ
امره فاقام العصر والشمس مرتفعة بيضاء نقية ثمّ امره فاقام
المغرب حين غابت الشمس ثمّ امره فاقام العشاء حين غاب
الشفق ثمّ امره فاقام الفجر حين طلع الفجر فلمّا ان كان اليوم
الثاني امره فابرد بالظهر فابرد بها فانعم ان يبرد بها و
صلّى العصر والشمس مرتفعة آخّرها فوق الذي كان وصلّى
المغرب قبل ان يغيب الشفق وصلّى العشاء بعد ما ذهب ثلث
الليل وصلّى الفجر فاسفر بها ثمّ قال اين السائل عن وقت
الصلوٰة فقال الرجل انا يا رسول الله قال وقت صلاتكم بين
ما رأيتم ———— (رواه مسلم)

(ترجمہ) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ ان دونوں دن (آج اور کل) تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو۔ پھر (دوپہر کے بعد) جیسے ہی آفتاب ڈھلا آپ نے بلال کو حکم دیا اور انھوں نے اذان دی، پھر آپ نے اُن سے فرمایا تو انھوں نے ظہر کی نماز کے لیے اقامت کہی (اور ظہر کی نماز پڑھی گئی)، پھر (عصر کا وقت آنے پر) آپ نے بلال کو حکم دیا تو انھوں نے (قاعدہ کے مطابق پہلے اذان اور پھر) عصر کے لیے اقامت کہی (اور عصر کی نماز ہوئی) اور یہ اذان اور پھر نماز ایسے وقت ہوئی کہ آفتاب خوب اونچا اور پوری طرح روشن اور صاف تھا (یعنی اس کی روشنی میں وہ فرق نہیں پڑا تھا جو شام کو ہوجاتا ہے) پھر آفتاب غروب ہوتے ہی آپ نے بلال کو حکم دیا تو انھوں نے مغرب کی اقامت کہی (اور مغرب کی نماز ہوئی)، پھر جیسے ہی شفق غائب ہوئی تو آپ نے ان کو حکم دیا اور انھوں نے عشاء کی اقامت کہی (اور عشاء کی نماز پڑھی گئی)، پھر رات کے ختم پر جیسے ہی صبح صادق نمودار ہوئی آپ نے ان کو حکم دیا اور انھوں نے فجر کی اقامت کہی (اور فجر کی نماز پڑھی گئی)

پھر جب دوسرا دن ہوا تو آپ نے بلال کو ٹھنڈے وقت ظہر کی نماز قائم کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ظہر (آج تاخیر کر کے) ٹھنڈے وقت پڑھی جائے تو آپ کے حسب حکم انھوں نے ٹھنڈے وقت پر ظہر کی اقامت کہی اور خوب اچھی طرح ٹھنڈا وقت کر دیا (یعنی کافی تاخیر کر کے ظہر اُس دن بالکل آخری وقت میں پڑھی گئی) اور عصر کی نماز ایسے وقت پڑھی کہ آفتاب اگرچہ اونچا ہی تھا لیکن کل گزشتہ کے مقابلہ میں زیادہ موخر ہونے پر پڑھی اور مغرب کی نماز آپ نے شفق کے غائب ہونے سے پہلے پڑھی، اور عشا تہائی رات گزر جانے کے بعد پڑھی اور فجر کی نماز اسفار کے وقت میں (یعنی دن کا اُجالا پھیل جانے پر) پڑھی، پھر آپ نے فرمایا، وہ صاحب کہاں ہیں، جو نماز کے اوقات کے بارہ میں سوال کرتے تھے؟ اُس شخص نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں یا رسول اللہ آپ نے اُن سے فرمایا، تمھاری نمازوں کا وقت اُس کے درمیان ہے جو تم نے دیکھا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ان سائل کو نماز کے اوقات کا اول و آخر سمجھانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف زبانی تعلیم و تفہیم کے بجائے یہ بہتر سمجھا کہ عمل کر کے دکھا دیا جائے، اس لیے آپ نے ان سے فرمایا کہ دو دن ہمارے ساتھ پانچوں نمازیں پڑھو، پھر پہلے دن آپ نے ہر نماز اول وقت پڑھی، اور دوسرے دن ہر نماز جائز حد تک موخر کر کے پڑھی اور اُن سے فرمایا کہ ہر نماز کے وقت کا اول و آخر یہ ہے جس میں تم نے ہم کو نمازیں پڑھتا دیکھا۔

(۱۴) عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَأَبِي عَلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ فَقَالَ لَهُ أَبِي كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْأُولَى حِينَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى رَحْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ. وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ الْعِشَاءَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْعَتَمَةَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ

حتّٰی یَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِیْسَہٗ وَیَقْرَأُ بِالسِّتِّیْنَ اِلَی الْمِائَۃِ۔

———— (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) سیار بن سلامہ سے روایت ہے کہ میں اپنے والد ماجد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے والد نے اُن سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازیں کیسے پڑھا کرتے تھے؟ (یعنی آپ کے نماز پڑھنے کے اوقات کیا تھے؟) تو انھوں نے فرمایا کہ آپ دوپہر والی نماز جس کو تم لوگ نمازِ اولیٰ کہتے ہو (یعنی ظہر) اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا، اور عصر ایسے وقت پڑھتے تھے کہ اس کے بعد ہم میں سے کوئی آدمی مدینہ کے بالکل آخری سرے پر اپنے گھر واپس جاتا.......... تو ایسے وقت پہونچ جاتا تھا کہ آفتاب زندہ ہوتا تھا. (یعنی اس میں روشنی و حرارت باقی رہتی تھی. وہ زرد اور ٹھنڈا نہیں ہو جاتا تھا، —— آگے سیار بن سلامہ کہتے ہیں) اور میں یہ بھول گیا کہ حضور کی مغرب کی نماز کے بارہ میں انھوں نے کیا بتایا تھا. (آگے ابوبرزہ اسلمی کا بیان نقل کرتے ہیں کہ) اور عشاء جسے تم لوگ عَتَمہ کہتے ہو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیر کر کے پڑھنا پسند فرماتے تھے اور اس سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے. اور صبح کی نماز سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے جب آدمی (صبح کے اُجالے میں) اپنے پاس بیٹھنے والوں کو پہچان لیتا تھا. اور آپ (فجر کی نماز میں) ساٹھ سے لے کر سو تک آیتیں پڑھتے تھے. (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کے راوی سیار بن سلامہ کو یہ یاد نہیں رہا کہ ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضور کی مغرب کی نماز کا وقت کیا بتایا تھا، دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مغرب کی نماز عام طور سے اول وقت یعنی آفتاب غروب ہوتے ہی پڑھا کرتے تھے، کبھی کسی خاص ضرورت اور مصلحت ہی سے آپ نے مغرب کی نماز تاخیر کر کے پڑھی ہے۔

(۱۵) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ

عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ صَلٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ اِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ اِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَاِذَا قَلُّوْا اَخَّرَ وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ۔

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد بن عمرو بن حسن سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کے بارہ میں سوال کیا (یعنی یہ کہ آپ پنجگانہ نمازیں کس وقت پڑھتے تھے) تو انھوں نے بتایا کہ ظہر کی نماز آپ نصف النہار میں (یعنی زوال ہوتے ہی) پڑھتے تھے اور عصر ایسے وقت کہ سورج بالکل زندہ ہوتا تھا، (اس کی گرمی اور روشنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا) اور مغرب اس وقت جب آفتاب غروب ہوتا، اور عشاء (کے بارہ میں معمول یہ تھا کہ) جب لوگ زیادہ تعداد میں آجاتے تو آپ سویرا پڑھ لیتے تھے اور جب لوگ کم ہوتے تھے تو موخر کر کے پڑھتے تھے، اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری ومسلم)

(تشریح) حضرت جابرؓ کی اس حدیث میں اور اس سے پہلی ابو برزہ اسلمیؓ والی حدیث میں بھی ظہر کی نماز کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ بتایا گیا ہے کہ آپ زوال ہوتے ہی نصف النہار میں پڑھ لیا کرتے تھے۔ لیکن آگے آنے والی بعض دوسری حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معمول آپ کا گرمی کے موسم کے علاوہ تھا، جب گرمی سخت پڑتی تو آپ ظہر میں اتنی تاخیر فرماتے تھے کہ گرمی کی حدت ختم ہوجائے اور وقت کچھ ٹھنڈا ہوجائے۔ اور اسی کی آپ نے اُمت کو بھی ہدایت فرمائی ہو۔

(۱۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ ـــــ (رواہ النسائی)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب گرمی ہوتی تو دیر کر کے ٹھنڈے وقت (ظہر کی) نماز پڑھتے اور جب سردی کا موسم ہوتا تو جلدی (یعنی اول ہی وقت میں) پڑھ لیتے۔ (نسائی)

(۱۷) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالظُّھْرِ فَاِنَّ شِدَّۃَ الْحَرِّ مِنْ فَیْحِ جَھَنَّمَ۔ (رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب گرمی سخت ہو تو ظہر کو ٹھنڈے وقت پڑھا کرو، کیونکہ گرمی کی شدت آتشِ دوزخ کے جوش سے ہے۔ (صحیح بخاری)

(یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بھی مروی ہے لیکن اس میں "فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوۃِ" کا لفظ ہے اگرچہ مراد اُس سے بھی ظہر ہی ہے)

(تشریح) دنیا میں ہم جو کچھ دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں اس کے کچھ تو ظاہری اسباب ہوتے ہیں جنھیں ہم خود بھی جانتے اور سمجھتے ہیں اور کچھ باطنی اسباب ہوتے ہیں۔ جو ہمارے احساس و ادراک کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کبھی کبھی ان کی طرف اشارے فرماتے ہیں، اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ "گرمی کی شدت آتشِ دوزخ کے جوش سے ہے"۔ یہ اسی قبیل کی چیز ہے، گرمی کی شدت کا ظاہری سبب تو آفتاب ہے اور اس بات کو ہر شخص جانتا ہے اور کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا، لیکن عالمِ باطن، اور عالمِ غیب میں اس کا تعلق جہنم کی آگ سے بھی ہے، اور یہ ان حقائق میں سے ہے جو انبیاء علیہم السلام ہی کے ذریعہ معلوم ہو سکتے ہیں ــــ دراصل ہر راحت اور لذت کا مرکز اور سرچشمہ جنت ہے اور ہر تکلیف و مصیبت کا اصل خزانہ اور سرچشمہ جہنم ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ راحت و لذت یا تکلیف و مصیبت ہے وہ وہیں کے لامحدود خزانہ کا کوئی ذرہ اور اُسی اتھاہ سمندر کا کوئی قطرہ، اور وہیں کی ہواؤں کا کوئی جھونکا ہے، اور اسکو اُس مرکز و مخزن سے خاص نسبت ہے، اسی بنیاد پر اس حدیث میں گرمی کی شدت کو جہنم کی تیزی اور اس کے جوش و خروش سے منسوب کیا گیا ہے، اور اصل مقصد بس اتنا ہے کہ گرمی کی شدت کو جہنم سے ایک خاص نسبت ہے اور وہ غضب خداوندی کا ایک مظہر ہے اور خنکی و ٹھنڈک رحمتِ خداوندی کی لہر ہے اسلیے جس موسم میں نصف النہار کے وقت سخت گرمی ہو اور گرمی کی شدت سے فضا جہنم بن رہی ہو تو ظہر کی نماز کچھ تاخیر کر کے ایسے وقت پڑھی جائے جب گرمی کی شدت ٹوٹ جائے اور وقت کچھ ٹھنڈا ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تجلیاتِ مجدد الف ثانیؒ

مکتوبات کے آئینے میں

(تلخیص و ترجمہ ——— از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

مکتوب (۲۶۰) اپنے فرزند میاں شیخ محمد صادق سرہندیؒ کے نام —

(درمیانی حصہ)

.... اے فرزند! سنو کہ انبیاء علیہم السلام نے دعوت کو " عالم خلق " تک محدود رکھا ہے (چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے) بُنِیَ الاسلامُ علیٰ خمسٍ (اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے) اور چونکہ قلب کو عالم خلق سے مناسبت زیادہ تھی اسلئے انبیا نے تصدیقِ قلب کی بھی دعوت دی ہے اور " ما وراء قلب " کے متعلق انھوں نے (بصراحت) کلام نہیں فرمایا اور اسکو معمولی شئے قرار دے کر مقاصد سے شمار نہیں کیا ——— " تنعماتِ بہشت "، " آلامِ دوزخ "، " دولتِ دیدار " اور محرومیٔ دولتِ دیدار، یہ سب چیزیں عالم خلق سے وابستہ ہیں " عالم امر " کو ان سے تعلق نہیں ہے جو عمل، فرض، واجب اور سنت ہے اسکی ادائیگی بھی جسم سے تعلق رکھتی ہے اور جسم عالم خلق سے ہے اور جو عمل، " نصیب[1] عالم امر " ہے وہ اعمالِ نافلہ سے ہے ——— وہ قرب جو ان اعمالِ فرض و نفل کا ثمرہ ہے ——— مطابقِ اعمال ہوگا ——— پس وہ قرب جو ادائے فرائض کا ثمرہ ہے نصیبِ عالم خلق ہوگا اور وہ قرب جو ثمرۂ اداءِ نوافل ہے نصیبِ عالم امر ہوگا ——— اور اس میں شک نہیں کہ نفل کی فرض کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے کاش کہ دریائے محیط کے مقابلے میں

---

[1] حصہ

قطرے کی نسبت ہی ہوتی (وہ بھی نہیں ہے) بلکہ نفل کی تو سنت کے مقابلے میں بھی دریا اور قطرے والی نسبت ہے اور خود سنت و فرض کے درمیان بھی نسبت قطرہ و دریا ہے ——— اس سے قربِ عالم خلق اور قربِ عالم امر کے درمیانی فرق کو معلوم کیا جا سکتا ہے اور عالم خلق کی فضیلت، عالم امر پر اسی فرق سے جانی جا سکتی ہے ——— اکثر لوگ چونکہ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے اس لئے فرائض کو خراب و خستہ کرکے نوافل کی ترویج و اشاعت میں کوشاں ہوتے ہیں ——— "صوفیائے خام" (فقط) ذکر و فکر کو شدید ترین ضروریات سے جان کر فرائض و سنن کی ادائیگی میں کوتاہی برتتے ہیں اور چلّہ کشی و ریاضت کو اختیار کرکے جمعہ و جماعت کو ترک کرتے ہیں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ایک فرض نماز جماعت سے ادا کرنا اُن کے ہزاروں چلّوں سے بہتر ہے ——— ہاں "ذکر و فکر" آدابِ شرعیہ کو ملحوظ رکھ کر کرنا ضرور بہتر اور مہتم بالشان شے ہے ——— علمائے ناعاقبت اندیش بھی ترویجِ نوافل میں کوشش کرتے ہیں اور فرائض کو خراب و ابتر کر ڈالتے ہیں...... وہ ادائے فرائض میں سستی کرتے ہیں بہت کم ایسے ہوں گے جو فرائض کو وقتِ مستحب میں ادا کرتے ہوں ——— وہ تو اصل وقت سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں اور تکثیرِ جماعت کا بھی چنداں اہتمام نہیں کرتے ——— جماعت میں ایک آدھ یا دو آدمیوں پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں بلکہ بسا اوقات تنہا ہی پڑھ لیتے ہیں ——— جب "مقتدایانِ اسلام" یہ معاملہ کریں گے تو عوام کا کیا ٹھکانہ ہے ——— اس قسم کی حرکات سے اسلام میں ضعف آ رہا ہے اور اس کردار کی ظلمت سے خواہشات و بدعات کا ظہور ہو رہا ہے

اندکے پیشِ تو گفتم غمِ دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

علاوہ ازیں ادائے نوافل سے "قربِ ظل" میسر ہوتا ہے اور ادائے فرائض سے ایسا قربِ اصل ملتا ہے جس میں "شائبۂ ظلیت" نہیں ——— البتہ جو نوافل برائے تکمیلِ فرائض ادا کئے جاتے ہیں وہ قربِ اصل کے معاون اور ملحقاتِ فرائض سے ہیں ——— (خلاصۂ کلام یہ ہے کہ) ادائے فرائض مناسبِ عالم خلق ہے جس کا رُخ "اصل" کی طرف ہے اور ادائے نوافل، مناسبِ عالم امر ہے جس کا چہرہ ظل کی طرف ہے ———

ہر چند تمام فرائض قربِ اصل کا فائدہ دیتے ہیں، لیکن ان میں افضل و اکمل نماز ہے ———

نماز، مومن کے لئے ذریعۂ ترقی ہے اور اس کے بارے میں حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ نماز کی حالت میں بندہ اپنے رب سے بہت قریب ہوتا ہے .... نماز، سیئات کو دور کرتی ہے۔ نماز، فحش اور بے حیائی سے منع کرتی ہے نماز وہ ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی راحت اس میں تلاش فرماتے ہیں، نماز کو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) دین کا ستون قرار دیا ہے ـــــ نماز (از روئے ارشادِ رسولؐ) کفر و اسلام میں فرق کرنے والی شے ہے .... نورِ سنت کو ظلماتِ بدعت نے (اس وقت) مستور کر رکھا ہے اور " رونقِ ملتِ مصطفویہ" کو "کدوراتِ امورِ محدثہ" نے ضائع کر دیا ہے ـــــ تعجب کی بات یہ ہے کہ (مسلمانوں کی) ایک جماعت ان بدعات کو اُمورِ مستحسنہ میں سے سمجھتی اور حسنات شمار کرتی ہے نیز تکمیلِ دین ان بدعات کے ذریعے ڈھونڈھ رہی ہے اور ان امورِ بدعت کو ادا کرنے کی ترغیب دے رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو صراطِ مستقیم کی ہدایت کرے ـــــ اس جماعت کو شاید معلوم نہیں کہ دین تو ان بدعات کے ظہور سے پہلے ہی کامل ہو چکا، نعمتِ خداوندی تمام ہو چکی اور دینِ اسلام کو حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہو گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ـــــ (میں نے تمہارے لئے دین کامل کر دیا، تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری کر دی اور پسند کیا میں نے تمہارے لئے اسلام کو دین) پس، کمالِ دین ان بدعات میں تلاش کرنا فی الحقیقۃ آیتِ مذکورہ کے مقتضیٰ کا انکار کرنا ہے۔

اند کے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(یہ بھی واضح رہے کہ) علماءِ مجتہدین نے فقط احکامِ دین کا اظہار فرمایا ہے نہ کہ اُن باتوں کا اختراع جو دین میں نہیں ہیں ـــ پس احکامِ اجتہادیہ، اُمورِ بدعت میں سے نہ ہوں گے بلکہ اصولِ دین میں سے ہوں گے اسلئے کہ "قیاس" [۵] اصلِ چہارم ہے۔

---

[۵] بنیادیں ـــــ احکامِ شرعیہ کی چار بنیادیں ہیں۔ کتاب اللہ[۱]، سنت رسول اللہ[۲]، اجماع[۳]، قیاس و اجتہاد[۴]

مکتوب (۲۶۱) ——— میر محمد نعمانؒ کے نام

(فضائل نماز اور امت کے کمالاتِ مخصوصہ کے بیان میں)

بعد الحمد و الصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات ——— عزیز مکرم کو واضح ہو کہ دین کے ارکانِ پنجگانہ میں سے نماز، رکنِ دوم اور جامع عبادات ہے ——— نماز ایسا جز ہے جو اپنی جامعیت کی بنا پر حکمِ کل رکھتا ہے ——— نماز تمام ایسے اعمال پر فوقیت رکھتی ہے جو حق تعالےٰ سے قریب کرنے والے ہیں ——— وہ دولتِ دیدار جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج میں بہشت کے اندر حاصل ہوئی تھی دنیا میں واپس آنے کے بعد وہ دولت اس عالم کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں میسر ہوتی تھی .... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ بندہ نماز میں اپنے رب سے بہت قریب ہوتا ہے ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل متبعین کو نماز میں اس جہان کے اندر اس دولت سے حظِ وافر اور نصیب کامل، حاصل ہوتا ہے ——— اگرچہ دیدار حاصل نہ ہو اس لئے کہ یہ جہان دیدارِ خداوندی کے لائق نہیں ہے ——— نماز، "لذت بخش غمگساران" ہے ——— نماز، "راحت دہ بیماران" ہے ——— اَرِحنی یا بلال (اے بلال! اذان کہہ کر میری راحت کا سامان کر دو"۔ حدیث) اسی نماز کا ایک رمز ہے ——— اور قُرّۃُ عینی فی الصلوٰۃ اسی مجسم آرزو (نماز) کی طرف ایک اشارہ ہے ———

اذواق و مواجید، علوم و معارف، احوال و مقامات، انوار و الوان، بیقراریاں اور تسلیاں، تجلیات باکیف اور تجلیات بے کیف، ظہورات گوناگوں اور ظہورات بے رنگ جو کچھ بھی بیرون نماز میسر آتے ہیں اور حقیقت نماز کی آگاہی کے بغیر ظاہر ہوتے ہیں ان کی حقیقت سایے سے زیادہ نہیں ہے بلکہ وہ وہم و خیال کی پیداوار ہیں ———

وہ نمازی جو حقیقتِ نماز سے آگاہ ہے وقتِ ادائے نماز گویا اس جہان سے باہر ہو کر عالمِ اخروی میں داخل ہو جاتا ہے ——— یقیناً وہ اس وقت میں اس دولت سے حصہ حاصل کر لیتا ہے جو آخرت کے لئے مخصوص ہے اور "اصل" سے "بے شائبۂ ظلیت" بہرہ مند ہو جاتا ہے ——— اس لئے کہ دنیا کمالاتِ ظلی تک محدود ہے اور وہ معاملہ جو بیرونِ ظل ہے آخرت کے ساتھ خاص ہے .... یہ دولت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کی تابعداری میں .... اس کمال سے

مشرف اور اس سعادت سے سعادت مند ہوئی ــــ اے اللہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف سے وہ جزا عطا فرما جس کے وہ مستحق ہیں اور وہ جزا عطا فرما جو ہر نبی کی جزا سے جو اس کو اپنی امت کی طرف سے ملے ــــ بہتر ہو ــــ اور تمام انبیاء کو جزائے خیر عطا فرما اس لئے کہ انبیاء سب کے سب اللہ کی مخلوق کو اللہ کی طرف دعوت دینے والے اور اللہ کی لقاء کی جانب رہنمائی کرنے والے ہیں ــــ صوفیاء کی جس جماعت کو حقیقت نماز سے آگاہ نہیں کیا گیا اور نماز کے کمالات مخصوصہ سے اطلاع نہیں بخشی گئی، انھوں نے اپنے امراض کا علاج نماز کے علاوہ دوسرے امور میں تلاش کیا اور اپنی مرادوں کے حصول کو دوسری اشیاء کے ساتھ وابستہ کر دیا۔

مکتوب (۲۶۳) ــ تاج العارفین[ل] شیخ تاج الدین سنبھلیؒ کے نام ــــ

(دربیان معارف متعلق بہ کعبۂ معظمہ و فضائل صلوٰۃ)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ــــ آپکے "قدوم مسرت لزوم" کی خبر نے "محبان مشتاق" کو فرحت فراواں بخشی ــــ الحمد للہ۔

انصاف بدہ اے فلکِ مینا فام ۔۔۔ تا زیں دو کدام خوبتر کرد خرام؟
خورشید جہاں تابِ تو از جانبِ مشرق ۔۔۔ یا ماہ جہاں گردِ من از جانبِ شام؟

(اے فلک نیلگوں انصاف سے کہنا کہ تیرے مہر جہاں تاب کا خرام، جانب شرق سے بجانب غرب، خوبتر ہے یا میرے ماہ جہاں گرد (شیخ تاج الدین) کا خرام جانب شام سے بجانب ہندوستان بہتر ہے۔)

جب آپ ہندوستان تشریف لے آئے ہیں تو جلد (ہمارے پاس بھی) تشریف لے آئیں ہم آپکی آمد کے مشتاق و منتظر ہیں اور (آپ کی زبانی) بیت اللہ شریف کی خبریں سننے کی آرزو رکھتے ہیں۔

[ل] تاج العارفین شیخ تاج الدین بن زکریا بن سلطان عثمانی نقشبندی حنفی سنبھلیؒ مہاجر مکہ ــــ شہر سنبھل ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ بعد تحصیل علم حضرت خواجہ اللہ بخش گڈھ مکتیشریؒ سے بیعت ہوئے، اور مدتوں ان کی خدمت میں رہ کر ان کے خلیفہ مجاز ہوئے ــــ بعد وفات حضرت گڈھ مکتیشریؒ آپ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خدمت اقدس میں لاہور پہونچے اور ان کے یہاں سلسلہ نقشبندیہ (باقی ص۱۹ پر)

فقیر کے نزدیک جس طرح کعبۂ ربانی کی صورت ظاہر تمام خلائق (بشر و ملک) کی صورتوں کے لئے مسجود الیہا ہے (یعنی صورتِ کعبہ کو تمام مخلوقات اپنے سجدے کی سمت بحسب ظاہر بناتی ہے) اسی طرح کعبۂ شریف کی حقیقت بھی تمام مخلوقات کی حقیقت کا مسجود الیہا ہے ـــ یقیناً حقیقتِ کعبہ تمام حقائق پر فوقیت رکھتی ہے اور حقیقتِ کعبہ کے کمالاتِ متعلقہ تمام حقائق کے کمالاتِ متعلقہ سے فائق ہیں۔ گویا کہ حقیقتِ کعبہ، حقائقِ کائنات اور حقائقِ الٰہی کے درمیان، برزخی حالت رکھتی ہے ـــ حقائقِ الٰہی سے میری مراد پردہ ہائے عظمت و کبریائی ہیں کیونکہ کوئی رنگ و کیف "حق سبحانہ کے دامانِ قدس" تک نہیں پہونچتا اور کوئی ظلیت اس تک راستہ نہیں پاتی ـــ عروجات و ظہوراتِ دُنیوی کی انتہا بس حقائقِ کائنات تک ہے ـــ حقائقِ الٰہی سے کوئی حصہ ملنا آخرت کے ساتھ مخصوص ہے، مگر نماز میں کہ وہ معراجِ مومن ہے اور اس میں (وقتی طور پر) گویا دُنیا سے آخرت میں چلا جانا ہوتا ہے، آخرت میں جو نصیب ہوگا اس کا کچھ حصہ نماز میں میسر ہو جاتا ہے ـــ میں سمجھتا ہوں کہ اس دولت کے حصول میں عمدہ شے نمازی کا نماز میں جہتِ کعبہ کی طرف متوجہ ہونا ہے ـــ کیونکہ جہتِ کعبہ "ظہوراتِ حقائقِ الٰہی" کا مقام ہے ـــ پس کعبۂ دُنیا

(بقیہ حاشیہ ص۱۸) کا سلوک طے کیا بالآخر حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے بھی خلافت حاصل کی، آپ مسلسل دس سال تک حضرت خواجہ دہلویؒ کی خدمت میں رہے۔ سنہ ۱۰۱۲ھ میں حضرت دہلویؒ کا وصال ہوا۔ آپ انتہائی غمگین ہوئے اور سیاحت کی طرف متوجہ ہو گئے، بلادِ ہند کے علاوہ، عراق اور عرب وغیرہ کی سیاحت کی، آخر میں مکہ معظمہ میں اقامت گزیں ہو گئے تھے، بصرہ، یمن، احسا، نجد اور حجاز میں آپ نے طریقۂ نقشبندیہ کو پھیلایا۔ ابن فضل اللہ محبی نے خلاصۃ الاثر میں آپ کا ذکر کیا ہے اور ان اکابر کے اسماء لکھے ہیں جنھوں نے آپ سے فیض اٹھایا، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے متعدد مقامات پر آپ کا تذکرہ فرمایا ہے اور آپ کی قبر کی زیارت کی ہے اور اہل مکہ کی زبانی آپکے فضائل کا ذکر سنا ہے۔ ۲۹ جمادی الاولیٰ [illegible]ھ کو مکہ معظمہ میں انتقال ہوا۔ ۲۹ جمادی الاولیٰ کو حرم شریف کے نزدیک اپنی رباط میں جو غالباً کوہِ قعیقعان پر تھی مدفون ہوئے ـــ احقر کا ایک مفصل مقالہ جو آپ کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے غالباً سنہ [illegible]ھ میں الفرقان کے کسی نمبر میں شائع ہو چکا ہے۔ دوسرا مقالہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (اردو) لاہور میں شائع ہوا ہے جس میں آپ کے حالات اور اہم واقعات درج کر دیئے ہیں۔

میں عجیب ترین جگہ ہے۔ ظاہر دنیا سے ہے اور حقیقت میں آخرت سے تعلق رکھتا ہے۔ نماز نے بھی کچھ کے تعلق سے یہی حیثیت پیدا کرلی ہے ــــ نماز بھی صورت و حقیقت میں جامع دنیا و آخرت ہو گئی ہے۔ یہ امر پایۂ تحقیق کو پہونچ گیا ہے کہ جو حالت ادائے نماز کے وقت میسر ہوتی ہے وہ ان تمام حالات سے اونچی ہے جو بیرونِ نماز حاصل ہوتے ہیں ــــ اس لئے کہ بیرونِ نماز والے حالات "دائرۂ ظل" سے باہر نہیں نکلتے ہرچند کہ وہ حالات بلند ہوں ــــ اور نماز والی کیفیت و حالت "اصل" سے حصہ رکھتی ہے اور جس قدر فرق، ظل و اصل میں ہے اسی قدر فرق، بیرونِ نماز والی حالت اور اندرونِ نماز والی حالت میں سمجھنا چاہئے ــــ اس فقیر کو دکھایا گیا ہے کہ جو حالت، اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بوقت موت ظاہر ہوگی وہ حالتِ نماز سے بھی اونچی ہوگی اس لئے کہ موت، احوالِ آخرت کے مقدمات میں سے ہے اور جو چیز آخرت سے قریب ہے وہ اتم واکمل ہے اسلئے کہ دنیا میں ظہورِ صورت ہے اور آخرت میں ظہورِ حقیقت ہے اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے ــــ ایسی ہی وہ حالت جو بکرمِ الٰہی "برزخ صغریٰ" (قبر) میں میسر ہوگی وہ اس حالت سے بڑھ کر ہوگی جو بوقت موت ہوتی ہے یہی نسبت "برزخ کبریٰ" (قیامت) برزخ صغریٰ سے رکھتی ہے اس لئے کہ برزخ کبریٰ کا "مشہود" اتم واکمل ہے ــــ اور جنت کے مشہود، برزخ کبریٰ کے مشہود کی بہ نسبت، اتمیت اور اکملیت رکھتے ہیں........ دنیا ظہور کا محل بالکل نہیں ہے۔ دنیا کے ساتھ جو "ظہوراتِ ظلال" اور "نمودِ امثال" مخصوص ہیں وہ فقیر کے نزدیک امورِ دنیویہ میں سے ہیں اور فی الحقیقت داخلِ دائرۂ امکان ہیں ــــ ان ظہوراتِ دنیا کا کچھ بھی نام رکھ لیں خواہ تجلیاتِ صفات، خواہ تجلیاتِ ذات، اللہ تعالیٰ ان سے وراء الوراء ہے ــــ فقیر جب دنیا پر نظر کرتا ہے تو تمام محض خالی پاتا ہے، خوشبوئے مطلوب اس مقام سے مشامِ جاں میں نہیں آتی، زیادہ سے زیادہ یہ دنیا مزرعۂ آخرت ہے ــــ یہاں مطلوب کو ڈھونڈھنا اپنے آپ کو پریشان کرنا ہے یا غیر مطلوب کو مطلوب سمجھ بیٹھنا ہے ــــ چنانچہ اکثر لوگ اسی (دھوکے) میں گرفتار ہیں اور خواب و خیال سے تسلی پا رہے ہیں ــــ بلاشک نماز ــــ دنیا میں ایسی شے ہے جو اصل کی خبر دے رہی ہے اور خوشبوئے مطلوب بہم پہونچاتی ہے......

....

مکتوب (۲۶۵) ـــــ شیخ عبد الہادی بدایونیؒ[1] کے نام ـــــ

(بیان حقوق)

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات ـــــ تمہارا مکتوب مرغوب پہونچا بہت خوشی ہوئی ـــــ اللہ کا شکر ہے کہ ایام مفارقت کی درازی نے محبت واخلاص پر کوئی اثر نہیں ڈالا (محبت واخلاص بدستور سابق ہے) اسکے باوجود بھی اگر یہاں (سرہند) آجاؤ تو زیادہ مناسب ہے ـــــ لیکن اللہ جو کرے اس میں خیر ہے ـــــ تم نے آرزوئے گوشہ نشینی ظاہر کی ہے ـ اچھی بات ہے ـ گر یہ ملحوظ رہے کہ "حقوق مسلمانان" ہاتھ سے نہ جانے پائیں ـــــ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ـــــ حق المسلم علی المسلم خمس، ردّ السلام وعیادۃ المریض واتباع الجنائز واجابۃ الدعوۃ وتشمیت العاطس ـــــ [ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر یہ پانچ حق بھی ہیں (۱) سلام کا جواب دینا (۲) مریض کی عیادت کرنا (۳) جنازوں کے ساتھ جانا (۴) دعوت کو قبول کرنا (۵) چھینکنے والے کے الحمد للہ کہنے پر یرحمک اللہ کہنا]

دعوت کے قبول کرنے کی چند شرائط ہیں جو احیاء العلوم میں مرقوم ہیں اور وہ یہ ہیں ـــــ اس دعوت کو قبول نہ کیا جائے جس میں شبہے کا کھانا ہو یا دعوت کی جگہ یا وہاں کا فرش غیر حلال ہو یا اس جگہ کوئی خلاف شریعت چیز ہو مثلاً ریشمی فرش ہے یا چاندی کے برتن ہیں یا کسی جاندار کی تصویر چھت پہ

---

[1] آپ بدایوں کے فاروقی النسب بزرگ ہیں۔ آپ بھی حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے ان مریدوں میں سے ہیں جن کی تربیت باطنی بحکم حضرت خواجہ باقی باللہ حضرت مجدد الف ثانی کے سپرد تھی، حضرت مجددؒ نے اپنے پیر ومرشد کو جو مکاتیب تحریر فرمائے ہیں ان میں منجملہ دیگر مسترشدین کی ترقیات کے آپ کی ترقی کا بھی ذکر ہے۔ مدت تک حضرت مجددؒ کی خدمت بابرکت میں رہنے کے بعد تعلیم طریقت کی اجازت سے ممتاز ہوئے، آپ حضرت مجددؒ کے قدیم خلفاء میں سے ہیں ـــــ آپ کا وصال ۹ شعبان المعظم ۱۰۵۳ھ کو بدایوں میں ہوا، وہاں پر مزار شریف خرم شاہ کے تکیے میں ہے۔

[زبدۃ المقامات، تذکرۃ الواصلین مولفہ بسمل صدیقی بدایونی، آثار اولیائے شہر بدایوں مولفہ سید منظور علی بدایونی۔

یا دیوار پر لگی ہوئی ہے یا مزامیر بجائے جا رہے ہیں یا کسی لہو ولعب اور مذاق میں لوگ مشغول ہیں یا غیبت چغل خوری، جھوٹ اور بہتان اور دیگر خرافات ہو رہے ہیں ——— یہ سب امور وہ ہیں جو دعوت قبول کرنے کو منع کرتے ہیں اور دعوت کے استحباب کے مانع نیز موجب تحریم وکراہت ہیں اسی طرح جب کہ دعوت کرنے والا ظالم، بدعتی، یا فاسق یا شریر یا بیجا تکلف اور فخر ومباہات کرنے والا ہو ———

شرعۃ الاسلام میں ہے کہ ایسے طعام کو قبول نہ کیا جائے جو دکھاوے اور ریا کے لئے تیار کیا گیا ہو ——— محیط میں ہے کہ ایسے دسترخوان پر بیٹھنا جائز نہیں جس پر لہو ولعب اور گانا بجانا ہو رہا ہو یا ایسی قوم بیٹھی ہو جو غیبت کر رہی ہے یا شراب پی رہی ہے ——— مطالب المؤمنین میں لکھا ہے کہ اگر یہ مذکورہ رکاوٹیں نہ ہوں تو دعوت کو قبول کر لینا چاہیئے ——— اگرچہ اس زمانے میں ان رکاوٹوں کا مفقود ہونا دشوار ہے ——— اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ عزلت وگوشہ نشینی اغیار سے ہوا کرتی ہے نہ کہ دوستوں سے

ع۔ عزلت از اغیار باید نے ز یار

...... عیادت مریض سنت ہے اگر اس مریض کی کوئی شخص خبر گیری اور تیمارداری کر رہا ہو ——— اور اگر کوئی اس مریض کا خبر گیر وتیماردار نہیں ہے تو پھر اسکی عیادت واجب ہے ——— چنانچہ حاشیہ مشکوٰۃ میں (مرقاۃ کے حوالے سے) یہی لکھا ہے ——— نماز جنازہ میں حاضر ہونا چاہیئے اور کم از کم چند قدم ہی جنازے کے پیچھے چلنا چاہیئے کہ حق میت (کچھ نہ کچھ) ادا ہو جائے ——— اور جمعہ وجماعت پنجگانہ اور نماز عیدین میں حاضر ہونا ضروریات اسلام سے ہے اسکے بغیر چارہ کار نہیں، باقی اوقات کو "تبتل وانقطاع" (گوشۂ عزلت) میں (جی چاہے تو) گزاریں ——— لیکن سب سے پہلے تصحیح نیت کر لیں، گوشہ نشینی کو کسی غرض دنیاوی کے لئے اختیار نہ کریا۔ ذکر الٰہی کے ذریعے جمعیت باطن حاصل کرنے اور لاطائل باتوں سے بچنے کے علاوہ گوشہ نشینی کا کوئی دوسرا مقصد نہ ہو۔ تصحیح نیت کرنے میں خوب اچھی طرح احتیاط سے کام لیں ایسا نہ ہو کہ کوئی غرض نفسانی گوشہ نشینی کے ضمن میں پوشیدہ ہو ——— تصحیح نیت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے التجا اور تضرع وزاری بہت کچھ کریں اور عجز وانکسار کو بھی عمل میں لائیں شاید کہ حقیقت نیت میسر ہو جائے...... باقی حالات کو ملاقات پر موقوف رکھا ہے۔ والسلام

اقامتِ دین اور اُسوۂ انبیاء علیہم السلام

(مولانا امین احسن اصلاحی)

[مولانا اصلاحی کا یہ مضمون موصوف کے موقر ماہنامہ میثاق سے نقل کیا جا رہا ہے۔ اس میں مولانا نے اس مسئلہ کی وضاحت کی ہے کہ اقامت دین کا کام سیاسی اقتدار کی جد وجہد کے ذریعہ انجام پا سکتا ہے یا نہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام اور اہل سیاست کے مزاج اور طریق کار میں کیا فرق ہے۔ یہ مضمون اس اعتبار سے ایک خاص وزن رکھتا ہے کہ مقالہ نگار نے اس حقیقت کو تجربات کے میدان میں سمجھا ہے۔ ہم نے اس مضمون کے وہ ایسے پیرے حذف کر دئے ہیں جن میں مقالہ نگار کے اپنے ماحول کی طرف کچھ مخصوص اشارات پائے جاتے تھے۔ لیکن اس سے مضمون کا نہ کوئی اصل جزء کم ہوا ہے، نہ اسکے تسلسل پر کوئی اثر پڑا ہے۔ ادارہ]

سب سے پہلی چیز جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے طریقہ کار کو دوسروں سے اور ان کے طریقہ کار سے الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء جن باتوں کے داعی بن کر اٹھتے ہیں ان کے سب سے بڑے عملی مظہر وہ خود ہوتے ہیں۔ وہ جن نیکیوں کے مبلغ ہوتے ہیں اگر دوسروں سے ان پر پاؤ سیر عمل کا مطالبہ کرتے ہیں تو خود ان پر پورا سیر بھر عمل کرتے ہیں، اسی طرح جن برائیوں سے وہ لوگ کو بچنے کی تلقین کرتے ہیں، انکے بارے میں وہ دوسروں سے اگر صرف یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان سے احتراز کریں تو اپنے لئے ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کی پرچھائیں بھی ان پر نہ پڑنے پائے۔ برعکس اسکے اہل سیاست کا عام طریقہ سیدنا مسیح علیہ السلام کے بقول یہ ہوتا ہے کہ جس بوجھ کے اٹھانے میں وہ اپنی انگلی کا بھی سہارا نہیں دینا چاہتے اسکو وہ پورا کا پورا دوسروں کی کمر پر لاد دیتے ہیں۔ قرآن مجید نے علمائے یہود کے بارے میں فرمایا ہے کہ تم دوسروں کو تو نیکی کا درس دیتے ہو لیکن خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ اسی طرح اہل سیاست جن باتوں سے خود کوسوں دور ہوتے ہیں ان کی منادی وہ اپنی ہر تحریر اور ہر تقریر میں کرتے پھرتے ہیں۔ وہ اپنے قول ہی کو عمل کا قائم مقام سمجھتے ہیں اور محض زبان کے جھاگ سے وہ ثمرات ونتائج

حاصل کرنا چاہتے ہیں جو تاریخ خون اور پسینہ ایک کر دینے سے حاصل ہوتے ہیں اور جن کے لئے آدمی کو اپنے ایک ایک مِن موکو گواہ بنانا پڑتا ہے، آپ اگر ایمان داری سے اپنے حالات کا جائزہ لیں گے تو ہماری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ ہماری قوم کو ایک مدت دراز سے ایسے ہی طبیبوں سے سابقہ ہے جو سو مریضوں کے مریض ہونے کے باوجود قوم کے علاج کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور جو اپنی آنکھوں میں بڑے بڑے شہتیر چھپائے رکھنے کے باوجود دوسروں کی آنکھوں کے تنکے تلاش کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں ـــــ ایسے طبیبوں کی سعی علاج کا جو نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے وہ معلوم ہے۔

دوسری چیز جو حضرات انبیاء کے طریقہ کو دوسروں کے طریقہ سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء سیاسی اقتدار کے حصول پر اصلاح معاشرہ کے کام کو منحصر نہیں قرار دیتے بلکہ معاشرہ کی اصلاح کو نظام سیاسی کی اصلاح کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ان کے طریقہ کار میں اصل اہمیت جس چیز کو حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کے دل و دماغ اور اعمال و اخلاق تبدیل ہوں اور برائی سے لڑنے اور بھلائی کو قائم کرنے کے لئے ان کے ضمیر پوری طرح بیدار ہو جائیں۔ یہ بیداری پیدا کرنے کے لئے وہ جد و جہد کرتے ہیں اور یہ جد و جہد وہ مسلسل جاری رکھتے ہیں یہاں تک کہ دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ظاہر ہو کر رہی ہے یا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششوں سے ایک صالح معاشرہ کھڑا کر دیا ہے اور اس معاشرہ کے ہاتھوں ایک صالح نظام قائم ہو گیا ہے یا اسی مقدس کام میں ان کی زندگیاں ختم ہو گئی ہیں اور چند نفوس کے سوا کسی نے بھی ان کا ساتھ نہیں دیا ہے۔ حضرات انبیاء کی زندگیوں میں ان دونوں ہی چیزوں کی مثالیں ملتی ہیں اور اس دوسری چیز کی مثالیں کم نہیں بلکہ پہلی چیز کے مقابل میں کچھ زیادہ ہی ملتی ہیں لیکن کسی ایک نبی کی زندگی میں بھی اس بات کی مثال نہیں ملتی کہ اس نے معاشرہ کی اصلاح کو نظام کی اصلاح کا ذریعہ بنانے کے بجائے اس مقصد کے لئے دعوت شروع کر دی ہو کہ پہلے جس طرح بنے اقتدار پر قبضہ کر و اور پھر اس اقتدار کو اصلاح معاشرہ کا ذریعہ بناؤ۔

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر اسلامی نظام کا قیام معاشرہ کی اصلاح ہی پر منحصر ہے

ورا سکے لئے اہل سیاست کے سے طریقے نہیں اختیار کئے جاسکتے تو پھر یہ بیل کبھی منڈھے نہیں چڑھ سکتی۔ انکے یال میں یہ طریقہ کار اتنی طویل مدت چاہتا ہے کہ جب تک معاشرہ کی اصلاح ہوگی اس وقت تک وخرابیاں آج پا دسیر ہیں موجودہ نظام کے زیر سایہ پرورش پاکر من سیر ہو جائیں گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ آج ر اسلام کا نام لینے کا موقع ہے کل یہ نام لینے کا بھی امکان نہیں باقی رہے گا۔ یہ بات بہت سے لوگوں و دھوکے میں ڈالے ہوئے ہے لیکن ہمارے خیال میں اس میں کئی مغالطے چھپے ہوئے ہیں۔

اس میں پہلا مغالطہ تو یہ ہے کہ یہ حضرات اس بات کو محسوس نہیں کرتے کہ اگر ایک صحیح کام صحیح طریقہ نے میں بہت دیر لگنے کا اندیشہ ہے تو اسکی تلافی کا یہ کونسا دانشمندانہ طریقہ ہے کہ ایک غلط کام بالکل غلط ریقہ ہی پر کر ڈالا جائے۔ غلط کام بہرحال غلط ہے، وہ اس وجہ سے صحیح نہیں بن جائے گا کہ وہ جلدی سے انجام پاجاتا ہے۔ ہر کام کی ایک مخصوص فطرت ہوتی ہے اور وہ نتیجہ خیز اسی صورت میں ہوتا ہے جب سکو اسکے مخصوص ڈھب پر انجام دیا جائے۔ اگرچہ اس میں کتنا ہی وقت لگے۔

دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ بعض لوگ زبان کے پھاگ اور عمل کے جہاد میں اثرات ونتائج کے لحاظ سے فرق ہے اس کو نہیں سمجھتے۔ اگر اسلامی نظام کا دعویٰ محض زبان اور قلم پر ہو، عملی زندگی اسلام کے حقیقی ماں میں رنگی ہوئی نہ ہو تو اسلامی نظام تاقیامت قائم نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ آپ کو سیاسی اقتدار حاصل ا کیوں نہ ہو جائے۔ سیاسی اقتدار دنیا میں اسلام کے بہت سے مدعیوں کو حاصل ہوا لیکن اسلام کے لئے ہ اگر کچھ مفید ہوا تو اسی شکل میں ہوا جب اقتدار والوں کی عملی زندگیوں میں اسلام کا کچھ اثر رہا۔ برخلاف کے ہم نے اپنی آنکھوں سے ایسے اشخاص دیکھے ہیں جنھوں نے چند سالوں کے اندر اندر معاشرہ کے معاشرہ اپنے رنگ میں رنگ ڈالا اور ملکوں اور قوموں کی قسمتیں بدل دیں حالانکہ جب انھوں نے یہ کام کئے ن کو سیاسی اقتدار حاصل نہیں تھا۔ اگر ان کو کوئی چیز حاصل تھی تو صرف یہ تھی کہ وہ اپنے اصولوں، پنے نظریات اور اپنے دعاوی کے فی الواقع عملی مظہر تھے اگرچہ ہمارے نزدیک ان کے بہت سے نظریات ح نہیں تھے لیکن کردار کا جادو وہ چیز ہے کہ بسا اوقات یہ کنجشک فرومایہ کو بھی عقاب وشاہین کی رت بخش دیتا ہے۔

تیسرا مغالطہ یہ ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر اقتدار پر قبضہ کر کے برائی کے پھیلانے والے طاقت ور

ہاتھوں کو معطل نہ کر دیا جائے تو بھلائی کے پھیلانے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ جاتا۔ ہمارے نزدیک یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کسی معاشرہ میں بُرائی کے پھیلنے کی اصل وجہ یہ نہیں ہوتی ہے کہ برائی پھیلانے والے ہاتھ بڑے زور دار اور موثر ہیں بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہوا کرتی ہے کہ ان برائیوں کی برائی سے لوگوں کو آگاہ کرنے والے یا تو موجود ہی نہیں ہوتے، یا موجود تو ہوتے ہیں لیکن ان میں اخلاص، دل سوزی دردمندی اور عزیمت نہیں ہوتی۔ اگر کسی معاشرہ کے اندر معاشرہ کا سچا درد رکھنے والے، برائیوں پر تڑپ جانے والے علم و دلیل کے ساتھ بات کرنے والے اور ہر برائی کے مقابل میں صداقت و عزیمت کے ساتھ ڈٹ جانے والے موجود ہوں تو وہ کسی سیاسی طاقت کے بغیر برائی کے طاقتور سے طاقتور ہاتھوں کو بھی معطل کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ایسے مردان حق کے سامنے برائی خواہ کتنے ہی زور اور دبدبہ کے ساتھ آئے لیکن وہ بھلائی کو مغلوب کرنے کے بجائے خود اپنے آپ کو عریاں کرتی ہے اور بالآخر اسے میدان سے پسپا ہونا پڑتا ہے۔ اسکے خلاف اگر کوئی شہادت ہمیں ملتی ہے تو صرف ایسے معاشرہ کے اندر ملتی ہے جس کا فساد اس قدر بڑھ چکا ہو کہ قدرت کی طرف سے اسکے لئے ہلاکت مقدر ہو چکی ہو۔ ورنہ معاشرہ کے اندر اگر زندگی کی کوئی رمق باقی ہے تو صحیح طور پر کام کرنے والوں نے ان مظالم کو بھی حق کے لئے غذا بنا دیا ہے جو طاقت ور ہاتھوں نے باطل کی حمایت میں کئے ہیں۔ تنور میں آگ زور دار ہو تو گیلی لکڑی بھی اس کو بجھانے کے بجائے اسکے لئے ایندھن کا کام دے جاتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کار کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ انکی مخالفت و موافقت جو کچھ بھی ہوتی ہے وہ لِلّٰہ وفی اللّٰہ ہوتی ہے۔ وہ حق کے ساتھی ہیں خواہ وہ انکے دشمن ہی کے اندر پایا جائے۔ اور باطل کے وہ مخالف ہوتے ہیں اگرچہ وہ انکے کسی ہوا خواہ کے اندر ہی کیوں نہ پایا جائے۔ انہیں کسی خاندان، کسی گروہ، کسی پارٹی اور کسی قوم سے محض اسکے ایک مخصوص گروہ یا خاندان یا پارٹی ہونے کے سبب سے نہ دشمنی ہوئی اور نہ دوستی۔ دشمنی اور دوستی جو کچھ انھیں ہوتی ہے اصول و عقائد اور اعمال و اخلاق کی بنا پر ہوتی ہے، وہ اپنے مخالف کی خوبیوں کا بھی اسی فیاضی کے ساتھ اعتراف کرتے ہیں جس فیاضی کے ساتھ اپنے موافق کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں اور اسی طرح اپنے موافق کی برائیوں پر بھی اسی شدت کے ساتھ نکیر کرتے ہیں جس شدت کے ساتھ اپنے کسی مخالف کی برائیوں پر نکیر کرتے ہیں۔

برعکس اس کے جو لوگ سیاسی طریقوں پر کام کرتے ہیں ان کی دوستی اور دشمنی ان کے گروہی مفاد اور سیاسی مصالح و اغراض پر مبنی ہوتی ہے۔ ان کی تمام جد و جہد کا محور صرف اقتدار ہوتا ہے اس وجہ سے انکی یہ فطرت بن جاتی ہے کہ جو اقتدار سے محروم ہوں وہ اصحاب اقتدار کے اندر کسی خوبی کا اقرار نہ کریں اگرچہ وہ خوبی سورج کی طرح روشن ہو، اور جو اقتدار کی کرسی پر براجمان ہوں وہ اقتدار سے محروم جماعتوں کی کسی خوبی کا اعتراف نہ کریں اگرچہ وہ خوبی اندھوں کو بھی نظر آرہی ہو۔ جس طرح ہم نے آج تک کسی ہڈی کی موجودگی میں دو کتوں کو ایک دوسرے کے لئے انصاف پسند اور خیرخواہ نہیں پایا اسی طرح اقتدار کی استخوان نزاع کی موجودگی میں اقتدار کے حاملین اور اقتدار سے محرومین کو کبھی ایک دوسرے کے لئے خیرخواہ اور انصاف پسند نہیں پایا۔ اختلاف برائے اختلاف ان کا دین ہوتا ہے اور اپنے اس دین کی پیروی وہ بحالت ہوش و حواس اور بہ ثبات عقل و اختیار کرتے ہیں اور اس احمقانہ رویہ کو اپنی سیاسی زندگی کی ایک ایسی ناگزیر ضرورت بتاتے ہیں جس سے انکے نزدیک مفر کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہی ہے۔

۴۔ انبیاء علیہم السلام دنیا میں اللہ کا دین قائم کرنے کے لئے آئے اور اس مقصد کے لئے جس چیز کو انھوں نے ذریعہ اور وسیلہ بنایا وہ تبلیغ و شہادت ہے۔ تبلیغ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دین ان پر اتارا، انھوں نے بغیر کسی کمی بیشی، بغیر کسی دخل و تصرف اور بغیر کسی ردوبدل کے پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ خلق خدا کو پہنچا دیا، نہ اس کے مزاج میں کوئی تغیر ہونے دیا، نہ اس کے مواد میں، نہ اس کی ترتیب میں کوئی تبدیلی پیدا کی، نہ اسکی تدریج میں، وہ اللہ کے دین کے امین تھے، اسکے موجد اور مصنف نہیں تھے۔ اس وجہ سے اپنی ذمہ داری انھوں نے ہر طرح کے حالات میں صرف یہ سمجھی کہ اسکے پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں۔ انھوں نے اس بات کی پروا کبھی نہیں کی کہ اس دین کی تبلیغ حالات و مصالح کے مطابق ہے یا نہیں اور لوگ اس کو رد کریں گے یا قبول کریں گے۔ اگر مصلحت کے پرستاروں کی طرف سے کبھی یہ اصرار کیا گیا کہ فلاں بات میں اگر یہ ترمیم و اصلاح کر دی جائے تو وہ پورے دین کو بخوشی قبول کرلیں گے تو انھوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اپنی جانب سے اس میں کسی ردوبدل کے مجاز نہیں ہیں، جس کا جی چاہے اسکو قبول کرے،

جس کا جی نہ چاہے وہ رد کردے۔

شہادت کا مطلب یہ ہے کہ دل سے، زبان سے، قول سے عمل سے، خلوت سے، جلوت سے، زندگی سے موت سے غرض اپنی ایک ایک ادا سے انھوں نے اسی دین کی گواہی دی جس کے وہ داعی بن کر آئے۔ ان کی زندگی کی کتاب اور ان کی دعوت کی کتاب میں کوئی فرق نہیں ہوا۔ انھوں نے جس چیز سے دوسروں کو روکا اس سے پوری شدت کے ساتھ خود پرہیز کیا، جس چیز کا دوسروں کو حکم دیا اس پر خود پوری قوت وعزیمت کے ساتھ عمل کیا۔ ان کی دعوت اور ان کی زندگی کی یہی مکمل مطابقت درحقیقت ان کی دعوت کی صداقت کی وہ دلیل بنی جس کو ان کے کٹر سے کٹر دشمن بھی جھٹلانے کی جرأت نہ کر سکے۔

اسکے بالکل برعکس معاملہ اہل سیاست کا ہے۔ اہل سیاست، خدا کا دین نہیں قائم کرتے بلکہ تحریک چلاتے ہیں۔ اگر وہ دین کا نام لیتے بھی ہیں تو وہ دین بھی انکی تحریک ہی کا ایک جزو ہوتا ہے۔ اس وجہ سے جس جس وادی میں ان کی تحریک ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے، ان ساری وادیوں میں ان کا دین بھی بھٹکتا پھرتا ہے۔ ایک تحریک کے لئے تبلیغ اور شہادت کے معصوم ذریعے بالکل بیکار ہیں اس لئے اہل سیاست کا سارا اعتماد اپنے مقصد کی کامیابی کی راہ میں پروپیگنڈے پر ہوتا ہے۔ پروپیگنڈا اور تبلیغ میں صرف انگریزی اور عربی ہی کا فرق نہیں ہے بلکہ روح اور جوہر کا بھی فرق ہے۔ تبلیغ تو، جیسا کہ واضح ہو چکا ہے صرف اللہ کے دین کو پورا پورا پہنچا دینا ہے لیکن پروپیگنڈے کا مقصود پیش نظر تحریک کو کامیاب بنانا ہوتا ہے۔ یہ کامیابی جس طرح بھی حاصل ہو۔ پروپیگنڈا ایک مستقل فن ہے جس کو زمانہ حال کی سیاسی تحریکات نے جنم دیا ہے اور اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ان تمام اخلاقی حدود وقیود سے بالکل آزاد ہوتا ہے جن کی پابندی حضرات انبیاء علیہم السلام نے اپنے اقامت دین کے کاموں میں واجب ٹھہرائی ہے۔

مناسب ہوگا کہ ہم مختصر طور پر یہاں پروپیگنڈے کی چند خصوصیات کی طرف بھی اشارہ کردیں تاکہ

سیاسی تحریکات کے اس سب سے بڑے وسیلہ کار اور تبلیغ کے درمیان جو فرق ہے وہ واضح ہو کر سامنے آجائے۔

پروپیگنڈے کے اجزائے ترکیبی پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اسکے اندر جزو اکبر کی حیثیت مبالغہ کو حاصل ہوتی ہے۔ بات کا بتنگڑ اور رائی کا پربت بنانا اس کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ کوئی مجمع ۵ سو کا ہوگا تو وہ اسکی بدولت اخبارات کی شاہ سرخیوں میں ۵ ہزار کا بن جائے گا۔ کسی کا استقبال دس آدمی کریں گے۔ تو یہ دس آدمی پروپیگنڈے کی کرشمہ سازی سے ۱۰ ہزار بن جائیں گے۔ کسی بستی یا شہر کے دو چار آدمی اگر کسی مسلک سیاسی کے ساتھ ذرا سی ہمدردی کا بھی اظہار کر دیں گے تو اس مسلک کے حامی اپنے اخبارات و رسائل میں یوں ظاہر کریں گے کہ گویا وہ پورا کا پورا شہر ان کی تائید و حمایت میں دیوانہ وار اٹھ کھڑا ہوا ہے، اگر کسی باہر کے ملک سے تائید و ہمدردی کا ایک کارڈ بھی آجائے گا تو پریس میں اسکی تشہیر یوں ہوگی کہ فلاں ملک کو فلاں تحریک نے بالکل مسخر کر لیا ہے۔ اگر کوئی خدمت حقیقت کی ترازو میں چھٹانک ہوگی تو پروپیگنڈے کی مشینری کا یہ فرض ہے کہ وہ اسکو کم از کم من بھر دکھائے۔ اس جھوٹ اور مبالغہ آرائی کو موجودہ زمانہ میں ہمارے اہل سیاست نے اس طرح اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے کہ اب اسکے برائی ہونے کا شاید لوگوں کے اندر احساس بھی مردہ ہو گیا ہے۔ اس کوچہ میں بدنام تو اکیلا غریب گوئبلز ہے (اور اسکی یہ بدنامی بھی پروپیگنڈے ہی کا کرشمہ ہے) لیکن حقیقت اور انصاف یہ ہے کہ اس سیاست کے حمام میں سب کو گوئبلز ہی کے اسوہ کی پیروی کرنی پڑتی ہے خواہ کوئی شخص دنیا کا نام لیتا ہوا اس میں داخل ہو یا دین کا کلمہ پڑھتا ہوا داخل ہو۔

اس جھوٹ اور مبالغہ ہی کا ایک پہلو یہ ہے کہ اپنے موافق کو مدح و توصیف سے آسمان پر پہنچایا جائے اور جس کو مخالف قرار دے لیا جائے اسکے خلاف اتنے جھوٹ اور اتنی تہمتیں تراشی جائیں کہ وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائے۔ اسلام میں تو مدح و ذم اور تعریف و ہجو دونوں کے لئے نہایت سخت حدود و قیود ہیں اور کوئی شخص دین سے بے قید ہوئے بغیر اپنے آپ کو ان حدود و قیود سے آزاد نہیں کر سکتا، لیکن سیاست میں صرف ایک ہی اصول چلتا ہے، وہ یہ کہ اپنے موافق کو آسمان پر پہنچاؤ اور اپنے مخالف کو تحت الثریٰ میں گراؤ اور اس مقصد کے لئے جس قسم کے جھوٹ اور جس نوع کے افترا کی ضرورت پیش آئے۔ اس کو بے تکلف گھڑو اور بالکل بے خوف

ہوکر اس کو لوگوں میں پھیلاؤ۔ صحیح اسلامی نقطۂ نظر سے یہ بات کتنی ہی بے حیائی اور بے شرمی کی سمجھی جائے لیکن اہل سیاست اپنی تحریکات کی کامیابی کے لئے اس چیز کو ناگزیر خیال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اسی طرح وہ اشخاص اٹھتے ہیں جو تحریک کی گاڑی کو چلاتے ہیں، اور اسی طرح وہ اشخاص گرتے ہیں جو تحریک کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ یہ خفض و رفع کا فلسفہ ایک مستقل فلسفہ ہے جس کے تحت کتنے بے علم ہیں جو مولانا اور علامہ کا مقام حاصل کر لیتے ہیں اور کتنے صاحب علم و تقویٰ ہیں جن کی پگڑیاں اچھلتی رہتی ہیں۔

۵۔ ایک اور چیز جو انبیاء علیہم السّلام کے طریقہ کار کو عام اہل دنیا کے طریقہ ہائے کار سے نمایاں کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی تمام جد و جہد میں مطلوب و مقصود کی حیثیت صرف خدا کی خوشنودی اور آخرت کی کامیابی کو حاصل ہوتی ہے۔ اس چیز کے سوا کوئی اور چیز ان کے پیش نظر نہیں ہوتی اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کی جد و جہد کی کامیابی سے اللہ کے دین کو اور دین کے لئے کام کرنے والوں کو دنیا میں بھی غلبہ اور تفوق حاصل ہوتا ہے، لیکن وہ اس بات کی دعوت کبھی نہیں دیتے کہ آؤ حکومت الٰہیہ قائم کر دیا اقتدار حاصل کرنے کے لئے جد و جہد کرو بلکہ دعوت صرف اللہ کے دین پر چلنے اور اس پر چلانے ہی کی دیتے ہیں۔ اس لئے کہ آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کے لئے خدا کے دین پر چلنا اور اسی پر دوسروں کو بھی چلنے کی دعوت دینا شرط ضروری ہے۔

اسکے برعکس اہل سیاست کی ساری تگ و دو کا مقصود اقتدار کا حصول ہوتا ہے۔ وہ اسی اقتدار کے حصول کے لئے اپنی تنظیم کرتے ہیں اور اسی کے لئے لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ یہ مقصود ایک خالص دنیوی مقصود ہے لیکن بعض لوگ اس پر دین کا ملمع کرکے اس چیز کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ یہ اقتدار اپنے لئے نہیں چاہتے بلکہ خدا کے لئے یا اسکے دین کے لئے چاہتے ہیں۔ جو لوگ معاملہ کو اس شکل میں پیش کرتے ہیں، ضروری نہیں ہے کہ انکی نیتوں پر شبہ کیا جائے۔ ہو سکتا ہو کہ وہ جس اقتدار کے حصول کے لئے جد و جہد کر رہے ہوں وہ خدا ہی کے لئے استعمال کریں لیکن اس سے جد و جہد کا نصب العین بالکل تبدیل ہو جاتا ہے اور اس نصب العین کی تبدیلی کا جد و جہد کی مزاجی خصوصیات پر بڑا اثر پڑتا ہے بلکہ سچ پوچھئے تو نصب العین کی تبدیلی سارے کام ہی کو بالکل درہم برہم کرکے رکھ دیتی ہے۔

ہم جس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ اچھی طرح واضح اس طرح ہوتی ہو کہ اہل سیاست جس دنیوی اقتدار کے حصول کو تمام خیر و فلاح کا ضامن سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ دین کی خدمت کا کوئی کام بھی ان کے نزدیک اس وقت تک انجام ہی نہیں دیا جا سکتا جب تک یہ اقتدار حاصل نہ ہو جائے! اس اقتدار کو انبیاء علیہم السلام نے اس نصب العین کے لیے نہایت خطرناک سمجھا ہو جس کے داعی وہ خود رہے ہیں چنانچہ متعدد احادیث سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہو کہ آپ نے صحابہؓ کو اس بات سے آگاہ فرمایا کہ میں تمھارے لئے فقر و غربت سے نہیں ڈرتا بلکہ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ دنیا کی عزت و ثروت تمھیں حاصل ہوگی اور تم اسکے انہماک میں اصل نصب العین یعنی آخرت کو بھول جاؤگے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ خدا کی قسم میں تمھارے لئے فقر سے نہیں ڈرتا، بلکہ جس بات سے ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ دنیا جس طرح تم سے پہلے والوں کے لئے کھول دی گئی اسی طرح تمھارے لئے بھی کھول دی جائے گی، پھر جس طرح وہ اسکی بھاگ دوڑ میں مبتلا ہو گئے اسی طرح تم بھی اسکے لئے بھاگ دوڑ میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ پھر یقیناً یہ بھی اسی طرح ہلاک کر کے چھوڑے گی جس طرح اس نے تمھارے پہلوں کو ہلاک کر چھوڑا.....

مذکورہ صدر حدیث سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں

مطمح نظر کی حیثیت آخرت کو حاصل ہوتی ہو۔ دنیا کا اقتدار اس نصب العین کے لیے مفید بھی ہو سکتا ہو اور مضر بھی بلکہ مضر ہونا زیادہ اقرب ہو! اس وجہ سے جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے طریقہ پر کام کرتے ہیں وہ اس اقتدار کو بھی خدا کی ایک بہت بڑی آزمائش سمجھتے ہیں اور ان کی کوشش یہ ہوتی ہو کہ جس طرح غربت اور فقر کے دور میں انھیں آخرت کے لیے کام کرنے کی توفیق حاصل ہوتی ہو اسی طرح امارت و سیادت کے دور میں بھی اس نصب العین پر قائم رہنے کی سعادت حاصل ہو۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں اس امر کا کوئی ادنیٰ نشان بھی نہیں ملتا کہ اقتدار کو انھوں نے اصل نصب العین سمجھا ہو یا اصل نصب العین کے لیے اس کو کوئی بڑی سازگار چیز سمجھا ہو۔

ہماری اس تقریر سے کسی صاحب کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہم یہ رہبانیت کی دعوت دے رہے ہیں۔ ہم رہبانیت کی دعوت نہیں دے رہے ہیں بلکہ اس حقیقت کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی تمام جدوجہد کا مقصود صرف آخرت ہوتی ہو۔ وہ اسی کے لیے خلق خدا کو دعوت دیتے ہیں، اسی کے لیے لوگوں کو منظم کرتے ہیں، اسی کے لیے جیتے ہیں اور اسی کے لیے مرتے ہیں۔ اسی چیز سے ان کی جدوجہد کا

آغاز ہوتا ہے اور اسی چیز پر اس کی انتہا ہوتی ہے۔ ان کی تمام سرگرمیوں میں محرک کی حیثیت بھی اسی چیز کو حاصل ہوتی ہے اور غایت و مقصود کی حیثیت بھی اسی کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ دنیا کو آخرت کے منافی نہیں قرار دیتے، بلکہ دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیتے ہیں۔ ان کی دعوت یہ نہیں ہوتی کہ لوگ دنیا کو چھوڑ دیں بلکہ اس بات کے لیے ہوتی ہے کہ وہ اس دنیا کو آخرت کے لیے استعمال کریں۔

ان کے ہر کام پر ان کے اس نصب العین کے حاوی ہونے کا خاص اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی جدوجہد میں کسی ایسی چیز کو کبھی گوارا نہیں کرتے جو ان کے اس اعلیٰ نصب العین کی عزت و حرمت کو بٹہ لگانے والی ہو۔ ان کے مقصد کی طرح ان کے وسائل و ذرائع بھی نہایت پاکیزہ ہوتے ہیں۔ وہ کامیابی حاصل کرنے کی دھن میں کبھی ایسی چیزوں کا سہارا حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے جن کی پاکیزگی مشتبہ اور مشکوک ہو۔ ان کی کامیابی اور ناکامی کی فیصلہ کرنے والی میزان بھی چونکہ اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں ہے اس وجہ سے ان کی کامیابی اور ناکامی کے معیارات بھی عام اہل سیاست کے معیارات سے بالکل مختلف ہیں۔ اہل سیاست کے ہاں تو کامیابی کا معیار ان کے نصب العین کے لحاظ سے یہ ہے کہ ان کو دنیا میں اقتدار حاصل ہو جائے، اگر یہ چیز ان کو حاصل نہ ہو سکے تو پھر وہ ناکام و نامراد ہیں لیکن انبیاء کے طریقہ پر جو لوگ کام کرتے ہیں ان کی کامیابی کے لیے اقتدار کا حصول کوئی شرط نہیں ہے۔ ان کی کامیابی کے لیے صرف یہ شرط ہے کہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ پر صرف اللہ ہی کی رضا کے لیے کام کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ اسی حالت پر ان کا خاتمہ ہو جائے۔ اگر یہ چیز ان کو حاصل ہو گئی تو وہ کامیاب ہیں اگرچہ ان کے سایہ کے سوا کوئی ایک متنفس بھی اس دنیا میں ان کا ساتھ دینے والا نہ بن سکا ہو۔ اور اگر یہ چیز ان کو حاصل نہ ہو سکی تو وہ ناکام ہیں۔ اگرچہ انھوں نے تمام عرب و عجم کو اپنے گرد اکٹھا کر لیا ہو۔

ایک خلا جو جلد پُر ہونا چاہیئے

(از، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

[حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی کی تالیف "تجدید تصوف و سلوک" کے عربی ترجمہ پر محترم مولانا علی میاں ندوی مدظلہٗ نے ایک فکر انگیز مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ اس کا رُخ خاص طور سے عربوں ہی کی جانب ہے مگر اس کا کوئی جزو ایسا نہیں ہے جو ہم سب کے لئے بھی قابل استفادہ نہو۔ اس لئے کہ جس مسئلہ سے اس تحریر کا تعلق ہے اس پر ہمارے یہاں بھی ذہنوں میں عجیب طرح کی گرہیں پڑ چکی ہیں اور افراط و تفریط نے ایک اچھے خاصے انتشار کا عالم برپا کر دیا ہے۔

مولانا کی اس پُرسوز اور فکر انگیز تحریر کا اُردو ترجمہ مولانا کے برادر زادے مولوی سید محمد حسنی صاحب (مدیر البعث) کے قلم سے الفرقان میں پیش کیا جا رہا ہے۔ امید ہو کہ اس کے مطالعہ سے سنجیدہ اور مخلص ذہنوں کو زیر نظر مسئلہ کے بارے میں کسی نتیجہ پر پہنچنے میں قابل قدر امداد حاصل ہوگی ——— ادارہ]

اصطلاحات اور مروجہ الفاظ و عنوانات نے بعض اوقات حقائق کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے اور ان کو بڑا نقصان پہونچایا ہے۔ دنیا کے علم و فن، زبان و ادب اور دین و مذہب میں اس زیادتی کی ایک طویل روداد ہے۔ ان اصطلاحات سے بسا اوقات ایک نیا تصور پیدا ہو گیا ہے اسکے متعلق نئے نئے قسم کے سوالات اور اعتراضات پیدا ہوگئے، اختلاف و تنازع کا ایک لا متناہی سلسلہ اٹھ کھڑا ہوا، مختلف مذاہب اور مکتب خیال وجود میں آئے۔ دلائل اور منطق کی محفلیں آراستہ ہوئیں افکار و خیالات میں تصادم ہوا اور لوگ مختلف گروہوں اور جماعتوں میں بٹ گئے۔ اگر ہم ان نئے اصطلاحات اور [illegible] ناموں کو ترک کر کے عہد ماضی کی طرف واپس ہوں

جب ان حقائق کے لئے بہت سادے اور عام فہم الفاظ مستعمل تھے، اور بڑی سہولت کے ساتھ ان کیفیات اور معانی کی ترجمانی کی جاتی تھی، اور ان الفاظ کو اختیار کرلیں جو ہمارے اسلاف کے یہاں رائج تھے تو یہ مسئلہ اسی وقت حل ہوجائے گا اور تمام جماعتوں میں صلح ہوجائے گی۔

انھیں اصطلاحات میں ایک اصطلاح "تصوف" ہے جو لوگوں میں بہت رائج ہو، اس سلسلہ میں طرح طرح کے سوال کھڑے ہوئے، اور بحثوں کا ایک طویل سلسلہ قائم ہوگیا۔ سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوا کہ اس لفظ کی حقیقت و مراد کیا ہے؟ اس کا ماخذ و منبع کیا ہے؟ آیا وہ "صوف" سے ماخوذ ہے یا "صفاء" سے، "صفو" سے نکلا ہو یا "صُفّہ" سے، یا وہ ایک یونانی لفظ "تصوفیا" سے لیا گیا ہے جس کے معنی حکمت بتائے جاتے ہیں[۱]

آخر یہ لفظ کہاں سے برآمد کیا گیا اور کس طرح اس کا رواج ہوا، جبکہ نہ قرآن وحدیث میں اس کا وجود ملتا ہے اور نہ صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال میں! خیر القرون میں اس کا سراغ نہیں ملتا، اور ہر ایسی چیز جس کا یہ حال اور جس کی یہ تاریخ ہو بدعت کہلانے کی مستحق ہے غرضکہ اس طرح تصوف کے حامیوں اور مخالفوں میں ایک قلمی اور لسانی معرکہ برپا ہوگیا، اور اسکے نتیجہ میں ایک مستقل کتب خانہ وجود میں آیا جس کا سرسری جائزہ لینا بھی مشکل ہے۔

اگر ہم اس اصطلاح کو ترک کرکے (جس سے ہم دوسری صدی میں روشناس ہوئے ہیں[۲]) قرآن وحدیث اور عہد صحابہ و تابعین کی طرف رجوع کریں اور کتاب وسنت کا اس نقطۂ نظر سے مطالعہ کریں تو ہمیں نظر آئے گا کہ قرآن دین کے ایک شعبہ اور نبوت کے اہم رکن کی طرف خصوصیت سے توجہ دلاتا ہے اور اسکو تزکیہ سے تعبیر کرتا ہے، اور ان چار ارکان میں اسکو شامل کرتا ہے جن کی تکمیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصب نبوت سے متعلق اور مقاصد بعثت میں شامل تھی۔

---

[۱] یہ سب الفاظ حقیقت تصوف کے سلسلہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ دیکھئے دائرۃ المعارف از بستانی اور تاریخ آداب اللغۃ العربیہ از جرجی زیدان۔

[۲] کشف الظنون ج ۱، صفحہ ۴۲۸ بحوالہ امام قشیری۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ
وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا
مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ [1] (سورہ جمعہ)

تزکیہ سے مراد یہ ہے کہ انسانی نفوس کو اعلیٰ اخلاق سے آراستہ اور رذائل سے پاک صاف کیا جائے، مختصر الفاظ میں تزکیہ کی وہ شکل جس کے شاندار نمونے اور مثالیں ہم کو صحابہ کرام کی زندگی میں نظر آتی ہیں، اور ان کے اخلاص اور اخلاق کی آئینہ دار ہیں، وہ تزکیہ جس کے نتیجہ میں ایسا صالح، پاکیزہ اور مثالی معاشرہ وجود میں آیا جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ عاجز ہے، اور ایسی معدلت شعار اور حق پرست حکومت قائم ہوئی جس کی مثال روئے زمین پر کہیں اور نہ مل سکی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ لسانِ نبوت اسلام و ایمان کے ساتھ ایک خاص درجہ اور مرتبہ کا بار بار ذکر کرتی ہے اور اسکو احسان سے تعبیر کرتی ہے، جس سے مراد یقین و استحضار کی وہ کیفیت ہے جس کے لئے ہر صاحب ایمان کو کوشاں ہونا چاہیئے! اور جس کا شوق ہر مرد مومن کے دل میں موجزن ہونا چاہیئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا احسان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اسکو دیکھ رہے ہو، اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ (بخاری ومسلم)

جب ہم شریعت اسلامی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و احوال پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو حصوں پر منقسم تھے، ایک کا تعلق افعال و حرکات اور امور محسوسہ سے تھا، مثلاً قیام و قعود، رکوع و سجود، تلاوت و تسبیح، اذکار و ادعیہ، احکام و مناسک فن حدیث نے اسکی روایت اور تدوین کی خدمت انجام دی، علم فقہ نے اس سے مسائل و جزئیات استخراج کرنے کا بیڑا اٹھایا اور محدثین اور فقہاء امت نے (اللہ تعالیٰ ان کو اس کا عظیم کا بہترین صلہ عطا فرمائے) دین کو اس طرح محفوظ کر دیا کہ امت کے لئے اس پر عمل پیرا ہونا آسان ہو گیا۔

---

[1] ترجمہ:- وہی ہے جس نے اٹھایا اُمیّوں میں ایک رسول انھیں میں کا۔ پڑھ کر سناتا ہے ان کو اسکی آیتیں۔ اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے کتاب اور دانائی۔ اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے صریح بھول میں۔

دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق ان باطنی کیفیات سے ہے جو ان افعال و حرکات کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں، قیام و قعود، رکوع و سجود، ذکر و دعا، وعظ و نصیحت، گھر کے ماحول، میدان جہاد غرض ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہیں۔ ان کیفیات کی تعبیر ہم اخلاص و احتساب، صبر و توکل، زہد و غنا، ایثار و سخاوت، ادب و حیاء، خشوع و خضوع، انابت و تضرع، دعا کے وقت دل شکستگی، دنیا پر آخرت کو ترجیح، رضائے الٰہی اور دیدار کا شوق اور اس طرح کی اور دوسری باطنی کیفیات اور ایمانی اخلاق سے کر سکتے ہیں جن کی حیثیت جسم انسانی میں روح کی اور ظاہر میں باطن کی ہے —— پھر ان عنوانات کے تحت اور بہت سی جزئیات اور آداب و احکام ہیں جنھوں نے اسکو ایک مستقل علم اور علٰحدہ فقہ کا درجہ دیدیا ہے چنانچہ اگر اس علم کو جو اوّل الذکر کی شرح و تفسیر سے متعلق ہے، فقہ ظاہر کہا جا سکتا ہے، تو وہ علم جو ان کیفیات کی تشریح کرتا اور ان کے حصول کے لئے رہنمائی کرتا ہے "فقہ باطن" قرار دیا جا سکتا ہے۔

زیادہ مناسب تو یہ تھا کہ ہم اس علم کو جس کا کام تزکیہ نفوس اور تہذیب اخلاق ہے اور جو نفس انسانی کو فضائل شرعیہ سے آراستہ اور نفسانی و اخلاقی رذائل سے پاک و صاف کرتا ہے اور کمال ایمان و درجۂ احسان، اخلاق نبوی کی پیروی، روحانی و باطنی کیفیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و تقلید کی دعوت دیتا ہے، "تزکیہ" یا "احسان" ہی کے نام سے یاد کرتے، یا کم از کم فقہ باطن ہی کہتے، اگر ایسا ہوتا تو شاید اختلاف و نزاع کی نوبت ہی نہ آتی، اور سارا جھگڑا ختم ہو جاتا، اور دونوں فریق جن کو محض اصطلاح نے ایک دوسرے سے برسر نزاع کر رکھا ہے، مصالحت پر آمادہ ہو جاتے۔

احسان اور فقہ باطن سب علمی و شرعی حقائق اور دین کے مسلمہ اصول ہیں جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں، اگر اہل تصوف اس مقصد کے حصول کے لئے (جس کو ہم تزکیہ و احسان سے تعبیر کرتے ہیں) کسی خاص اور متعین راستے یا شکل پر اصرار نہ کرتے (اس لئے کہ زمان و مکان اور نسلوں کے مزاج و ماحول کے ساتھ اصلاح و تربیت کے طریقے اور ان کے نصاب بھی بدلتے رہتے ہیں) اور وسیلہ کے بجائے مقصد پر زور دیتے تو اس مسئلہ میں آج سب یک زبان ہوتے

اور اختلاف کا سررشتہ ہی باقی نہ رہتا۔ سب دین کے اس شعبہ اور اسلام کے اس رکن کا جس کو، ہم تزکیہ یا احسان یا فقہ باطن کہتے ہیں صاف اقرار کرتے اور اس بات کو بلا تامل قبول کرتے کہ وہ شریعت کی روح، دین کا لب لباب اور زندگی کی بنیادی ضرورت ہے، اور یہ کہ جب تک اس شعبہ کی طرف کما حقہ توجہ نہ کی جائے اس وقت تک کمال دین حاصل نہیں ہو سکتا اور اجتماعی زندگی کی بھی اصلاح نہیں ہو سکتی اور نہ صحیح معنی میں زندگی کا لطف آسکتا ہے،

اس صورت حال سے ہم کو اندازہ ہوتا ہے کہ اس اصطلاح "تصوف" نے دین کی کتنی عظیم، کتنی روشن اور کتنی اہم حقیقت پر پردہ ڈال دیا ہے اور بہت سے لوگوں کی راہ میں اس حقیقت کے حصول میں مانع بن گیا ہے، بلکہ بہت سے لوگ تو ہمت ہی ہار بیٹھے اور اس کا خیال ہی ترک کر دیا، لیکن اسکے بہت سے وجوہ اور تاریخی اسباب ہیں جن کا ذکر اس موقع پر کرنا مشکل ہے، بہرحال واقعات ہمیشہ انسان کی خواہش کے تابع نہیں ہوتے، اب ہم کو فراخ دلی کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیئے، اور قیود و اصطلاحات اور خواہشات اور تعصبات سے آزاد ہو کر سوچنا چاہیئے، ایسا نہ ہو کہ ہم ایک دینی حقیقت سے (جو شریعت کے مسلمات میں سے ہے اور کتاب و سنت اسکی دعوت دیتے ہیں، اور انسانی معاشرہ کو بھی اسکی شدید احتیاج ہے) محض ایک نئی اصطلاح اور ایک مروّج نام کی وجہ سے گریز اختیار کرنے لگیں۔

اسکے علاوہ دوسری چیز جس نے اس دینی حقیقت کو اور زیادہ غبار آلود کر دیا وہ پیشہ ور اور جاہ طلب باطنیہ اور ملاحدہ اور بد دین لوگ ہیں، جنھوں نے دین میں تحریف کرنے، مسلمانوں کو گمراہ کرنے، معاشرہ میں انتشار پیدا کرنے آزادی و بے قیدی کی تبلیغ کرنے کے لئے تصوف کو آلہ کار بنایا، اور اسکے محافظ اور علمبردار بن کر لوگوں کے سامنے آئے، نتیجہ یہ ہوا کہ اہل غیرت اور اہل حمیت مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ان سے بدظن ہو گئی، کچھ غیر محقق صوفی ایسے تھے جو اس شعبہ کی روح اور اسکے حقیقی مقاصد سے ناآشنا تھے، وہ مقصد اور وسیلہ میں کوئی تمیز نہ کر سکے، بعض اوقات انھوں نے وسائل پر تو بہت اصرار کیا اور مقاصد کو نظر انداز کر دیا، اور اس شعبہ یا اس فن میں ایسی چیزیں داخل کیں جن کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا، اور اسکو فن کی روح اور فن کا کمال قرار دیا، کچھ مطلب و مقصود سمجھ بیٹھے، غرض کہ اس طرح انھوں نے مسئلہ کو اور پیچیدہ

بنا دیا اور اس نزاع کو ختم کرنے کے بجائے اور طول دے دیا، انھوں نے ان چیزوں کو جن کا مکلف ہر مسلمان ہے اور جو دین کی روح اور زندگی کی ضرورت ہیں، معمہ، فلسفہ اور رہبانیت بنا کر پیش کیا جس کی ہمت صرف وہی شخص کر سکتا تھا جو ترک دنیا اور مادی اسباب سے کنارہ کشی کا فیصلہ کر چکا ہو اور دنیا کی ساری نعمتوں سے دستبردار ہونا چاہتا ہو، ظاہر ہے کہ ایسے لوگ ہر جگہ اور ہر زمانہ میں بہت کم ہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ نہ دین کا مطالبہ تھا، نہ رسول اللہ کی سنت، نہ تخلیق انسانی کی حکمت۔

اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ہر دور اور ہر ملک میں ایسے لوگ بھی پیدا کر دیئے جو دین کو مبالغہ کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کی غلط بیانیوں اور جاہلوں کی تاویلات سے پاک و صاف اور عجمیت و فلسفہ سے محفوظ کرتے رہے۔ بغیر کسی تاویل یا تحریف کے خالص تزکیہ کی دعوت دیتے رہے جس کا نام "احسان" اور "فقہ باطن" ہے۔ انھوں نے اس "طب نبوی" کی ہر زمانہ میں تجدید کا فرض انجام دیا۔ وہ امت اسلامیہ میں نئی روح اور نیا ایمان پیدا کرتے رہے، بندوں کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ، معاشرہ کا تعلق اخلاق کے ساتھ علماء کا تعلق للّٰہیت اور اخلاص کے ساتھ استوار کرتے رہے۔ ایک طرف وہ عوام میں خواہش نفس، دنیا پرستی اور مال و اولاد کے فتنہ کا مقابلہ کرنے کی طاقت پیدا کرتے رہے اور دوسری طرف انھوں نے خواص میں وہ ایمان و یقین اور روحانی قوت پیدا کی جس نے بادشاہوں کے انعامات اور تازیانے دونوں کا مقابلہ کیا۔ اور انکے وعدوں اور انکی تعزیروں کا مقابلہ کرنے، جابر بادشاہوں اور حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہنے، امراء اور بادشاہوں کے احتساب کرنے اور مادی مظاہر کی بے وقعتی اور کفاف پر قناعت کی طاقت و صلاحیت پیدا کرتے رہے، اور تاریخ میں ایسی مثالیں نظر آئیں کہ ایک بزرگ سے بادشاہ کی خوشنودی کی خاطر اس کی دست بوسی کرنے کو کہا گیا تو انھوں نے جواب دیا "خدا کی قسم میں تو اس پر بھی راضی نہیں کہ وہ میرا ہاتھ چومے نہ یہ کہ میں اس کا ہاتھ چوموں، اے لوگو! تم ایک دوسری دنیا میں ہو اور میں ایک دوسرے عالم میں ہوں"[1]

بعض لوگوں کو بادشاہوں نے اپنے ملک میں بڑی سے بڑی پیشکش کی، لیکن انھوں نے اسکا جواب یہ دیا کہ:۔

---

[1] یہ قول شیخ عز الدین بن عبد السلام کا ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کا باوجود اسکے طول وعرض کے بہت حقارت اور ذلت کے ساتھ ذکر کرتا ہے (قل متاع الدنیا قلیل) اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس چھوٹے سے ٹکڑے میں سے ایک معمولی ٹکڑا عطا فرمایا ہے اب میں اس میں بھی حصہ لگانا پسند نہیں کرتا۔"[۱]

ایک بزرگ ایک امیر کے سامنے پیر پھیلا کر بیٹھے تھے جب وہ امیر واپس ہوئے تو انھوں نے اشرفیوں کی ایک تھیلی ان کی خدمت میں بھجوائی، انھوں نے یہ کہہ کر اس کو لینے سے انکار کر دیا کہ "جو اپنا پیر پھیلاتا ہے وہ اپنا ہاتھ نہیں پھیلاتا"[۲]

ہر زمانہ میں ایسی طاقتور شخصیتوں اور جامع کمالات داعیوں کی ضرورت رہی ہے جو مسلمانوں میں تلاوت آیات، تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیہ نفوس کا کام کریں[۳]، اور انقطاع نبوت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت کا فرض انجام دیں، اور امت اسلامیہ کا رشتہ اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ جوڑ سکیں، اور اس میثاق وعہد کی تجدید کریں جو کلمہ اور ایمان کے ذریعہ ہر مسلمان نے کیا ہے، اور اطاعت وفرمانبرداری، نفس اور شیطان کی مخالفت، خدا اور رسول کی طرف تحاکم، طاغوت کا انکار اور اللہ کی راہ میں مجاہدے کے اس عہد کو تازہ کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، اسلئے کہ خلفاء نے اس کام کو فراموش کرکے صرف فتوحات اور ٹیکس وجزیہ کی وصولیابی اور اپنے اور اپنی اولاد کے لئے بیعت خلافت کے انعقاد سے دلچسپی باقی رکھی تھی، علماء بھی اصلاح سے عاجز تھے، وہ وعظ ونصیحت، درس وتدریس، تصنیف وتالیف میں ایسے منہمک تھے کہ کسی اور چیز کو سوچنے کی بھی انہیں فرصت نہ تھی، اس کے علاوہ اگر یہ اس کا ارادہ بھی کرتے تو بھی یہ بات ان کے بس کی نہ تھی اس لئے کہ ان کی زندگی عوام کے سامنے تھی اور وہ جانتے تھے کہ ان میں زہد واخلاص اور خلافت نبوت کے علامات اور اثرات کتنے کم اور شاذ ونادر نظر آتے ہیں، غرض کہ اس طرح عام وخاص ہر طبقہ میں دینی شعور اور دینی حس کمزور اور مضمحل ہوتی رہی اور رفتہ رفتہ وہ یہ بھولنے لگے کہ اسلام درحقیقت بندہ اور اسکے رب کے درمیان عہد ومیثاق اور بیع وشرا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے تصرفات میں بالکل آزاد ہوگئے اور خواہش نفس کو بالکل چھوٹ دیدی، انکی حالت بگڑ کے

---

[۱] یہ بات مرزا مظہر جانجاناںؒ دہلوی نے فرمائی تھی [۲] دمشق کے عالم شیخ سعید الحلبی جو گزشتہ صدی کے بزرگ ہیں۔ [۳] هو الذی بعث فی الامیین رسولاً (الجمعہ)

اس طرح کی سعی ہو گئی جس کا نہ کوئی فائدہ ہو نہ مقصد، عبادت کا شوق درجۂ احسان اور حلاوتِ ایمان کے حصول کا جذبہ سرد پڑنے لگا، ہمتیں پست ہو گئیں، عزائم خوابیدہ ہو گئے اور عام طور پر لوگ (سوائے ان کے، جنکو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا) بہت بے تابی اور جنون کے ساتھ لذّات اور خواہشات پر ٹوٹ پڑے۔

آخر کار اسلامی خلافت میں روحِ خلافت اور امانتِ نبوت کا خاتمہ ہو گیا اور وہ حکومت و سیاست بن کر رہ گئی، جس کا کام صرف ٹیکس وصول کرنا تھا، اس وقت وسیع اسلامی مملکت میں ہر طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نائب، اللہ کے مخلص بندے اور اہلِ حق کھڑے ہو گئے اور انکی دعوت و صحبت کے اثر سے تمام لوگ اسلام کے میثاق و عہد میں ازسرِنو داخل ہونے لگے، وہ فہم و ارادہ اور شعور و احساس کے ساتھ اس نئے عالم میں داخل ہو رہے تھے جب کہ اسلام کو انھوں نے عادتاً اور وراثۃً قبول کیا تھا، اپنی تعلیم و تربیت سے انھوں نے ایمان اور لذّتِ ایمانی کی تجدید کی، اور نفس کے تسلط، خواہشات کی اسیری، اور انسانوں کی غلامی سے آزاد ہو کر عبادات و اطاعات، دعوت الی اللہ اور راہِ حق میں جہاد کی طرف متوجہ ہو گئے۔

پھر ان کے جانشینوں اور شاگردوں میں اور ان سب لوگوں میں جنھوں نے دعوت میں انکی پیروی کی دعوتِ اسلامی کے ایسے علمبردار اور تربیتِ اسلامی کے ائمہ (درمیانی اور آخری صدیوں میں) پیدا ہوئے۔ جنھوں نے روحِ اسلامی اور شعلۂ ایمانی کی بقا و حفاظت، دعوت و جہاد کے شوق، خواہشات و ترغیبات کے مقابلہ کے میدان میں بہت اہم خدمات انجام دیں اگر وہ نہ ہوتے تو مادیت جو حکومتوں اور تہذیبوں کے راستہ سے حملہ آور تھی پوری امتِ اسلامیہ پر اپنا تسلط جما لیتی، اور زندگی اور محبت کی چنگاری بالکل سرد پڑ جاتی، ان لوگوں کی وجہ سے ایسے دور دراز ملکوں میں جہاں اسلامی افواج اور مجاہدین کو جانے کا موقع نہیں ملا تھا، اسلام کی تبلیغ و اشاعت ہوئی۔ انکے ذریعہ سے اسلام کو افریقہ کے تاریک براعظم، انڈونیشیا، جزائرِ بحرِ ہند اور ہندوستان میں فروغ حاصل ہوا۔[1]

اور پھر اس زمانہ اور اس مایوس کن حالات میں جب ساتویں صدی ہجری میں تاتاریوں نے

---

[1] دیکھئے کتاب Preaching of Islam مصنفہ سرٹامس آرنلڈ

عالم اسلام کو فتح کرلیا، اور اس کو بالکل تباہ و برباد کر دیا، جہاد اور مقابلہ کی طاقت بالکل ختم ہوگئی، اور کسی میں ان کے سامنے آنے کی ہمت باقی نہیں رہ گئی، مایوس ہو کر مسلمانوں نے تلوار اپنی نیام میں رکھ لی، اور ان کو یقین ہوگیا کہ تاتاریوں کو شکست دینا ناممکن ہے، اور عالم اسلام کی تقدیر میں ان وحشیوں کی غلامی لکھدی گئی ہے۔ اور اب اسلام کا کوئی مستقبل نہیں، اس وقت یہی مخلص دین کے داعی تھے، (جن میں سے اکثر کے نام تاریخ دعوت و اصلاح اپنی وسعت و استقصا کے باوجود محفوظ نہیں کرسکی) جو ان سخت دل اور سخت جان وحشی انسانوں میں گھسے اور انکے دل اسلام کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ انکے دلوں میں انکی محبت اور قدر پیدا ہوگئی اور پھر کثیر تعداد میں وہ لوگ اسلام قبول کرنے لگے، تاتاریوں کے اس غلبہ و کامرانی پر کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ انکی بڑی تعداد اسلام کے آغوش میں آگئی، اور وہ اسلام کے پاسبان اور محافظ بن گئے اور ان میں بڑے بڑے فقیہہ، عابد و زاہد، علماء اور مجاہد پیدا ہوئے۔[1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو اسلامی سوسائٹی بہت عرصہ ہوا دم توڑ چکی ہوتی اور مادیت کی سرکش اور گرم لہر اسکے بچے کھچے ایمان و یقین کا خاتمہ کر دیتی، قلوب کا اللہ تعالیٰ سے، زندگی کا روحانیت سے، معاشرہ کا اخلاق سے رشتہ منقطع ہوجاتا، اخلاص و احتساب ختم ہوجاتا، اور باطنی امراض کی کثرت ہوتی، قلوب و نفوس کی بیماریاں پھیلتیں اور طبیب نہ ملتا، لوگ دنیا پر ٹوٹ پڑتے اور اہل علم جاہ و منصب اور مال و دولت کے پیچھے دوڑتے، اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے، حرص و طمع کا ان پر تسلط ہوتا، غرض کہ دین کا وہ شعبہ جو نبوت کے شعبوں میں سب سے اہم ہے (یعنی تزکیہ نفوس، اور فقہ باطن) بالکل معطل ہوجاتا،

ذرا ان ملکوں کی طرف نظر ڈالئے جہاں دعوت الی اللہ، روحانیت اور سچی خدا پرستی اور تزکیہ نفوس کا کام عرصہ سے بند ہے، اور ایسے داعی اور علماء کی تعداد (جو انسانوں کا رشتہ خدا تعالیٰ کے ساتھ استوار کریں اور انکی اصلاح باطن کی طرف متوجہ ہوں) مغربی تہذیب کے اثر یا مغرب کے قبضہ یا اور دوسرے اسباب کی بنا پر بہت کم ہوگئی ہے وہاں آپ ایک

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ دعوت و عزیمت از مؤلف

ایسا خلا پائیں گے، ایک مہیب اور طویل خلا، جس کو نہ وسعت علم اور تبحر علمی سے پورا کیا جا سکتا ہے نہ ذہانت اور عالی دماغی سے، نہ ادب عالیہ سے، نہ عربی زبان و ادب سے گہرے ربط اور نسبی تعلق سے، نہ آزادی و حریت سے، یہ ایک ایسا روحانی اور اخلاقی مسئلہ ہے جس کا کوئی حل نہیں، اعلیٰ طبقہ کے لوگ اور عوام تیز اور ہمہ گیر مادیت، دولت کی اندھی محبت اور دوسرے اجتماعی اور اخلاقی امراض کا شکار ہیں، تعلیم یافتہ اور ذہین لوگ (مذہبی تعلیم و ثقافت ہو یا مادی) عہدہ و منصب حسد اور بخل تکبر اور انانیت، شہرت کی خواہش، نفاق اور مداہنت، مادہ اور طاقت سے مرعوبیت جیسے باطنی امراض میں گرفتار ہیں، جہاں تک اجتماعی اور سیاسی تحریکات کا سوال ہے ان کو خود غرضی، تربیت کے فقدان، اور لیڈروں کی گزندگی نے خراب کر دیا ہے، رہ گئے ادارے تو ان کو اختلافات، احساس ذمہ داری کی کمی دنیا طلبی اور تنخواہوں میں اضافہ کے عشق نے بیکار کر دیا ہے اور وہ صرف اسی کام کے ہو کر رہ گئے ہیں۔

جہاں تک علماء کا تعلق ہے ان کے وقار اور عزت کو مظاہر پرستی اور ظاہرداری فقر سے ضرورت سے زائد اور بیجا خوف، آرام طلبی اور عیش پسندی نے بگاڑ دیا، اور ان سب چیزوں کا علاج اس تزکیہ نبوی کے علاوہ جس کا ذکر قرآن میں ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہے، اور اس ربانیت میں جو علما سے مطلوب ہے اور کہیں نہیں۔

وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ

میں تزکیہ کی کسی خاص اور متعین شکل پر زور نہیں دیتا جس کا رواج مسلمانوں میں ہوا، اور جس کا نام آخری دور میں تصوف پڑا، حالانکہ اسکی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی قرآن و حدیث کی اصطلاحات ہی اسکے لئے کافی تھیں۔

میں تصوف کے حاملین میں سے سب کو علم و تدبر یا عمل و تطبیق کی غلطی سے بری نہیں سمجھتا اور نہ انکو معصوم قرار دیتا ہوں، لیکن یہ ضروری ہے کہ اس خلا کو جو ہماری زندگی اور ہماری سوسائٹی میں واقع ہو گیا ہے جلد پُر کیا جائے، جسے اہل اللہ تربیت و تزکیہ کے علم بردار اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسانوں کا رشتہ جوڑنے والے، اور معاشرہ سے قبل فرد کی طرف اور اصلاح باطن کی طرف توجہ کرنے والے اہل حق و بزرگان دین پُر کئے ہوئے تھے، اور تزکیہ و احسان اور فقہ باطن کو پھر سے تازہ کیا جائے جس طرح ہمارے اسلاف نے اسکو اپنے اپنے

انہ میں تازہ کیا تھا اور یہ سب منہاج نبوت اور کتاب و سنت کی روشنی میں ہوئے بہرحال
طرح کا کوئی کام ہونا چاہیئے، اسلئے کہ حقیقت میں یہ خلا بہت زبردست ہے اور ہماری
فرادی اور اجتماعی زندگی میں اسکے اثرات و نتائج بہت دوررس ہیں۔

میں ان بزرگان دین اور اہل حق پر تنقید کرنے والوں سے ایک عربی شاعر کی زبان میں
ہنا چاہتا ہوں۔

اقلوا علیهم لا ابا لابیکم
من اللوم او سدوا المکان الذی سدوا

حضرت مسعر بن کدامؒ

(از مولانا حافظ محمد مجیب اللہ صاحب ندوی)

[جناب مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی کی تالیف تبع تابعین پر اسی شمارہ میں تبصرہ کیا گیا ہے، یہ مضمون اسی کتاب کا ایک حصہ ہے جو مؤلف کی اجازت سے یہاں درج کیا جا رہا ہے۔ مضمون میں فٹ نوٹس کی جگہ پر بڑی کثرت سے کتابوں کے حوالے تھے جنھیں نقل نہیں کیا گیا ہے۔ آخر کے چند عربی اشعار بھی چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ ——— ادارہ]

نام ونسب مسعر نام، ابوسلمہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، مسعر بن کدام بن ظہیر بن عبید اللہ بن حارث ابن عبد اللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ قرشی عامری۔

فضل وکمال مسعر علمی اور مذہبی دونوں کمالات کے اعتبار سے ممتاز ترین تبع تابعین میں تھے یعلی بن مرہ کا بیان ہے کہ مسعر کی ذات علم اور ورع دونوں کی حامل تھی۔ عراق میں ان کے پایہ کے علما کم تھے۔ ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ عراقیوں میں مسعر اور ایوب سے افضل ہمارے یہاں کوئی نہیں آیا۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔

حدیث حدیث کے وہ اکابر حفاظ میں سے تھے۔ امام ذہبی انھیں حافظ اور علماء اعلام لکھتے ہیں۔ ان کے حافظہ میں ایک ہزار حدیثیں محفوظ تھیں۔

حدیث میں انھوں نے عمرو بن سعید نخعی، ابو اسحٰق سبیعی، عطاء معن، سعید بن ابراہیم، ثابت بن عبد اللہ انصاری، عبد الملک بن نمیر، ہلال بن خباب، حبیب بن ابی ثابت، علقمہ بن مرثد، قتادہ، معن بن عبد الرحمٰن، مقدام بن شریح۔ اور اعمش وغیرہ ایک کثیر جماعت سے استفادہ کیا تھا۔

ان کی مرویات کا پایہ ان کی روایات کی صحت کے لیے یہ کافی ہے کہ شعبہ جیسے محدث انھیں مصحف کہتے تھے۔ ان کی ذات احادیث کی جانچ کے لیے معیار تھی۔ میزان ان کا لقب ہو گیا تھا۔

کم ایسے محدثین نکلیں گے جن کی مرویات پر کسی نہ کسی حیثیت سے تنقید نہ کی گئی ہو۔ لیکن مسعر کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی۔

ائمہ حدیث شک اور اختلاف کے موقع پر ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ سفیان ثوری کا بیان ہے کہ جب ہم لوگوں میں (حدیث کی) کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہوتا تھا، تو مسعر سے پوچھتے تھے۔ ابراہیم بن سعد کہتے تھے کہ جب سفیان اور شعبہ میں کسی حدیث کے بارے میں اختلاف ہوتا تھا تو میزان یعنی مسعر کے پاس جاتے تھے۔

احتیاط اس محدثانہ کمال کے باوجود وہ روایت حدیث میں بڑے محتاط تھے، اس ذمہ داری سے وہ اس قدر گھبراتے تھے کہ فرماتے تھے کہ کاش حدیثیں میرے سر پر شیشوں کا بار ہوتیں کہ گر کر چور چور ہو جاتیں۔ ان کی احتیاط شک کے درجہ تک پہونچ گئی تھی، ابو نعیم کا بیان ہے کہ مسعر اپنی احادیث میں بڑے شکی تھے لیکن کوئی غلطی نہ کرتے تھے۔ اعمش کہا کرتے تھے کہ مسعر کا شیطان ان کو کمزور کر کے شک دلاتا رہتا ہے۔

ان کے اس شک نے ان کی احادیث کا درجہ اتنا بلند کر دیا تھا کہ محدثین ان کے شک کو یقین کا درجہ دیتے تھے۔ اعمش سے بعض لوگوں نے کہا کہ مسعر اپنی حدیثوں میں شک کرتے تھے، انھوں نے کہا کہ ان کا شک اوروں کے یقین کے برابر ہے۔

فقہ فقہ میں گو کوئی قابل ذکر شخصیت نہ تھی۔ تاہم کوفہ کی صاحب افتا جماعت میں تھے۔

امام ابوحنیفہ اور اُن کے اصحاب سے تعلق خاطر یہ امام ابو حنیفہ کے حلقۂ تلامذہ میں تو نہ تھے مگر ان کی ذات اور ان کے اصحاب سے ان کو بڑا تعلق خاطر تھا، اور اُن کے علم و فضل کے مداح تھے۔ کوفہ میں امام ابو حنیفہ کے حلقۂ درس کے قریب ہی ان کا حلقۂ درس بھی تھا۔ با اوقات درس سے فارغ ہو کر استفادہ کی غرض سے امام اور ان کے اصحاب کی مجلس درس میں شریک ہو جایا کرتے تھے۔ ان کے بعض تلامذہ کو یہ چیز ناگوار ہوئی اور انھوں نے ان سے کہا کہ ہم تو آپ سے احادیث رسول کے سماع کے لیے آتے ہیں اور آپ اہل بدعت (یعنی امام ابو حنیفہ اور اُن کے اصحاب) سے

سماع کرتے ہیں۔ یہ سن کر ان کو غصہ آگیا، فرمایا کہ درس سے اٹھ جاؤ، اگر ان میں کا کوئی معمولی آدمی بھی زمانہ حج کے پورے مجمع میں پہونچ جائے تو ان کے دامن کو علم سے بھر دے۔

حلقۂ درس مسجد میں حلقۂ درس تھا، عبادت کے معمولات کے بعد روزانہ مسجد میں بیٹھ جاتے تھے اور شائقین علم حدیث اور گرد حلقہ باندھ کر استفادہ کرتے تھے۔

زہد و عبادت ان کی ماں بڑی عابدہ خاتون تھیں۔ ان کے فیض تربیت کا مسعر پر بہت گہرا اثر پڑا تھا۔ ان کی ماں بھی مسجد میں نماز پڑھتی تھیں۔ اکثر دونوں ماں بیٹے ایک ساتھ مسجد جاتے مسعر نمدہ لیے ہوتے تھے۔ مسجد پہونچ کر ماں کے لیے نمدہ بچھا دیتے جس پر کھڑی ہو کر وہ نماز پڑھتیں، مسعر مسجد کے دوسرے حصہ میں نماز میں مشغول ہو جاتے۔ نماز تمام کرنے کے بعد ایک مقام پر بیٹھ جاتے اور شائقین حدیث آکر جمع ہو جاتے۔ مسعر انھیں حدیثیں سناتے، اس درمیان میں ان کی ماں عبادت سے فارغ ہو جاتیں۔ مسعر درس ختم کرنے کے بعد ماں کا نمدہ اٹھاتے اور ان کے ساتھ گھر واپس آتے۔ ان کے صرف دو ٹھکانے تھے۔ گھر یا مسجد۔ کثرت عبادت سے پیشانی پر اونٹ کے گھٹے کی طرح نہایت موٹا گھٹا پڑ گیا تھا۔ روزانہ شب کو نصف قرآن تمام کر ڈالتے تھے۔ ان کے صاحبزادے محمد کا بیان ہے کہ والد آدھا قرآن ختم کیے بغیر نہ سوتے تھے۔ تلاوت قرآن ختم کرنے کے بعد چادر لپیٹ کر سو جاتے تھے۔ ایک ہلکی سی جھپکی لینے کے بعد پھر اس طرح چونک پڑتے جیسے کسی کی کوئی چیز کھو گئی ہو اور وہ پریشان ہو کر اس کی تلاش کر رہا ہو، اٹھ کر وضو اور مسواک کرتے، پھر نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے۔ یہاں تک کہ نماز فجر کا وقت ہو جاتا۔ مگر اس زہد و عبادت کو انتہائی مخفی رکھتے تھے۔ ان کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ

وکان یجتهد علی اخفاء ذالک جدًا — وہ اس زہد و عبادت کو انتہائی مخفی رکھتے تھے۔

(صفوۃ الصفوۃ۔ ج ۲، ص ۷۲)

آخرت کا خوف اور رقت قلب آخرت کی باز پرس سے ہر وقت ترساں اور لرزاں رہتے تھے۔ ان کے ایک پڑوسی کا بیان ہے کہ ایک دن یکایک مسعر پر گریہ طاری ہو گیا۔ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر ان کی والدہ بھی رونے لگیں۔ مسعر نے پوچھا اماں جان آپ کیوں رو رہی ہیں۔ بولیں بیٹا میں نے تم کو روتے دیکھا اس لیے میں بھی رو پڑی۔ بیٹے نے کہا۔ اماں کل جو کچھ پیش آنے والا ہے

نوٹ:- آگے کے دو صفحات کی ترتیب غلط ہو گئی ہے۔ ہندسہ دیکھ کر پڑھیے! — مرتب

ابوجعفر نے ان کو اس خدمت سے معاف کر دیا۔

وفات باختلاف روایت سنہ ۱۵۳ھ یا ۱۵۵ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔ مرض الموت میں حضرت سفیان ثوری جو خود صاحب زہد و اتقا تھے، ملنے گئے تو دیکھا کہ مسعر پر گھبراہٹ اور رقت طاری ہے۔ بولے آپکے اوپر موت کی گھبراہٹ طاری ہو۔ حالانکہ میں تو ہر وقت موت کے لیے تیار رہتا ہوں اور اس وقت بھی تیار ہوں۔ مسعر نے حاضرین سے کہا کہ ان کو بٹھاؤ، حضرت سفیان بیٹھ گئے۔ اور پھر وہی بات دہرائی۔ مسعر بولے آپ کو اپنے اعمال پر اعتماد ہو اسلیے آپ مطمئن ہیں۔ مگر میری کیفیت تو یہ ہو کہ میں اپنے کو ایک پہاڑ کی چوٹی پہ سمجھتا ہوں اور نہیں سمجھتا کہ یہاں سے کس طرح اور کہاں گرایا جاؤں گا۔ یہ پُردرد الفاظ سُن کر حضرت سفیان کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں اور فرمایا کہ آپ مجھ سے بھی زیادہ خدا سے ڈرنے والے ہیں۔

عادات و اخلاق نہایت خوش اخلاق تھے۔ دوسروں کے جذبات کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ جب کبھی کوئی انھیں ایسی حدیث سناتا جس سے وہ خود اس شخص سے زیادہ واقف ہوتے تو محض اسکی دلشکنی اور احترام حدیث کے خیال سے انجان بن کر نہایت خاموشی سے سنتے تھے، زیادہ بولنا پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ عادت عنفوان شباب ہی سے پیدا ہو گئی تھی۔ ماں کی خدمت اور ان کا حد درجہ احترام کرتے تھے۔

ایک بار ماں نے عشا بعد پانی مانگا۔ وہ پانی لے کر آئے تو وہ سو چکی تھیں، انھوں نے جگانا مناسب نہ سمجھا پوری رات کھڑے رہ گئے کہ نہ جانے کس وقت ماں کی نیند ٹوٹ جائے۔ (طبقات شعرانی)

حکیمانہ اقوال فرماتے تھے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ محزون و غمگین آواز سنوں۔ اسلیے کہ اس سے موت اور آخرت کا تصور سامنے آتا ہو (بخلاف قہقہے اور چہچہے کے جنکے سننے سے آدمی کے اندر خدا سے غفلت پیدا ہوتی ہے)

فرماتے تھے کہ آدمی کے نفس کا جو تقاضہ بھی ہوتا ہو اس کے اوپر وہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہ گویا ترجمہ ہے اس حدیث کا۔

الاثم ما حاك فی نفسك گناہ وہ ہو جو آدمی کے دل میں کھٹکے۔

کسی نے ان سے کہا کہ آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ کوئی آپ کے عیوب آپ کے سامنے بیان کرے۔ فرمایا ہاں اگر وہ خیر خواہی کی بنا پر بیان کرتا ہو تو میں اس کو پسند کروں گا۔ اور اگر مقصد محض شماتت ہو تو پھر نہیں پسند کروں گا۔

اکثر حزنیہ اور آخرت کا تصور دلانے والے اشعار ان کی زبان پر ہوتے تھے۔

اس کے تصور سے میں اس قدر روتا ہوں۔ پوچھا وہ کیا، اس پر مسعر پھر پھوٹ پڑے اور روتے ہوئے جواب دیا، کہ اماں قیامت اور اس کی ہولناکی۔ یہ کہہ کر ماں کے پاس سے اٹھے اور چلے گئے تاکہ ان کی اس کیفیت سے ان کو مزید رنج نہ پہونچے۔

ابن جوزی نے لکھا ہے کہ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور نماز پڑھتے ہر وقت ان پر رقت طاری رہتی تھی۔ (صفوۃ الصفوۃ ص ۷۳)

وہ اس درجہ پر پہونچنے کے بعد بھی نہیں رُکے بلکہ ان کے روحانی مدارج ہمیشہ ترقی پذیر رہے، ابن عتبہ کا بیان ہے کہ میں نے مسعر کو خیر میں ہر روز ترقی کرتے دیکھا، معن کا بیان ہے کہ ہم نے ان کا ہر دن پہلے دن سے افضل پایا، وہ عبادت و ریاضت اور فضائل اخلاق کے اس درجہ پر پہونچ گئے تھے کہ لوگ ان کے جنتی ہونے میں کوئی شک نہ کرتے تھے۔ حسن بن عمارۃ کہا کرتے تھے کہ اگر مسعر جیسے آدمی بھی جنت میں داخل نہ ہوں گے تب تو جنتیوں کی تعداد بہت ہی کم ہوگی۔

ابن مبارک یا اسی درجہ کے کسی اور بزرگ نے ان کے فضائل سے متاثر ہو کر ان کی شان میں یہ اشعار کہے تھے۔

من کان ملتمساً جلیساً صالحاً	فلیات حلقۃ مسعر بن کدام
جس شخص کو اچھے جلیس کی تلاش ہو	اسکو مسعر بن کدام کے حلقہ میں آجانا چاہیئے
فیھا السکینۃ والوقار واھلھا	اھل العفاف و علیۃ الاقدام
اس میں سکینہ ہو اور وقار ہو اور اسکے ارکان	پاکباز اور اونچے درجے کے ہیں

دولت دنیا سے بے نیازی اس زندگی کا فطری نتیجہ یہ تھا کہ وہ دنیا اور اس کی شان و شوکت سے بالکل بے نیاز تھے۔ چنانچہ حکومت کے عہدوں کو وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ ابوجعفر عباسی آپ کا عزیز تھا اس نے ان کو کسی مقام کا والی بنانا چاہا۔ انھوں نے کہا کہ میرے گھر والے تو مجھے دو درہم کا سودا لانے کے لائق بھی نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں ہم تمہارا دو درہم کا سودا کرنا بھی نہیں پسند کرتے، اور تم مجھے والی بنانا چاہتے ہو۔ خدا تم کو صلاحیت دے ہماری قرابت داری ہے اس لیے ہمارا حق ہے (کہ ہم بھی کچھ کہہ سکیں) ان کے اس عذر پر

تعارف و تبصرہ

[کتاب بھیجنے سے پہلے کتاب کا موضوع، ضخامت اور مصنف کا نام لکھ کر دریافت فرما لیجئے کہ تبصرہ کے لیے قبول کی جا سکتی ہے یا نہیں ـــــ اس کے بغیر وصول ہونے والی کتابوں پر تبصرہ کی ذمہ داری نہیں ہے ـــــــــــ اِدارہ]

قادیانیت از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، صفحات ۲۰۸، کاغذ، کتابت و طباعت سب معیاری، سائز ۱۸×۲۲/۱۶، مجلد مع گرد پوش۔ قیمت -/۴

شائع کردہ:۔ مکتبۂ دینیات، شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور۔

کتب خانۂ الفرقان لکھنؤ سے بھی مل سکتی ہے۔

قادیانیت کے خلاف جو تحریک پاکستانی پنجاب میں سر ناظم الدین کے دورِ وزارت میں برپا ہوئی تھی اس کی گونج نے عالمِ اسلام کے حساس افراد میں قادیانیت کے بارے میں واقفیت سے ایک قدرتی دلچسپی پیدا کر دی تھی۔ چند سال بعد اتفاق سے ایک موقع آیا کہ عالمِ اسلام کی ممتاز علمی شخصیتیں لاہور میں جمع ہوئیں اور اس موقع پر ان کی اس دلچسپی کا اظہار ہوا۔ حسنِ اتفاق سے اس اجتماع کے چند دن بعد مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی اپنے شیخ حضرت رائے پوری مدظلہم العالی کی خدمت میں لاہور پہونچے اور وہاں پہونچتے ہی شیخ کی طرف سے آپ کے سپرد یہ کام ہوا کہ عالمِ اسلام خصوصاً عالمِ عربی کے لیے قادیانیت پر ایک کتاب عربی میں مرتب کریں۔ یہ کتاب "القادیانی والقادیانیۃ" کے نام سے مرتب ہوئی اور کوئی دو سال ہوئے شائع ہو چکی ہے۔ الفرقان میں اس پر تبصرہ ہو چکا ہے۔

یہ کتاب اپنے خاص انداز اور منفرد اسلوب کے لحاظ سے اس قابل تھی کہ دیگر زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہو۔ اور اس استحقاق میں سب سے پہلا نمبر اردو کا آتا تھا۔ خوشی کی بات ہے کہ کتاب کو اردو میں

منتقل کرنے کا کام خود مصنف ہی نے کیا۔ اور یہ اردو ایڈیشن ہی اس وقت زیرِ تبصرہ ہے۔ جو بعض مناسب اضافوں اور ترمیموں کی بنا پر "نقشِ ثانی" کا مصداق بن گیا ہے۔

یہ کتاب قادیانیت کا ایک تحقیقی جائزہ اور اصولی تجزیہ ہے۔ مصنف نے اس میں قادیانی تحریک کا اس کی بالکل ابتدا سے جائزہ لیا ہے اور پھر اپنا تاثر پیش کیا ہے۔ ایک باب میں تحریک کے زمانے اور ماحول کی خصوصیات پر نظر ڈالی ہے اور تحریک کی بنیادی شخصیتوں کے سوانح حیات کا تاریخی مطالعہ کیا ہے۔ دوسرے باب میں مرزا صاحب کی تصانیف اور دیگر قادیانی لٹریچر سے مرزا صاحب کے عقیدے کی تحقیق کی ہے۔ ان کی دعوت کی ابتدا اور اس کے ارتقائی مدارج کو متعین کیا ہے اور ان کے درجہ بدرجہ بڑھتے ہوئے دعووں کی دلچسپ ترتیب اور تیکنک کا نہایت متانت کے ساتھ جائزہ لیا ہے ــــ ان دو بابوں میں قادیانی تحریک کا تاریخی جائزہ تمام ہو جاتا ہے۔ لیکن کسی تحریک کا مطالعہ اس کے بانی کی شخصیت کے مطالعہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا اس لیے تیسرے باب میں مرزا صاحب کی تحریروں اور دیگر مستند بیانات ہی کے آئینے میں مرزا صاحب کے سیرت و کردار، ذہن و مزاج اور اُن کی زندگی کے خدو خال پر نظر ڈالی گئی ہے۔ اور اس باب میں بھی مصنف کے وقار اور سنجیدگی کا وہی عالم ہے کہ بڑے بڑے مضحکہ خیز مقام آتے اور دعوتِ طنز و استہزا دیتے ہیں۔ لیکن مصنف کمالِ متانت کے ساتھ اپنے مقصد پر نظر جمائے ہوئے گزرتے چلے جاتے ہیں۔ کتاب کا چوتھا اور آخری باب "تحریکِ قادیانیت کا تنقیدی جائزہ" کے نام سے موسوم ہے۔ اب تک مصنف کا زاویۂ نگاہ تحقیقی تھا کہ قادیانیت اور اس کے بانی کے بارے میں تاریخی حقائق و واقعات کیا ہیں؛ کس ماحول میں تحریک کا آغاز ہوا؟ کس طرح سے وہ پروان چڑھی، اور کس طرح منزل پر آکر ٹھہری؟ کس سیرت و کردار اور کس ذہن و مزاج کا اس کا بانی اور قائد تھا، اور واقعات کی روشنی میں کیا رنگ ڈھنگ اس کے نظر آتے ہیں؟ اس طالبعلمانہ تحقیق کے بعد مولانا کی نظر تنقیدی ہو جاتی ہے۔ اور وہ تحریک کو اس کی مکمل شکل میں سامنے رکھنے کے بعد اس فیصلے کے مقام پر آجاتے ہیں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اس تحریک کی کیا حیثیت قرار دی جائے؟ اسلامی تاریخ میں کس طرح کی تحریکوں سے اس تحریک کا رشتہ جڑتا ہے؟ اور ملتِ اسلامیہ کے حق میں یہ تحریک مضر سمجھے جانے کے قابل ہے یا مفید؟ ــــ یہی چوتھے باب کا حاصل ہے۔ اس میں قادیانیت کی لاہوری شاخ پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔

کتاب چونکہ قادیانی لٹریچر کے وسیع اور گہرے مطالعہ کا نچوڑ ہو۔ اس لیے مختصر ہونے کے باوجود اس میں ایک خاص وزن ہو۔ پھر اس حاصل مطالعہ کو پیش کرنے اور اس پر تبصرہ کرنے کا انداز ایسا اختیار کیا گیا ہے جس میں شگفتگی اور اُن طبائع کے لیے بھی دلچسپی ہے جو کلامی مباحثوں سے مناسبت نہیں رکھتیں۔ قادیانیت کے دعاوی، اس کے دلائل کی منطق اور مرزا صاحب کی شخصیت کے طول و عرض پر نظر کرتے ہوئے عام طور پر ایک حیرت ہوتی ہے کہ اس طرح کی تحریک اُس وقت کے پڑھے لکھے طبقے میں کیسے کامیاب ہوگئی۔ مولانا علی میاں غالباً وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنے تاریخی ذوق کی بنا پر آغازِ تحریک کے عہد و ماحول کی گفتگو چھیڑ کر، اس عقدے کو حل کر دیا اور بتایا کہ وہ زمانہ عام طور پر اور جس ماحول میں قادیانیت کا ظہور ہوا وہ ماحول خاص طور پر کسی ایسی تحریک کے لیے ذہنی اعتبار سے نہایت سازگار تھا۔ گفتگو مختصر ہونے کے باوجود بہت اطمینان بخش ہو تاہم اس زمانے اور ماحول کی بعض ایسی خصوصیات جو اب عام طور پر معروف نہیں ہیں اُن کے تذکرے میں اگر کچھ مثالیں اور حوالے بھی آجاتے تو اور اچھا ہوتا۔

یہ تو عام طور پر لوگ جانتے ہیں کہ مرزا صاحب کے دعاوی درجہ بدرجہ بڑھتے گئے ہیں لیکن اس کتاب کا یہ انکشاف غالباً نیا ہوگا کہ بعض دعووں کا القا اُن کے رفقا اور معتقدین کی طرف سے ہوا تھا اور اُن کی (معاذ اللہ) "نبوت" کا اعلان پہلے پہل خود ان کی زبان سے نہیں بلکہ نیاز مندوں کی زبان سے ہوا۔ مولانا نے ان حقائق کو مستند حوالوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔

قادیانیت دائرۂ اسلام سے باہر پھیلنے والی صرف ایک گمراہی ہی نہیں، بلکہ مولانا اس کے عقائد اور نظامِ فکر کے تجزیے سے اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ یہ نبوتِ محمدیؐ کے خلاف ایک بغاوت اور عقیدۂ رسالت و اُمتِ محمدیہ کے خلاف ایک گہری سازش ہے۔ اس نتیجہ کو انھوں نے تحلیل و تجزیہ کے نہایت معقول معیار سے ثابت کیا ہے۔ اور اس سازش کے تمام پردوں کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ اس مقام پر مولانا کے قلم کی پختگی، اسلوب کی شگفتگی، تنقید کی سنجیدگی و پرکاری اور دینی حمیت سے سرشاری کا کچھ ایسا حسین امتزاج ہوا ہو جو متاثر کیے بغیر نہیں رہتا۔

قادیانیت سے متاثر ہونے والے جن لوگوں کے دلوں پر مہر نہ لگ چکی ہو وہ اس کتاب کو پڑھ کر بہت صاف طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ ایک سچے نبی کا مزاج و کردار کیا ہوتا ہو اور اس کی روشنی

ہیں وہ بآسانی فیصلہ کرسکتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا دعوائے نبوت کس معاملہ کا مستحق ہے ــــ اس کتاب کا ایک ایک نسخہ کم از کم ہر لائبریری میں پہونچا دینے کی کوشش کرنا ہمارے نزدیک ایک دینی خدمت ہوگی۔

تبع تابعین جلد اول تالیف مولانا حافظ محمد مجیب اللہ صاحب ندوی. شائع کردہ۔ دارالمصنفین اعظم گڈھ۔ کاغذ اور کتابت وطباعت بہتر، صفحات ۵۷۴۔ سائز ۲۰×۲۶/۸، قیمت -/۸ روپے

سلف صالحین کے سوانح حیات کی نشر و اشاعت کی سعادت دارالمصنفین اعظم گڈھ کا خاص حصہ ہے۔ تبع تابعین (حصہ اول) دارالمصنفین کے اس سلسلہ کی تازہ ترین کتاب ہو جس میں اُمّت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات) کے تیسرے بزرگ ترین طبقہ کے ۱۹ بزرگوں کے سوانح حیات اور فضائل و کمالات قلمبند کیے گئے ہیں. جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

امام ابو یوسفؒ۔ امام محمدؒ۔ امام زفر۔ امام اوزاعی۔ ابن جریج۔ امام اسحٰق بن راہویہ۔ سفیان بن عُیَینہ۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک۔ امام شعبہ۔ مسعر بن کدام۔ عبد اللہ بن وہب۔ یحییٰ بن مَعین۔ یحییٰ بن سعید القطان۔ عبد الرحمٰن بن مہدی۔ علی بن مدینی۔ امام لیث بن سعد۔ حضرت فضیل بن عیاض۔ امام سفیان ثوری۔ یحییٰ بن آدم۔

ان بزرگوں میں بڑے بڑے مجتہدین، ائمہ حدیث اور اکابر اولیاء اللہ ہیں. تحصیل علوم میں جو مشقتیں ان بزرگوں نے اُٹھائیں اور پھر جو کمالات حاصل کیے۔ دینی علوم کی تدوین کے جو امٹ کارنامے ان کی محنتوں سے انجام پائے اور جس شغف و انہماک اور خلوص وللّہیت کا اظہار انھوں نے اس راہ میں کیا. فرمانروایان وقت کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی کیسی کیسی ایمان افروز مثالیں انھوں نے قائم کیں. اور استغناء و خودداری کے کیسے کیسے تابناک نقوش اسلامی تاریخ کی پیشانی پر ثبت کیے۔ ان کی زندگیوں میں فکر آخرت کی کیا کیا تابانی اور تعلق باللہ کی کیا جلوہ آرائی تھی۔ یہ ہیں وہ عنوانات جن کی تفصیل ہم اس کتاب میں پڑھ سکتے ہیں۔ اور خدا توفیق دے تو ان احوال کو بقدر ظرف اپنے اندر منتقل کرسکتے ہیں۔

چونکہ ان میں سے متعدد بزرگوں کی زندگیوں پر علمی خدمات کا رنگ غالب رہا ہے اس لیے قدرتی طور پر ان کے تذکروں کا رنگ بھی علمی زیادہ ہے۔ اور بعض علمی مباحث کی بنا پر اُن کے تذکروں میں دوسروں کی بہ نسبت پھیلاؤ بھی زیادہ آگیا ہے۔ مثلاً امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ کا تذکرہ۔

شروع میں مؤلف ہی کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ بھی ہے جو تبع تابعین کے ماحول سے واقف کرتا ہے اور ان کے کردار و عمل کی عظمت پر روشنی ڈالتا ہے۔ افسوس ہے کہ کتاب میں اغلاط بہت رہ گئی ہیں۔ ایک بلند پایہ علمی ادارہ میں یہ تساہل پایا جانا ٹھیک نہیں۔

اجتہادی مسائل

از مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی۔ شائع کردہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ، لاہور، صفحات ۳۶۰، سائز ۲۲×۱۸۔ مجلد قیمت ۴/۸

یہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور کے رکن جناب مولانا جعفر شاہ صاحب کے پینتیس مضامین کا مجموعہ ہے (جو غالباً سب ہی ادارہ کے آرگن ماہنامہ ثقافت میں شائع ہو چکے ہیں۔) نام سے معلوم ہوتا ہے کہ مجموعہ کے سب مضامین اجتہادی مسائل سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ لیکن بہت سے مضامین عام علمی نوعیت کے بھی ہیں۔ تمام مضامین کی روح مسائلِ دینیہ پر اجتہادی انداز سے غور کرنا ہے بعض مضامین کے عنوانات یہ ہیں۔

دین اور شریعت۔ فقہ جدید کی ضرورت۔ کیا اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہے۔ صحیح بخاری اور آغاز وحی کی روایت۔ تلاوت قرآن اور ایصال ثواب۔ اسلامی قانون وراثت لیلۃ القدر۔ اقتدار اسلامی کا تصور۔ وغیرہ ذالک۔

اس مجموعہ کے دو مضامین "ایک اجازت کی صراحت" اور "اقتدار اسلامی کا تصور" ہمیں بہت پسند آئے۔ ان کے علاوہ اور بھی بعض مضامین کے مطالعہ سے لوگوں کو کچھ مفید باتیں مل سکتی ہیں لیکن پوری کتاب سے بے کھٹک استفادہ کرنے کا مشورہ نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے کہ ایک طرف تو مولانا پر مجتہدانہ انداز فکر کا غلبہ ہے۔ دوسری طرف استدلال میں اجتہادی ذمہ داریوں کا حیرت انگیز حد تک فقدان بھی ان کے ہاں ملتا ہے۔ مثلاً تلاوت قرآن کے متعلق اس اعتقاد کی تغلیط کرتے ہوئے کہ "ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے" مولانا کی یہ تقریر کتنی سطحی قسم کی مغالطہ آمیزی سے لبریز ہے کہ

"تنہا الفاظ قرآنی کا زبان سے ادا کرنا محض ایک ابتدائی قدم ہے۔ ہر عربی جاننے

والا صبح سے شام تک سینکڑوں الفاظ ایسے بولتا ہے جو قرآن کے اندر موجود ہیں لیکن اسے ان الفاظ کے ادا کرنے کا کیا ثواب ملتا ہے؟ عربوں کو چھوڑیئے۔ آپ خود ہزاروں سینکڑوں قرآنی الفاظ روزانہ بولا کرتے ہیں۔ تو کیا ان کا کوئی ثواب ملتا ہو؟ آپ کہتے ہیں کہ کرسی اٹھا لاؤ "کرسی" کا لفظ قرآن میں موجود ہے جس میں چار حرف (بلکہ یائے مشدّد کو لیجئے تو پانچ حرف ہیں۔ تو کیا "کرسی" کہہ دینے سے آپ کو چالیس (یا پچاس) نیکیاں مل گئیں؟ کسی کو کہہ دیا کہ تم فرعون ہو، تو پچاس نیکیاں محض اس لیے مل گئیں کہ "فرعون" کا لفظ قرآن میں موجود ہے جس میں پانچ حرف ہیں اور ہر حرف کے عوض دس نیکیاں ہیں۔" الخ

(صـــ)

ہم کو یہ بدگمانی نہیں کرنا چاہیے کہ مولانا جان بوجھ کر لوگوں کو مغالطہ دے رہے ہیں۔ یقیناً ان کے ذہن نے ایمانداری کے ساتھ سوچا ہی اس طرح ہوگا۔ لیکن اس سے پھر یہ تو ظاہر ہی ہوتا ہے کہ ان کا ذہن کس قدر طفلانہ ٹھوکریں کھاتا ہے۔ نہ کوئی بھی ذی شعور آدمی ہوگا جو اس الزامی منطق پر مطمئن ہو سکے؟۔ کہاں عقیدت و احترام کے جذبے، "کلام الہیٰ" کے احساس اور آداب تلاوت (طہارت وغیرہ) کے لحاظ کے ساتھ قرآن مجید کا پڑھنا اور کہاں کلام الناس میں فرعونؔ ہامانؔ اور عرش و کرسی کے الفاظ بولنا، کوئی کامن سینس رکھنے والا آدمی بھی ہوگا جو ان دونوں کو ایک لاٹھی سے ہانکے! ——— مولانا جعفر شاہ صاحب کے ہاں ذہانت ہے، سلیقۂ تحریر و قوت انشاء ہے۔ مگر افسوس کہ سنجیدہ غور و فکر اور احساسِ ذمہ داری کی بڑی کمی ہے۔ اور اس کمی کا اثر اُن کی ہر تصنیف میں کم و بیش نمایاں ہوتا ہے۔

اعتذار گذشتہ شمارہ میں بعض کتابوں کے تبصرہ میں اُن کے ناشر کا پتہ درج ہونے سے رہ گیا تھا۔ اُن کتابوں کے نام اور پتہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء
۲۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام ——— ندوۃ المصنفین، اردو بازار جامع مسجد دہلی
۳۔ اسوۂ حسنہ
۴۔ تذکرۂ مشائخ دیوبند ——— مدنی دارالافتاء۔ بجنور۔ یو۔پی

ALFURQAN (Regd. No. A.353) LUCKNOW.

قرآن آپ سے — کیا کہتا ہے؟

از مولانا محمد منظور نعمانی

بلاشبہ قرآن مجید کی دعوت و تعلیم پوری انسانیت کے لئے آب حیات ہے ۔

لیکن ہماری دنیا اس سے نا آشنا ہے یہاں تک کہ اسکو "کلام الٰہی" ماننے والی

امت کی غالب اکثریت بھی اس سے بیگانہ ہے

یہ کتاب

اسی صورت حال کو سامنے رکھکر لکھی گئی ہے ۔

- یہ قرآنی دعوت اور اسکی اہم تعلیمات کا ایک جامع خلاصہ ہے ۔
- جس میں ۳۰ عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت مؤثر اور دل پذیر تشریحات کیساتھ جمع کیا گیا
- خاص طور پر قرآن کی دعوت توحید کا بیان اس کتاب کا شاہکار ہے ۔
- یہ اپنی طرز کی ایسی کتاب ہے جو قرآن کی دعوت سے روشناس کے ساتھ ساتھ قرآن سے اور اسکی زبان کا بھی لذت شناس کرتی ہے ۔

کتابت اعلیٰ ، طباعت عمدہ ، ۲۰۴ صفحات ، مجلد مع گرد پوش ، قیمت ۴/-

کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

Only cover printed at Allahabad Oriental Press Lucknow.

ماہنامہ

الفرقان لکھنؤ

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے

لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے، بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، وہ اس بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے، اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھیجی ہوئی اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے، اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔

جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اس کا عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ

ادارہ الفرقان

مسئول
محمد منظور نعمانی

مرتب
عتیق الرحمن سنبھلی

کتب خانۂ الفرقان کی مطبوعات

کلمۂ طیبہ کی حقیقت

از افادات مولانا نعمانی

اس میں اسلام کے مرکزِ دعوت
"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ"
کی تشریح پوری تحقیق کے ساتھ ایسے مؤثر انداز
میں کی گئی ہے کہ اس سے ایمان و یقین میں
اضافہ ہوتا ہے
اور دماغ کے ساتھ دل بھی متاثر ہوتا ہے

قیمت ۔ ۔ ۱۲/۰

نماز کی حقیقت

از افادات مولانا نعمانی

ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے
کہ نماز کے مقام اور اس کی روح و حقیقت سے
واقف ہونے کے لیے اس رسالہ کا مطالعہ ضرور
فرمائیں۔ "کلمہ طیبہ کی حقیقت" کی طرح یہ بھی عقل
جذبات اور دل و دماغ کو یکساں متاثر کرتا ہے

قیمت ۰/۱۲/۰

برکات رمضان

از افادات مولانا نعمانی

اسلام کے اہم رکن "صوم رمضان" اور ماہ رمضان
اور اس کے خاص اعمال و وظائف تراویح و
اعتکاف وغیرہ کے فضائل و برکات اور ان کی
روحانی تاثرات کا نہایت مؤثر اور شوق انگیز بیان
اور حکیم امت حضرت شاہ ولی اللہؒ کے طرز پر اس
سلسلہ کی احادیث کی ایسی تشریح جس سے دل بھی
متاثر ہو اور دماغ بھی مطمئن قیمت ۰/۱۲/۰

اسلام کیا ہے؟

تالیف مولانا نعمانی

اُردو اور ہندی دونوں زبانوں میں

اس کتاب کے ذریعے دلوں کا عام احساس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو
کوئی خاص مقبولیت و تاثیر عطا فرمائی ہے پچھلے چند سالوں میں تقریباً بیس ہزار اردو
میں اور کئی ہزار گجراتی میں شائع ہو چکی ہے
اسلام کے متعلق ضروری واقفیت حاصل کرنے کے لیے ہی نہیں بلکہ کامل مسلمان
اور اللہ کا ولی بننے کے لیے بھی اس کا مطالعہ ان شاء اللہ کافی ہے۔
زبان نہایت آسان ہونے کے ساتھ نہایت شیریں اور پُر تاثیر ہے۔ کتابت طباعت
عمدہ اور معیاری قسم اول کاغذ ولایتی مجلد ۲/۰/۰ قسم دوم کاغذ دیسی مگر عمدہ ۱
ہندی اڈیشن کاغذ اعلیٰ مجلد قیمت تین روپے ۳/۰/۰

آپ حج کیسے کریں؟

حج و زیارت کے متعلق اردو زبان میں بے شمار چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہو چکی ہیں لیکن یہ
کتاب (جو مولانا نعمانی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی گویا مشترک تالیف ہے) اپنی
اس خصوصیت میں اب بھی بے نظیر ہے کہ اس کے مطالعہ سے حج کا صحیح اور مسنون طریقہ
بھی تفصیل سے معلوم ہو جاتا ہے اور دل میں عشق و جذب اور ذوق و شوق کی وہ کیفیات
بھی پیدا ہو جاتی ہیں جو دراصل حج کی روح اور جان ہیں۔

کاغذ عمدہ .... قیمت مجلد ۲/۰/۰

آسان حج

یہ آسان زبان میں "حج کیسے کریں" کا خلاصہ ہے
ایسے کم تعلیم والے حضرات جو صرف آسان اور معمولی
اردو ہی پڑھ سکتے ہیں وہ اس کے مطالعہ سے پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔
طباعت معیاری .... قیمت ...... صرف ۰/۴/۰

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت

تالیف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
شروع میں مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم سے قابل قدر
فاضلانہ اور مسبوط مقدمہ ۲/۸/۰

ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ

مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی۔ قیمت ۱/۸/۰

امام ولی اللہ دہلویؒ

از مولانا عبید اللہ سندھیؒ ...... قیمت ۱/۰/۰

انیس نسواں

از محترمہ بیگم سید اصغر حسین صاحب

مسلمان خواتین خاص کر تعلیم یافتہ بہنوں میں
دین کی طرف سے جو بے فکری اور آخرت کی
طرف سے جو غفلت تیزی سے بڑھ رہی ہے اس کے
علاج اور انسداد کے لیے ایک محترم بہن نے یہ
رسالہ لکھا ہے شروع میں مولانا نعمانی کے قلم
سے پیش لفظ ہے ...... قیمت ۰/۱۰/۰

قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ

قیمت ۰/۹/۰

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین کے الزامات

قیمت ۱/۴/۰

معرکۃ القلم

اکابر دیوبند کی طرف سے مولوی احمد رضا خاں
صاحب بریلوی کے سنگین تکفیری الزامات کا آخری
تحقیقی جواب .... قیمت ۱/۰/۰

غیر ممالک سے سالانہ چندہ ... ا سنزازی خریداروں سے سالانہ چندہ ...	ماہنامہ الفرقان لکھنؤ فی کاپی آٹھ آنے (۸)	ہندوستان و پاکستان سے سالانہ چندہ (بسکۂ پاکستان) ... سالانہ چندہ (بسکۂ ہندوستان) ۶

جلد (۲۸) | بابتہ ماہ شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ مطابق فروری ۱۹۶۱ء | شمارہ (۸)

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحات
۱	نگاہِ اولیں	عتیق الرحمٰن سنبھلی	۳
۲	معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی	۱۱
۳	تجلیات مجدد الف ثانیؒ	مولانا نسیم احمد فریدی	۲۱
۴	غیر مسلم اکثریت کے ممالک میں مسلمان کا اندازِ حیات	مولانا سید ابو الحسن علی ندوی	۲۹
۵	آزاد اسلامی مکاتب اور جبریہ تعلیم	قاضی محمد عدیل عباسی	۴۰

اگر دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہو تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۸ فروری تک دفتر میں ضرور آ جانی چاہیئے۔ ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی، پی ارسال کیا جائے گا۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیج دیں۔

نمبر خریداری:۔ خط و کتابت اور منی آرڈر پر اپنا نمبر خریداری لکھنا ہرگز نہ بھولیے۔

تاریخ اشاعت:۔ الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۱۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں، ان کی اطلاع ۳۰ تاریخ کے اندر آ جانی چاہیئے۔ اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

مقام اشاعت دفتر الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

نگاہِ اولیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

شذرہ — ملک کی آزادی کے بعد روشن خیالی اور ترقی پسندی کے نام سے جس قدر وسیع پیمانہ پر اخلاقی انحطاط اور اخلاقی بحران رونما ہوا ہے وہ اخلاقی پابندیوں کی قیمت پہچاننے والوں اور ایک شریف اور مضبوط سماج کے لیے ان پابندیوں کی ضرورت سمجھنے والوں کے لیے ایک تشویشناک مسئلہ ہے۔

افسوس یہ ہے کہ ہماری قومی زندگی کے تعمیر کے وہ بنیادی ادارے جو اس انحطاط اور اس بحران پر بند باندھنے کی سب سے زیادہ مؤثر قوت اور افراد کے کردار پر اثر انداز ہونے کی فطری طور پر سب سے زیادہ اہلیت رکھتے تھے وہ خود ترقی پسندی اور روشن خیالی کے ایک غلط تصور سے مسحور ہو کر اُلٹے اس انحطاط اور بحران کو تقویت پہونچا رہے ہیں۔

قومی تعمیر کے بنیادی اداروں سے ہماری مراد ملک کی تعلیم گاہیں ہیں۔ تعلیم گاہ ہی وہ پہلا ادارہ ہوتا ہے جس کے آغوش میں افراد کے مخفی رجحانات اور ان کی استعدادوں کو رہنمائی ملتی اور فکر و عمل کی قوتوں کے رُخ بنتے ہیں۔ تعلیم گاہوں کا واحد مقصد افراد کی ذہنی اور فکری قوتوں کا صحت مند نشوونما اور اُن کی عملی استعدادوں کی ایسی رہنمائی ہے کہ وہ انسانیت کے پاکیزہ تصور سے میل کھاتی ہوئی زندگی گزارنے کی طرف راغب اور کشمکشِ حیات میں زمانے کے مطالبات کا جواب دینے کے قابل ہو سکیں، اور اُن کے اجتماع سے ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے جو ایک طرف اخلاقی بلندیوں کا حامل ہو، دوسری طرف باعزت اور آزاد زندگی کی عصری ضروریات میں خود کفیل ہو۔

یہ ہے تعلیم کا وسیع سے وسیع تر مقصد، لیکن ہماری تعلیم گاہیں اپنے اس مقصد کے دونوں رخوں کے اعتبار سے روز بروز ناکامی کی طرف بڑھ رہی ہیں، نہ عصری علوم و فنون میں ٹھوس لیاقت اور قومی ذمہ داریوں کا احساس رکھنے والے افراد کی شرح پیدائش ہی اطمینان بخش ہے، نہ عام طور پر اخلاقی پاکیزگی کا کوئی حصہ لے کر ہی زیر تعلیم نسل اُٹھ رہی ہے، خصوصاً اخلاقی پاکیزگی کے بارے میں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے تعلیم گاہوں کا ماحول اس کے لیے بالکل ہی ناساز گار ہو چکا ہے۔

مقصد تعلیم کے اعتبار سے تعلیم گاہوں کے یہ غیر تسلی بخش بلکہ اُلٹے نتائج ایک ایسی حقیقت ہیں کہ ان کے ازالہ کے لیے سرکاری کمیشن اور کمیٹیاں بیٹھ چکی ہیں۔ اور حد یہ ہے کہ ہماری سیکولر حکومت کو تعلیم گاہوں میں ایک خاص نہج سے مذہبی تعلیم کی منظوری دے دینی پڑی ہو۔ — لیکن کیا تعلیم گاہوں کا یہ بگاڑ صرف مذہبی تعلیم کے نہ ہونے کا نتیجہ ہے، اور صرف مذہبی تعلیم کی مجوزہ اسکیم نافذ ہو کر اس صورت حال کو تبدیل کر سکتی ہے؟ ہمارے خیال میں یہ توقع بالکل غلط ہو گی، اس لیے کہ اس بگاڑ کے عوامل مذہبی تعلیم کے عدم سے بھی زیادہ دوسرے ہیں۔ اور ان کو ختم کیے بغیر ان کی پیدا کردہ صورت حال مذہبی تعلیم کے منتر سے ختم نہیں کی جا سکتی۔

تعلیم گاہوں کے اس اخلاقی بحران کا اصل سبب یہ ہو کہ آزادی کے بعد ملک کی نئی تعمیر اور ترقی کے لیے دنیا کے جن ملکوں کو ہم نے نمونہ بنا کر سامنے رکھ لیا ہو اُن کی زندگی اور اُن کے تمدن کی تمام وہ باتیں ہم اختیار کر لینا چاہتے ہیں جو ہم میں نہیں ہیں یا ہم ان سے پیچھے ہیں۔ اس کام کے لیے تعلیم کی عمومیت کے اس دور میں چونکہ تعلیم گاہیں بہت کامیاب ذریعہ ثابت ہو سکتی تھیں اسلیے تعلیم گاہوں میں ان باتوں کو سکھانے اور اس طرح کا ترقی پسندانہ ذہن بنانے کی ہمت افزائی کی جانے لگی۔ یورپ اور امریکا میں عورت اور مرد کے درمیان کوئی حجاب اور کوئی دیوار نہیں، دونوں زندگی کے ہر میدان میں دوش بدوش نظر آتے ہیں، چنانچہ ہمارے ہاں بھی یہ کیفیت پیدا کرنے کے لیے تعلیم گاہوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کی یکجائی اور اُن کے آزادانہ اختلاط کی ہمت افزائی کی گئی اور یہ ترقی کا نشان بن گیا۔ —

— پھر یہ دیکھا گیا کہ ان کے ہاں یہ اختلاط رنگ لا چکا تو یہ نہیں [illegible]

رنگا رنگ کلچرل پروگراموں اور یوتھ فیسٹولز کے ذریعہ اس اختلاط میں رنگینیاں پیدا کی گئیں۔

یہ اور اسی قبیل کی اور چیزیں ہیں جنھوں نے ہمارے ناپختہ طلبا اور طالبات کی جنسی رگوں کو اس بری
طرح چھیڑ دیا ہو کہ جس قدر بھی ان کے جنسی میلانات قابو سے باہر ہو جائیں کم ہیں۔ اور جنسی میلانات کا
بے قابو ہونا یا دل و دماغ پر حاوی ہو جانا ہی وہ جڑ ہے جس سے کسی سوسائٹی میں وسیع پیمانہ پر اخلاقی
گراوٹ اور ناپاکیزگی کی کونپلیں پھوٹتی ہیں۔ چنانچہ آج اگر ایسے خاندانوں کا کسی ذریعۂ تفتیش کے ذریعہ شمار
کیا جا سکے جو ترقی پسندی کے اس اندھے تصور کے ہاتھوں روحانی جراحتیں اٹھا رہے ہیں تو معلوم ہوگا
کہ یہ جنسی ہیجان جو ہماری تعلیم گاہوں کے طفیل برپا ہو رہا ہے اس نے کتنے وسیع پیمانے پر ہماری اخلاقی
قدروں کو پامال کر کے رکھ دیا ہے۔ مگر وہ خاندان بھی جنھیں اخلاقی قدروں کے بارے میں کم از کم اتنی
حس ہو کہ روحانی صدمہ قبول کیے بغیر نہیں رہتے۔ چونکہ زمانے کا رنگ یہ دیکھتے ہیں کہ عفت و عصمت
سے زیادہ تعلیم اور ڈگری کی قیمت ہو' اس لیے صدمے اٹھائے جاتے ہیں، خوف کو انگیز کیے جاتے ہیں۔
اور اپنی اولاد کے اس تعلیمی ماحول پر عملاً راضی رہتے ہیں، ورنہ اگر کہیں ان کی یہ حس اتنی طاقتور ہوتی
کہ کسی خوف اور کسی صدمہ پر اس تعلیمی ماحول کا بائی کاٹ کرنے پر آمادہ کر دیتی تو ہم صحیح اندازہ کر سکتے
کہ یہ ماحول جو آج ہماری تعلیم گاہوں میں پیدا کر دیا گیا ہے شرافت اور اخلاقی پاکیزگی کے لیے کس قدر
سم قاتل ہے، لیکن آج بھی جبکہ بہت کچھ پردے پڑے ہوئے ہیں وہ نتائج جو ہمارے سامنے ہیں
اس حقیقت کا اندازہ کرانے کے لیے کچھ کم نہیں ہیں۔

اور پھر یہی نہیں کہ یہ جنسی میلانات کا ابھار ہمارے نوجوانوں کی صرف اخلاقی پاکیزگی کو تباہ کر رہا ہو
بلکہ طلبہ میں آج جو شوریدہ سری، نظم و ضبط سے سرکشی، طالبعلمانہ روایات سے دوری، علمی دلچسپیوں
کی کمی اور ان سب کے نتیجہ میں ٹھوس علمی لیاقت سے تہی دستی ہم دیکھ رہے ہیں، اور جن کے ذکر سے
ہمارا کوئی تعلیمی مذاکرہ اور کسی یونیورسٹی کا کانووکیشن خالی نہیں جاتا، حقائق سے کھلی چشم پوشی ہے اگر ہم
ان چیزوں کے اسباب کی فہرست بتاتے ہوئے اس جنسی میلان کے ابھار کو نظر انداز کر جاتے ہیں جد
یہ ہو کہ معاشی مستقبل کی طرف سے بے اطمینانی کو تو لوگ ان چیزوں کے اسباب میں شامل کرتے، بلکہ بعض

..گ تو اس کو سرفہرست رکھتے ہیں (حالانکہ یہ بات گنے چنے طلباء کے بارے میں صحیح ہو سکتی ہے) لیکن یہ بات جو طلباء کی بیشتر تعداد کے اعتبار سے واقعہ میں سب سے بڑا سبب ہو اسے بالکل بھول جاتے ہیں ـــ غالباً اس لیے کہ اس سے ان کے ترقی پسندانہ تصور پر بڑی ضرب پڑتی ہے۔

بہرحال یہ ایک حقیقت ہے خواہ اس سے کتنی بھی نظریں چرائی جائیں، کہ طلباء میں بدنظمی، سرکشی علمی دلچسپی کی کمی اور مطلوبہ تعلیمی نتائج کا فقدان، سب سے زیادہ اسی جنسی مغلوبیت کا نتیجہ ہے جس میں انھیں خود ان کے تعلیمی ماحول نے مبتلا کر دیا ہے۔

غالب نے کہا تھا

عشق نے غالبؔ نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

ہمارے طلبہ کا سارا المیہ بعینہٖ یہی ہے، ان کی جو جنسی حس بھڑک اٹھی ہے وہ انھیں اپنی فطرت کے مطابق ہر اُس وادی میں لیے بھٹک رہی ہے جہاں اسے غذا فراہم ہوتی ہو، پکچر میں انکی اس حس کو غذا ملتی ہے۔ بس وہ چاہتے ہیں اور چاہتی ہیں کہ قضا نہ ہونے پائے۔ فحش اور رومانٹک لٹریچر میں انھیں جنسی لذت ملتی ہے، ان کی درسی کتابوں کے ساتھ اس قسم کی ایک کتاب ضرور آپ کو دبی ہوئی ملے گی ان کا کمرہ اس طرح کے رسالوں سے خالی نہیں ہو سکتا، اور ان کے بستر سے یہ لٹریچر کبھی جدا نہیں ہو سکتا۔ کیا اس قسم کی بیماریاں رکھنے والوں سے ٹھوس علمی انہماک اور نظم وضبط کی پابندی کی توقع کی جا سکتی ہے؟۔ انھیں ان بیماریوں کے نتیجے میں دماغی اور قلبی اعتبار سے جس حالت میں رہنا چاہیے اس کا تو تقاضہ ہی یہ ہے کہ ان میں نہ علمی دلچسپی ہو نہ نظم وضبط کی پابندی۔

یہ المیہ تو ملک کی تعلیم گاہوں کا عمومی طور پر ہے اور اس پر ہمارا کوئی بس نہیں، لیکن ہمارے لیے اس عموم میں ایک خصوصی المیہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ خاص مسلمانوں کے انتظام میں چلنے والی اور مسلمانوں کے لیے قائم کی جانے والی جدید تعلیم گاہوں پر بھی اس ترقی پسندی کا سایہ بڑی تیزی سے پڑتا جارہا ہے جس کے نتائج سے اسلامی شعور متاثر ہوتا ہے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جو مسلمانوں کا سب

بڑا تعلیمی ادارہ ہے وہ روز بروز ترقی پسندی کے اس غیر اسلامی تصور کے سایہ میں آتا جارہا ہے۔
یہی حال مسلمانوں کے بہت سے کالجوں خصوصاً زنانہ کالجوں کا ہوتا جارہا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ مسلم یونیورسٹی اور مسلم اسکولز اور کالجز جدید تعلیم کے حصول کے لئے وجود میں آئے تھے اور اس کے ساتھ جدید تہذیب کا لازمہ بھی ایک حد تک لگا ہوا تھا، اس لئے اس کا تو کوئی سوال نہیں کہ ان تعلیم گاہوں میں دینی مدرسوں کے طور طریقے رواج پائیں۔ اور وہاں کے حدود و قیود یہاں کے ماحول پر نافذ کئے جائیں، لیکن یہ بات بھی تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس جدید تعلیم کے ساتھ اسلامیت کا کوئی سوال ہی اس یونیورسٹی اور ان اسکولوں اور کالجوں کی تاسیس میں سامنے نہیں رکھا گیا تھا بلا شبہ یہ سوال سامنے رکھا گیا تھا۔ دینیات کی تعلیم ان میں سے ہر جگہ لازمی تھی۔ لڑکیوں کے پڑھنے اور لڑکوں کے ساتھ عدم اختلاط کا اہتمام تھا۔ مسلم یونیورسٹی میں تو طلباء کا لباس بھی متعین تھا۔ نماز لازمی تھی۔ یہ سب اگر طلباء میں اسلامیت کے تحفظ کا اہتمام نہیں تھا تو کیا تھا؟ —— اس لئے یہ تو ٹھیک ہے کہ مسلم یونیورسٹی اور جدید تعلیم کے دوسرے مسلم اداروں کو دیوبند اور ندوہ کے رنگ میں نہیں ڈھالا جا سکتا۔ لیکن اِن اداروں کے دنیوی اور عصری تعلیم کے ادارے ہونے کا یہ مطلب بھی تو کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ جس درجہ کی اسلامیت کا تحفظ دنیوی اور عصری تعلیم کے ساتھ ممکن ہے اس سے بھی صرفِ نظر کر لیا جائے۔

ہمارے اِن جدید تعلیمی اداروں میں ترقی پسندی کی ملک گیر لہر کے زیر اثر آج جو کچھ ہونے لگا ہے۔ اس کو بالکل بجا ثابت کرنے کے لئے اس ترقی پسندی کے بعض حامی ایک عجیب مغالطہ آمیز منطق بگھارتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صاحب اِن اداروں کا مقصد تو مسلمانوں کو تحصیل دنیا کے قابل بنانا ہے۔ انھیں ایسا بنانا ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ دنیاوی عزت و کامیابی حاصل کر سکیں۔ لہٰذا دنیا میں جن باتوں کا چلن ہوگا، اِن اداروں کو اپنے مقصد کے اعتبار سے ضروری ہوگا اپنے طلباء کو اُس کے مطابق ڈھالیں! —— ذرا اس منطق پر غور تو کیجئے۔ کس طرح تعلیمی اداروں کے اعلیٰ مقاصد اور اُن کی معنوی حیثیت کی مٹی اس میں پلید کی گئی ہے۔ گویا یہ تعلیمی ادارے نہیں ہوئے کارخانے

اور فیکٹریاں ہوگئیں کہ بازار کی مانگ کے مطابق مال ڈھال ڈھال کر ان میں سے نکالا جائے۔ مسلمانوں کے دام دنیا کی منڈی میں نہیں اٹھ رہے تھے اس لئے مسلم یونیورسٹی کے نام سے ایک فیکٹری اور مسلم تعلیمی اداروں کے نام سے جگہ جگہ کارخانے کھولے گئے جو اس جنس کے کچے مال کو بازار کی مانگ کے مطابق سانچوں میں ڈھال ڈھال کر نکالیں۔ دنیا میں رقص و سرود کا چلن ہے اور اس صنف پر بڑی قیمت اٹھتی ہے تو بہترین رقاص اور موسیقار تیار کئے جائیں۔ دنیا ایکٹرس اور ایکٹریسوں پر دولت و عزت نثار کرتی ہے تو اس نوع کے اعلیٰ سے اعلیٰ ماڈل تیار کرکے بازار میں لائے جائیں۔

بیشک، اگر یہی ہمارے اِن تعلیمی اداروں کی نوعیت ہے، اور وہی ان کا مقصد ہے جس کی ترجمانی اوپر کے الفاظ میں کی گئی ہے تو پھر یہ جو کچھ ہو رہا ہے، بجا ہی نہیں ضروری بھی ہے، بلکہ ضرورت کے تقاضے ابھی کچھ اور بھی ہیں جن کی طرف قدم بڑھنا چاہیئے! لیکن ہم اگر یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اِن اداروں کی یہ نوعیت اور ان کا یہ مقصد ٹھیرانا اُن کی تذلیل ہے، اگر ہم سمجھتے ہیں کہ تعلیم گاہوں کے متعلق یہ تصور پستی فکر و نظر کی پستی کا وہ ثبوت ہے جس سے آگے کسی ثبوت کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اور ہم تعلیم گاہوں کے بارے میں اس سے کوئی بہت اونچا اور بہت اونچا تصور رکھتے ہیں، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ تعلیم کا مقصد انسان کے ذہن کو روشن کرنا ہے، اسکی فکری قوتوں کی صحت مندانہ ساخت و پرداخت ہے اور اسکی عملی استعدادوں کی ایسی رہنمائی ہے کہ وہ انسانیت کے پاکیزہ تصور سے میل کھاتی ہوئی زندگی گزارنے کی طرف راغب ہوسکے —— اور خاص جدید تعلیم کے معنیٰ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اُن نئی تحقیقات اور اُن نئے علوم و فنون سے واقفیت حاصل کی جائے جن کے بغیر آج کے دور میں علمی اور مادی ترقی کے میدان میں دوسری قوموں سے مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ تو پھر ترقی پسندی کے یہ مظاہر جو اپنائے جارہے ہیں خاص جدید تعلیم کے تصور کی رو سے تو غیر ضروری اور تعلیم کے عام تصور کے اعتبار سے نامناسب بھی۔ اور طلبا میں اسلامیت کے تحفظ کا سوال بھی لایا جائے تو سخت قابلِ اعتراض!

طلبا کے تفریحی مشاغل کی ضرورت سے ہمیں انکار نہیں، لیکن اُس طرح کے تفریحی مشاغل کا انتخاب آخر کیا معنیٰ رکھتا ہے جو اخلاقی اعتبار سے غیر صحتمندانہ رجحانات پیدا کریں اور انسانیت

کے پاکیزہ تصور کی مٹی پلید کرتے ہوں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن کے ساتھ اسلامیت کے تحفظ کا کوئی امکان باقی نہ رہتا ہو۔ حیرت ہوتی ہے کہ پچھلے دنوں مسلم یونیورسٹی کورٹ کی ایک میٹنگ میں یوتھ فیسٹولز کی مروجہ نوعیت کی مخالفت میں ایک تجویز آئی تو یونیورسٹی کے ایک اعلیٰ استاذ نے اس تجویز کی مخالفت میں یہ تقریر جھاڑی کہ ہم اِن پروگراموں کے ذریعہ دونوں جنسوں کو یکجائی کا موقع دے کر دراصل اِن کے جنسی محرکات کو کم کرنے کی خدمت انجام دیتے ہیں —— تقریر بہت خوب! لیکن کون نہیں جانتا کہ اِن خوشنما فلسفوں کے پیچھے حقائق کا کیسا مکروہ ناچ ہوتا ہے۔ ان حقائق کی کراہت کو محسوس کرنے والا کوئی شخص بھی اِن یوتھ فیسٹولز کے حق میں رائے نہیں دے سکتا۔ چنانچہ اگر ہماری یادداشت غلطی نہیں کرتی تو، چند ہی ماہ ہوتے ہیں کہ وائس چانسلروں کے ایک اجتماع میں ایک غیر مسلم وائس چانسلر نے انھیں حقائق کی بنا پر اِن فیسٹولز کی مخالفت کی۔

دراصل یہ یوتھ فیسٹول اور دوسرے کلچرل پروگرام جو مسلم یونیورسٹی اور دوسرے مسلمان تعلیمی اداروں میں نہایت خوشنما فلسفوں کے سہارے رواج دئے جارہے ہیں، یہ اِن اداروں کی اسلامیت کے خلاف ایک گہری سازش ہے۔ ملک کی آزادی کے بعد مختلف اثرات کے ماتحت بہت سے اِن اداروں میں ایک طبقہ داخل ہوگیا ہے جس کے نام مسلمانوں کے ہیں لیکن وہ اندر سے قطعاً مسلمان نہیں ہے۔ وہ الحادی فلسفوں پر یقین رکھتا ہے اور ان کا داعی ہے۔ اِن اداروں میں نفوذ کے ذریعہ دراصل اُسے وہ کمین گاہیں مل گئی ہیں جہاں بیٹھ کر وہ مسلمان نسلوں کا شکار کرسکے۔ اس کھلاڑی گروہ کو خوب معلوم ہے کہ نوجوانوں کی کمزور رگ کیا ہے، اُس نے اسی کمزوری کو نشانہ بنالیا ہے۔ یہ سارے کلچرل پروگرام اسی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کے ذرائع ہیں —— ان پروگراموں میں طبعی طور پر نوجوانوں کو بڑی لذت اور بڑا حظ و سرور حاصل ہوتا ہے۔ اور اس لذت و سرور سے آشنا ہونے کے بعد وہ یقیناً اس دام سے نکل نہیں سکیں گے۔ اور پھر وہ اسلام اور کسی بھی مذہب کو پسند نہیں کرسکتے جو اس لطفِ حیات سے روکتا ہو۔ وہ یقیناً اسے تاریک خیالی اور انسانی اُمنگوں کے حق میں ایک شکنجہ گردانیں گے اور رد کردیں گے۔ اور زندگی کے اِن ملحدانہ فلسفوں کے علمبردار رسیا نظر آئیں گے۔ جن سے اِن کلچرل خوش فعلیوں کا جواز ہی نہیں ضرورت ثابت

ہوتی ہے اور جن کی بنیادوں پر قائم ہونے والا تمدن بغیر ان خوش فعلیوں کے مکمل نہیں ہوتا۔

یہ ہے پورا خاکہ اس سازش کا! اب ہوا کریں ہمارے اِن اداروں میں اسلامیات کے شعبے اور دینیات کے گھنٹے۔ اور ہوا کریں مولوی صاحبان کی تقرریاں۔ یہ سب ایک طرف رہ جائیں گے اور یہ سازش اگر آزادی سے راستہ پاتی رہی تو ہماری نئی نسل کو اسلام کے ہاتھوں سے نکال کر الحاد کی گود میں لیجا بٹھائے گی ——— پس جو کوئی اِن اداروں کے نظم ونسق میں دخیل ہے اور وہ ان میں اسلامیت کا تحفظ محبوب رکھتا ہے۔ اس نے اگر ابتک نہیں سوچا ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے تو اب اُسے کسی تاخیر کے بغیر سوچ لینا اور سمجھ لینا چاہیئے۔ اور جو والدین اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو اِن اداروں میں دین وایمان لُٹوانے کے لئے نہیں بلکہ صرف جدید تعلیم پانے کے لئے بھیج رہے ہیں ان کو بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ انھوں نے اگر اس سازش کے خلاف آج آواز نہ اُٹھائی تو اسکے پھیلائے ہوئے زہر کا علاج کل اُن کے بس میں نہ ہوگا۔

ہمارے یہ جدید تعلیم کے ادارے ہماری ملّی زندگی کی ایک بنیادی ضرورت ہیں۔ ہم اِن کو پھلتا پھولتا اور ترقی کرتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں، اِن کے بقا اور تحفظ کے لئے ہمیں سب کچھ کرنا چاہیئے۔ لیکن ساتھ ہی اس پر بھی نظر رکھنی چاہیئے کہ ان کی روش خود ہمارے اُس ملّی وجود کے خلاف ہی نہ پڑ جائے جس کی خاطر ہم اِن اداروں سے محبت رکھتے اور اِن کے پھلنے پھولنے کے آرزومند ہیں۔ اور جس ملّت کو جدید تعلیم کی قوت بہم پہنچانے کے لئے یہ وجود میں آئے تھے، کہیں کسی سازش کا آلۂ کار بن کر اس ملّت کے وجود ہی کا تیا پانچہ نہ کر ڈالیں۔

آج ملک کی عام تعلیم گاہیں ترقی پسندی کی لہر سے متأثر ہو کر جس ڈگر پر چل پڑی ہیں، اسی ڈگر کو ہمارے اداروں کا بھی اپنا لینا کوئی خوش آئند بات نہیں ہے۔ یہ وہ ڈگر ہے جس کے کانٹے پائے اخلاق وشرافت کو چھلنی کئے دے رہے ہیں، اور ملک کا ضمیر اِن کانٹوں کی چبھن سے تڑپنے لگا ہے۔ ایسے وقت میں خود ملک کی بھی بڑی خدمت یہ ہے کہ ہم اسکے سامنے تعلیم گاہوں کا ایک ایسا نمونہ پیش کریں جو تعلیمی نشانوں کو نہایت اعلیٰ پیمانہ پر پورا کرنے کے ساتھ ساتھ

شرافت و پاکیزگی کا بھی مرقع ہوں۔ اور آج کے تعلیمی ماحول کی اندھیریوں میں لوگوں کو روشنی کی ایک کرن نظر آئے۔ ہماری تعلیم گاہیں اپنی سابقہ اسلامی روایات کو پورے خلوص کے ساتھ اگر برقرار رکھیں تو یہ مقام انھیں کا حصہ ہوگا۔ اور وہی تعلیمی ماحول کی اصلاح میں پیشروی کا اعزاز پائیں گی۔

معارف الحدیث

(مسلسل)

نماز کے اوقات :- (۲)

(۱۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ اِلَى الْعَوَالِي فَيَاْتِي الْعَوَالِي وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ ۔ ——— (رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ آفتاب بلند اور زندہ ہوتا تھا۔ پس عوالی (یعنی مدینہ کی بالائی آبادیوں) کی طرف جانے والا آدمی (حضور کے ساتھ نماز عصر پڑھ کے) چلتا تھا تو وہ عوالی ایسے وقت پہونچ جاتا تھا کہ آفتاب اس وقت بھی اونچا ہوتا تھا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر عطا فرمائی[۱] پہلی صدی ہجری کے اواخر میں ان کی وفات ہوئی ہے، خلافت راشدہ کے خاتمہ کے بعد اموی حکومت کے بھی تقریباً پچاس سال انھوں نے دیکھے ہیں، ان کے زمانہ میں بنو امیہ کے بعض خلفاء اور اُمراء عصر کی نماز میں بہت

---

[۱] حضرت انس مشہور ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم تھے۔ جب حضورؐ مدینہ تشریف لائے تو ان کی عمر تقریباً دس سال کی تھی، ان کی والدہ ام سلیم نے ان کو آپ کی خدمت میں دے دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں دینی تعلیم کی خدمت کے لیے بصرہ منتقل ہوگئے تھے اور وہیں وفات پائی۔

تاخیر کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کے اس طرز عمل کو بہت غلط اور خلاف سنت سمجھتے تھے، اور حسب موقع اپنی اس رائے کا اظہار بھی فرماتے تھے، اس حدیث کے بیان کرنے سے بھی ان کا مقصد یہی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول عصر کی نماز میں اتنی تاخیر کا نہیں تھا، آپ ایسے وقت عصر پڑھتے تھے کہ آفتاب خوب بلند اور اپنی حرارت اور روشنی کے لحاظ سے بالکل زندہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ آپ کے ساتھ عصر پڑھ کے اگر کوئی شخص عوالی کی طرف جاتا تو جس وقت وہ وہاں پہونچتا اس وقت تک بھی آفتاب بلندی پر ہوتا۔

عوالی مدینہ طیبہ کے قریب کی وہ آبادیاں کہلاتی ہیں جو بجانب مشرق تھوڑے سے فاصلہ پر ہیں۔ ان میں سے جو قریب ہیں وہ دو تین میل پر ہیں اور جو دور ہیں وہ پانچ چھ میل پر ہیں۔

اب سے قریباً ۲۲-۲۳ سال پہلے کی بات ہو کہ یہ ناچیز امروہہ ضلع مرادآباد میں تدریسی خدمت پر مامور تھا۔ بارہا ایسا ہوتا تھا کہ عصر کی نماز مدرسہ کی مسجد میں پڑھ کر موضع حاجی پور کو روانہ ہوتا (جہاں سے رشتہ داری کا کچھ تعلق تھا اور جو امروہہ سے قریباً ۵ میل پر ہے) اور اکثر مغرب کے وقت وہاں پہونچ کے مغرب کی جماعت میں وہاں شریک ہو جاتا۔

(۱۹) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى إِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهَا إِلَّا قَلِيْلًا ـــــ (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ منافق والی نماز ہے کہ آدمی بیٹھا ہوا آفتاب کا انتظار کرتا رہے یہاں تک کہ جب وہ زرد پڑ جائے اور شیطان کے دو قرنوں کے درمیان ہو جائے تو کھڑا ہو اور چار ٹھونگیں مارے اور ان میں اللہ کو بہت ہی تھوڑا یاد کرے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ عصر کی نماز میں بلا کسی مجبوری کے اتنی تاخیر کرنا کہ آفتاب میں زردی آجائے اور اس آخری اور تنگ وقت میں مرغ کی ٹھونگوں کی طرح جلدی جلدی چار رکعتیں پڑھنا جن میں اللہ کے ذکر کی مقدار بھی بہت کم اور بس برائے نام ہو، ایک منافقانہ عمل ہے، مومن کو چاہیے کہ ہر نماز خاص کر عصر کی نماز اپنے صحیح وقت پر اور طمانیت اور تعدیل کے ساتھ پڑھے ـــ جلدی

جلدی رکوع سجدہ کرنے کی کیفیت کو مرغ کی ٹھونگوں سے تشبیہ دی گئی ہے، غالباً اس سے بہتر کوئی تشبیہ نہیں ہو سکتی۔

"شیطان کے دو قرنوں" کے درمیان آفتاب کے طلوع اور غروب ہونے کا ذکر بعض اور احادیث میں بھی آیا ہے۔ ہم جس طرح شیطان کی پوری حقیقت نہیں جانتے، اسی طرح اس کے دو قرنوں اور ان کے درمیان آفتاب کے طلوع و غروب کی حقیقت بھی ہمارے معلومات کے دائرے سے باہر کی چیز ہے اور جیسا کہ بعض شارحین نے لکھا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی تشبیہ و تمثیل ہو۔ واللہ اعلم

(۲۰) عَنْ اَبِی اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ اَوْ قَالَ عَلَی الْفِطْرَۃِ مَا لَمْ یُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ اِلٰی اَنْ تَشْتَبِکَ النُّجُوْمُ ——— (رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت ہمیشہ خیر کے ساتھ رہے گی (یا فرمایا کہ طریقۂ فطرت پر رہے گی) جب تک کہ مغرب کی نماز اتنی موخر کر کے نہ پڑھے کہ تارے گنجان ہو جائیں۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) مغرب کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً اول وقت ہی پڑھتے تھے، اور جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، بلا کسی عذر اور مجبوری کے اس میں اتنی تاخیر کرنا کہ تاروں کا جال آسمان پر پھیل جائے ناپسندیدہ اور مکروہ ہے، اگرچہ اس کا وقت جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا شفق غائب ہونے تک باقی رہتا ہے ـــــ تاہم اگر کبھی کسی اہم دینی مشغولیت کی وجہ سے مغرب میں کچھ تاخیر ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے، صحیح مسلم میں عبداللہ بن شقیق سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عصر کے بعد وعظ شروع فرمایا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور آسمان پر تارے نکل آئے اور آپ کی بات جاری رہی، حاضرین میں سے بعض نے کہا "الصلوٰۃ الصلوٰۃ" تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور کبھی کبھی کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کا حوالہ دے کر ان کو بتلایا کہ ایسے مواقع پر تاخیر بھی کی جا سکتی ہے۔

(۲۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ اَنْ یُّؤَخِّرُوا الْعِشَاءَ اِلٰی

ثُلُثِ اللَّيْلِ اَوْ نِصْفِهٖ ــــــــ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے امت کی تکلیف اور مشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کو حکم دیتا کہ عشا کی نماز تہائی رات یا آدھی رات تک موخر کر کے ہی پڑھا کریں۔" ــــــ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(۲۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَكَثْنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ نَنْتَظِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ فَخَرَجَ اِلَيْنَا حِيْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ اَوْ بَعْدَهٗ فَلَا نَدْرِيْ اَشَيْءٌ شَغَلَهٗ فِيْ اَهْلِهٖ اَوْ غَيْرُ ذٰلِكَ فَقَالَ حِيْنَ خَرَجَ اِنَّكُمْ تَنْتَظِرُوْنَ صَلٰوةً مَا يَنْتَظِرُهَا اَهْلُ دِيْنٍ غَيْرُكُمْ وَلَوْلَا اَنْ يَّثْقُلَ عَلٰى اُمَّتِيْ لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هٰذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ اَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلّٰى ــــــ رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ ایک رات نماز عشاء کے وقت ہم لوگ مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑی دیر تک انتظار کرتے رہے پھر آپ اس وقت باہر تشریف لائے جب تہائی رات جا چکی تھی یا اس کے بھی بعد، اور ہمیں پتہ نہیں کہ اس تاخیر کا سبب اپنے گھر والوں کے ساتھ آپ کی کوئی مشغولی تھی یا اس کے سوا کوئی اور چیز آپ کو پیش آگئی تھی، بہرحال آپ جب گھر سے باہر مسجد میں تشریف لائے تو (ہماری تسلی اور دلداری کے لیے) ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ اس وقت اس نماز کے انتظار میں ہو جس کا تمہارے سوا دوسرے کسی دین والے انتظار نہیں کرتے، اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت کے لیے بھاری اور مشکل ہو جائے گا تو میں یہ نماز (ہمیشہ دیر کر کے) اسی وقت میں پڑھا کرتا (کیونکہ اس نماز کے لیے یہی وقت افضل ہے) اس کے بعد آپ نے مؤذن کو حکم دیا تو اس نے اقامت کہی اور آپ نے نماز پڑھائی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز کا افضل وقت تو اگرچہ وہ ہے جبکہ تہائی رات گزر جائے، لیکن اس وقت نماز پڑھنے میں چونکہ عام نمازیوں کے لیے زحمت اور مشقت ہے اور روزانہ اتنی دیر تک جاگ کر نماز کا انتظار کرنے میں بڑا سخت مجاہدہ ہے، اس لیے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم مقتدیوں کی سہولت کے خیال سے ہوا اس سے پہلے ہی عشا پڑھ لیتے تھے ، اور حضرت جابر کی ایک حدیث میں پہلے بھی گذر چکا ہے کہ اگر لوگ عشا کے لیے سویرا جمع ہو جاتے تو آپ جلدی پڑھ لیتے تھے۔ اور اگر لوگوں کے آنے میں دیر ہوتی اور شروع وقت میں لوگ کم آتے تو آپ کچھ دیر کر کے پڑھا کرتے تھے ــــــ آپ کے اس طرز عمل اور ارشاد سے ایک اہم اور نہایت قیمتی اصول یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی اجتماعی عمل کے افضل وقت پر ادا یا افضل شکل میں ادا کرنے کی وجہ سے عوام کو قابلِ لحاظ زحمت اور مشقت ہوتی ہو تو ان کی سہولت کے خیال سے وہاں اس افضل وقت اور افضل شکل کو ترک کر دینا ہی افضل اور بہتر ہوگا اور عوام کے ساتھ اس شفقت اور رعایت کا ثواب انشاء اللہ اس ثواب سے زیادہ ہوگا جو ترک افضل کی وجہ سے فوت ہوگا ــــــ دوسرے طور پر اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اجتماعی اعمال میں وقت کی فضیلت یا شکل کی فضیلت کے مقابلہ میں عوام کی رعایت اور ان کی سہولت کی فضیلت مقدم ہے۔

ایک دوسری بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ نماز عشا کی فرضیت اس امت کے خصائص میں سے ہے، کسی اور امت پر یہ نماز فرض نہیں تھی، یہ بات بعض اور احادیث میں اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ مذکور ہوئی ہے۔

(۲۳) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ لِوَقْتِ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهَا لِسُقُوْطِ الْقَمَرِ لِثَالِثَةٍ ــــــ (رواہ ابوداؤد والدارمی)

(ترجمہ) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ اس نماز عشا کے وقت کو میں تم سب سے زیادہ جاننے والا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشا اس وقت پڑھا کرتے تھے جس وقت کہ مہینہ کی تیسری رات میں چاند غروب ہوا کرتا ہے۔ (سنن ابی داؤد، مسند دارمی)

(تشریح) تجربہ اور حساب سے معلوم ہو کہ تیسری رات کو چاند اکثر و بیشتر غروب آفتاب سے دو ڈھائی گھنٹہ بعد غروب ہوتا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول اتنے ہی وقت پر نماز عشا پڑھنے کا تھا۔

(۲۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ۔ ——— (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز (ایسے وقت) پڑھا کرتے تھے کہ عورتیں (نماز سے فارغ ہوکر) اپنی چادروں میں لپٹی واپس جاتیں تو اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاسکتیں۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سویرے ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ نماز ختم ہونے کے بعد بھی اتنا اندھیرا رہتا تھا کہ مسجد سے اپنے گھروں کو واپس جانے والی خواتین کو جو اپنی چادروں میں لپٹی لپٹائی ہوتی تھیں ان کا کوئی جاننے پہچاننے والا ان کے قد وقامت اور انداز رفتار سے پہچان نہیں سکتا تھا۔

(۲۵) عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى قُلْنَا لِاَنَسٍ كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا وَدُخُوْلِهِمَا فِي الصَّلٰوةِ قَالَ قَدْرَ مَا يَقْرَءُ الرَّجُلُ خَمْسِيْنَ اٰيَةً۔ ——— (رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت قتادہ تابعی حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاص صحابی زید بن ثابت نے ایک دن ساتھ سحری کھائی، پھر جب یہ دونوں حضرات سحری سے فارغ ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے لیے کھڑے ہوگئے اور آپ نے نماز پڑھائی (قتادہ کہتے ہیں) ہم لوگوں نے پوچھا کہ ان دونوں کے کھانے سے فارغ ہونے اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنا وقفہ ہوا؟ انھوں نے بتایا کہ بس اس قدر کہ کوئی آدمی جتنی دیر میں قرآن مجید کی پچاس آیتیں پڑھے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) پچاس آیتیں پڑھنے میں صرف چند منٹ صرف ہوتے ہیں، اس حساب سے اس دن فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا صبح صادق ہوتے ہی پڑھ لی تھی۔ حضور کی عام عادت

اگرچہ یہی تھی کہ فجر سویرے پڑھتے تھے جیسا کہ ابھی حضرت صدیقہؓ کی حدیث سے بھی معلوم ہو چکا ہے لیکن صبح صادق ہوتے ہی بالکل شروع وقت میں نماز پڑھ لینا آپ کا عام طریقہ نہیں تھا جیسا کہ ابو برزہ اسلمیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، اس لیے قرین قیاس یہ ہو کہ حضرت انسؓ نے جس دن کا یہ واقعہ بیان کیا ہے اس دن آپ نے کسی خاص وجہ سے نماز بالکل شروع وقت ہی میں پڑھ لی تھی جس طرح ہم لوگ بھی کبھی کبھی خاص حالات میں ایسا کر لیتے ہیں، واللہ اعلم

(۲۶) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ.

(رواه ابو داؤد والترمذی والدارمی)

(ترجمہ) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسفار میں ادا کرو نماز فجر (یعنی صبح کا اجالا پھیل جانے پر فجر کی نماز پڑھو) کیونکہ اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، مسند دارمی)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مندرجۂ بالا حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز سویرا اور اتنے اندھیرے میں پڑھتے تھے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی اتنا اندھیرا رہتا تھا کہ نماز پڑھ کر گھر واپس جانے والی خواتین پہچانی نہیں جا سکتی تھیں۔

اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر کی نماز صبح کا اجالا پھیل جانے پر پڑھنا افضل اور زیادہ ثواب کی بات ہو۔ ائمہ مجتہدین اور علماء دین نے اس اختلاف کو کئی طریقوں سے حل کیا ہے۔ اس عاجز کے نزدیک بعض اکابر علماء کی یہ توجیہ سب سے زیادہ راجح ہو کہ رافع بن خدیج کی اس حدیث کے مطابق فجر کے لیے افضل تو اسفار ہی ہے، یعنی یہ کہ کچھ تاخیر کر کے اس وقت پڑھی جائے جب صبح کا اجالا پھیل جائے، لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زیادہ تر لوگ تہجد پڑھنے والے اور فجر کے لیے اول وقت اٹھنے والے تھے (جیسا کہ آج تک بھی اہل صلاح و تقویٰ کا عام حال ہے) اس لیے ان کے لیے سہولت اسی میں تھی کہ نماز فجر تاخیر سے نہ پڑھی جائے، دیر کر کے اسفار میں پڑھنے کی صورت میں ان کو طویل انتظار کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز زیادہ تر سویرے غلس ہی میں پڑھتے تھے، گویا جس طرح عشا

کی نماز کے لیے تہائی رات تک کی تاخیر افضل ہونے کے باوجود آپ عام مقتدیوں کی سہولت کے خیال سے عشاء عموماً سویرا پڑھتے تھے۔ اسی طرح فجر بھی لوگوں کی سہولت کے لیے غلس میں یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے، اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ کے بندوں کی رعایت اور سہولت کی فضیلت وقت کی فضیلت سے مقدم اور بالاتر ہے۔

ہمارے زمانے میں چونکہ تہجد گزار اور فجر کے لیے اول وقت اٹھنے والے بہت کم ہیں اور زیادہ لوگوں کو سہولت اسفار میں ہے، بلکہ فجر کی جماعت اگر اول وقت غلس میں ہو تو نمازیوں میں سے بھی بہت کم شریک جماعت ہو سکیں گے ان سب وجوہ سے ہمارے زمانہ میں کچھ تاخیر کر کے اسفار ہی میں فجر کی نماز پڑھنا بہتر ہوگا، تاہم اگر کسی جگہ کے عام نمازی اول وقت ہی جمع ہو جاتے ہوں اور تاخیر میں ان کے لیے زحمت اور مشقت ہو تو ان کے لیے یہی بہتر ہوگا کہ وہ اول وقت یعنی غلس ہی میں نماز پڑھ لیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر معمول تھا۔

بہت سے دینی حلقوں میں رمضان مبارک میں فجر کی نماز اول وقت غلس میں پڑھنے کا دستور اسی بنیاد پر ہے۔

(۲۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً لِوَقْتِهَا الْاٰخِرِ مَرَّتَيْنِ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ (رواه الترمذی)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری عمر میں دو دفعہ بھی کوئی نماز اس کے آخری وقت میں نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھا لیا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس بیان میں دو دفعہ کی قید غالباً اس لیے لگائی ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص کو ہر نماز کے اول و آخر بتلانے کے لیے آپ نے ایک دن کی نمازیں آخر وقت میں بھی پڑھ کر دکھائی تھیں ــ یہ واقعہ صحیح مسلم کے حوالے سے نمبر (۱۲) پر درج ہو چکا ہے۔ بہرحال اس بیان سے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہی ہے کہ نماز کو موخر کر کے آخری وقت میں پڑھنا حضور کا طریقہ نہیں تھا۔

(۲۸) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عليه وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلٰثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا الصَّلٰوةُ اِذَا اٰنَتْ وَالْجَنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَيِّمُ اِذَا وَجَدَتْ لَهَا كُفُواً ــــــــ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا، علی! تین کام وہ ہیں جن میں تاخیر نہ کیجیو، نماز جب اس کا وقت آجائے۔ اور جنازہ جب تیار ہو کر آجائے، اور بے شوہر والی عورت جب اس کے لیے کوئی مناسب جوڑ مل جائے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ان تین کاموں میں ہمیشہ جلدی کی جائے، جو عورت کسی کے نکاح میں نہ ہو اس سے نکاح کرنے کے لیے جب کوئی مناسب آدمی تیار ہو جائے تو پھر نکاح میں دیر نہ کی جائے، اسی طرح جب جنازہ آجائے تو نماز جنازہ میں اور تدفین میں دیر نہ لگائی جائے، علیٰ ہذہ جب نماز کا وقت آجائے (یعنی وہ وقت جس وقت کہ نماز پڑھنی چاہیے) تو پھر بلا تاخیر نماز پڑھ لی جائے۔

(۲۹) عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ اَنْتَ اِذَا كَانَتْ عَلَيْكَ اُمَرَاءُ يُمِيْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اَوْ يُؤَخِّرُوْنَ عَنْ وَقْتِهَا قُلْتُ فَمَا تَأْمُرُنِيْ؟ قَالَ صَلِّ الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا فَاِنْ اَدْرَكْتَهَا مَعَهُمْ فَصَلِّ فَاِنَّهَا لَكَ نَافِلَةٌ (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، تمہارا کیا حال اور کیا رویہ ہوگا جب ایسے (غلط کار اور ناخدا ترس) لوگ تم پر حکمراں ہوں گے جو نماز کو مردہ اور بے روح کریں گے، (یعنی ان کی نمازیں خشوع و خضوع اور آداب کا اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے بے روح ہوں گی) یا وہ نمازوں کو ان کے صحیح وقت کے بعد پڑھیں گے؟ میں نے عرض کیا تو آپ کا میرے لیے کیا حکم ہے، یعنی ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا تم وقت آجانے پر اپنی نماز پڑھ لو، اس کے بعد اگر ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقع آئے تو ان کے ساتھ پھر پڑھ لو، یہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) بنی امیہ کے بعض خلفاء اور اُمراء کے زمانے میں یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو چکی ہے۔ جن صحابۂ کرام نے اُن کا زمانہ پایا جیسے حضرت انس اور اکثر اکابر تابعین ان کو یہ ابتلا پیش آیا اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل کیا۔

(۳۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ صَلوٰةً اَوْنَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا اَنْ يُّصَلِّيَهَا اِذَا ذَكَرَهَا ــــــ

ــــــ (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی نماز کو بھول گیا یا نماز کے وقت سو رہا گیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے یا سو کے اٹھے اسی وقت پڑھ لے۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جب سو کر اُٹھے یا بھول جانے کی صورت میں جس وقت یاد آئے اسی وقت بلا تاخیر نماز پڑھ لے اس صورت میں وہ نماز ادا ہی کے حکم میں ہوگی اور اس شخص کو کوئی گناہ نہ ہوگا۔

بعض سفروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود یہ واقعہ پیش آیا کہ رات کے بیشتر حصہ میں آپ اور آپ کے رفقا چلتے رہے، اس کے بعد کچھ آرام کر لینے کے ارادے سے لیٹ گئے اور حضرت بلال نے خود جاگتے رہنے اور فجر کے لیے جگا دینے کی ذمہ داری لے لی لیکن تقدیر الٰہی کہ صبح صادق کے بالکل قریب خود حضرت بلال کی آنکھ لگ گئی اور سب سوتے رہ گئے۔ یہاں تک کہ سورج نکل آیا، سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی، پھر سب لوگ گھبرا کے اُٹھے، سب کو نماز کا وقت نکل جانے کا اس دن بہت رنج اور صدمہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دلوا کر جماعت سے نماز پڑھی اور فرمایا کہ سوتے ہوئے نماز کا وقت نکل جانے سے گناہ نہیں ہوتا، گناہ اور جرم جب ہے جب آدمی جاگتے ہوئے اور دانستہ نماز قضا کرے۔ (ملخصاً از صحیح مسلم)

معذرت افسوس ہے کہ اس شمارہ میں مقررہ صفحات سے ۸ صفحات کم رہ گئے ہیں۔ اسکی تلافی ان شاء اللہ آئندہ ماہ ہو جائے گی۔

"ناظم الفرقان"

تجلیاتِ مجدّدِ الفِ ثانیؒ

مکتوبات کے آئینے میں

تلخیص و ترجمہ ــــــــ از ــــــــ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

مکتوب (۲۶۶) خواجہ عبد اللہؒ[ا] و خواجہ عبید اللہؒ صاحبزادگان حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے نام

[یہ مکتوب بہت طویل اور اہم ہے۔ اس میں عقائد کا بیان ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے مالابدمنہ کے شروع میں عقائد کی بحث میں اس مکتوب سے اقتباسات لئے ہیں۔ شاہ غلام علی دہلویؒ نے اس مکتوب کے متعلق فرمایا ہے کہ "یہ علم عقائد میں فائدۂ کثیر رکھتا ہے اسکو علیحدہ لکھ لکھ کر لوگوں کو دینا چاہیئے۔"]

بعد الحمد و الصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات ــــــــ مخدوم زادوں کی خدمت میں التماس ہے کہ یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپکے والد ماجد کے احسانات میں غرق ہے۔ طریقت میں الف، بے کا سبق انھیں سے لیا ہے اور اس راہ کے حروف کی ہجّی انھیں سے سیکھی ہے ــــ "اندراج النہایۃ فی البدایۃ" کی دولت انھیں کی برکت صحبت سے حاصل کی ہے اور "سفر در وطن" کی سعادت کو انکی خدمت کے صدقے ہی میں پایا ہے، ان کی توجہ مبارک نے دو ڈھائی ماہ میں اس ناقابل کو نسبت نقشبندیہ تک پہونچا دیا اور

[ا] یہ دونوں صاحبزادے دُودُّماؤں سے تھے ان میں بڑے خواجہ عبد اللہ تھے جن کا لقب خواجہ کلاں تھا، اور خواجہ عبید اللہ خواجہ خُرد کہلاتے تھے اور اپنے بڑے بھائی سے تقریباً چار ماہ چھوٹے تھے، دونوں بڑے صاحب فضائل و کرامات تھے ــــ خواجہ خُرد حضرت مجدد الف ثانیؒ سے مجاز بھی تھے، اور انھوں نے (باقی حاشیہ صفحہ پر)

اکابر کے "حضور خاص" کو بھی عطا فرمایا ــــ اس مدت قلیلہ میں جو کچھ "تجلیات و ظہورات"، "انوار و الوان" "بے رنگیہا و بے کیفیہا" ان کے طفیل میں رونما ہوئے ان کی کیا تشریح کروں ــــ ان کی توجہ مبارک کی برکت سے معارفِ توحید وغیرہ کا (شاید ہی) کوئی دقیقہ رہ گیا ہو جو اس فقیر پر واضح نہ کیا گیا ہو اور اسکی حقیقت سے اطلاع نہ پائی ہو......... جبکہ اتنی عظیم الشان دولت آپکے والد بزرگوار سے اس فقیر کو پہنچی ہو تو اگر تمام عمر بھی اپنے سر کو خدامِ بارگاہِ عالی کے قدموں میں پامال کروں تب بھی کچھ حق ادا نہ ہو ــــ اپنی کوتاہیوں کو کیا گناؤں اور اپنی شرمندگی کا کیا اظہار کروں۔

ــــ معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمد کو اللہ تعالٰی ہماری طرف سے جزائے خیر دے کہ انھوں نے ہم کوتاہ عمل لوگوں کے کام کو اپنے ذمے لازم کرکے خدامِ بارگاہ کی خدمت کے لئے اپنی کمر ہمت کو کس لیا ہے اور ہم دور افتادوں کو فارغ البال کر دیا ہے ؎

گر بر تن من زبان شود ہر موئے یک شکر وے از ہزار نتوانم کرد

فقیر تین مرتبہ حضرت پیر و مرشد کے آستانے پر (ان کی زندگی میں) حاضر ہوا ہے آخری حاضری پر فقیر سے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ضعفِ بدن غالب آگیا ہے امیدِ حیات کم ہے ــــ میرے بچوں کے حالات سے خبردار رہنا ــــ پھر اپنے سامنے آپ دونوں کو طلب کیا اس وقت آپ دونوں دودھ پیتے بچے تھے ــــ حکم فرمایا کہ ان بچوں پر توجہ کرو اُن کے حکم سے ان کے سامنے ہی توجہ کی گئی حتیٰ کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱) بڑے بڑے اکابر علماء کو درس دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ حضرت خواجہ خرد سے بھی بیعت تھے ــــ مکتوبات امام ربانیؒ میں تقریباً سات مکتوب ان صاحبزادگان کے نام ہیں ــــ خواجہ کلاںؒ نے [illegible]ھ میں اور خواجہ خوردؒ نے [illegible]ھ میں وصال فرمایا اور اپنے والد بزرگوار کے قریب دفن ہوئے ــــ مؤرخین نے ان دونوں صاحبزادوں کے القاب کی تعیین اور سنِ وفات اور دیگر حالات میں بڑی غلطیاں کی ہیں۔ سید کمال سنبھلیؒ نے جو خواجہ خُردؒ کے براہِ راست مرید تھے اسراریہ میں دونوں بھائیوں کے مفصل حالات لکھے ہیں۔ میں نے اسراریہ، زبدۃ المقامات، مآثر الکرام وغیرہ سے اخذ کرکے ان دونوں صاحبزادوں پر ایک مقالہ لکھا ہے جو "بحرِ ولایت کے دو آبدار موتی" کے عنوان سے الفرقان بابتہ ماہ جمادی الاخری و رجب [illegible]ھ میں شائع ہو چکا ہے۔ (فریدی غفرلہٗ)

اس کا اثر ظاہر بھی تک نمایاں ہوا ۔ بعد ازاں فرمایا کہ ان بچوں کی ماؤں پر بھی غائبانہ توجہ کرو حسب الارشاد ان پر بھی غائبانہ توجہ کی گئی ۔ اُمید ہے کہ حضرت والا کی موجودگی کی برکت سے وہ توجہ نتائج پیدا کرے گی ۔ یہ خیال نہ کرنا کہ میں پیر و مرشد کی وصیت کو فراموش کر چکا ہوں یا تغافل برتتا ہوں ایسا ہرگز نہیں ہے البتہ (راہ سلوک طے کرانے کے لئے) آپکے اشاروں کا منتظر ہوں ۔ اب چند فقرات بطور خیر خواہی لکھے جاتے ہیں اُمید کہ گوش ہوش سے سنیں گے ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت مند کرے ۔

فرض اولین، نزد عقلاء، تصحیح عقائد ہے ۔ فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت کے مطابق ۔ چنانچہ بعض مسائل اعتقادیہ کا بیان کیا جاتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ مقدس کے ساتھ موجود ہے اور تمام اشیاء اُسی کی ایجاد سے موجود ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ذات میں، صفات میں اور افعال میں یکتا ہے ۔ کسی کو کسی بات میں اسکے ساتھ فی الحقیقت کوئی شرکت نہیں ہے ۔ نہ وجود میں اور نہ اُسکے علاوہ (علم و قدرت وغیرہ) میں کوئی مشارکتِ اسمی اور مناسبتِ لفظی ہو تو وہ بحث سے خارج ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے صفات و افعال اس کی ذات کی طرح "بے چوں" و "بے چگونہ" ہیں ۔ اُن کو مخلوق کے صفات و افعال سے کوئی مناسبت نہیں ہے ۔ مثلاً صفتِ علم ہے اللہ تعالیٰ کی یہ صفت قدیم اور بسیط ہے کہ اس میں "تعدّد و تکثّر" راہ نہیں پاتا ہے اگرچہ وہ تعدّد، "باعتبارِ تعدد تعلقات" ہی کیوں نہ ہو ۔ اسلئے کہ وہاں ایک انکشاف بسیط ہے کہ معلوماتِ ازل و ابد اُسی انکشاف سے منکشف ہوتے ہیں وہ تمام اشیاء کے احوالِ متناسبہ و متضادہ، کلیۃً و جزئیۃً ہر اک کے اوقاتِ مخصوصہ کے اندر آنِ واحد میں جانتا ہے ۔ ایک ہی آن میں زید کو موجود، معدوم، ماں کے پیٹ میں، جوان، بوڑھا، زندہ، مردہ، قائم، قاعد، مستند، پہلو پر لیٹا ہوا، خنداں، گریاں، متلذذ، متألم، عزیز ذلیل، برزخ میں، حشر میں، جنت میں، تلذذ ذات کے اندر ۔ جانتا ہے ۔ پس تعدّدِ تعلق بھی اس مقام پر مفقود ہے اس لئے کہ تعدد تعلقات، تعدد اوقات اور تکثّر ازمنہ چاہتا ہے اور وہ یہاں ہے نہیں ۔ اللہ تعالیٰ پر نہ زمانہ جاری ہے نہ تقدّم و تاخّر ۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں معلومات کا تعلق ثابت کریں تو وہ ایک ایسا تعلق ہوگا جو جمیع معلومات سے

متعلق ہے اور وہ تعلق بھی مجہول الکیفیت ہے اور صفت علم کی طرح بے چون و بے چگونہ ـــــ وہ جملہ اشیاء کو آن واحد میں جانتا ہے ـــ اسکی ایک مثال پیش کرکے مسئلے کو قریب الفہم کرتا ہوں...... (دیکھئے) یہ بات ممکن ہے کہ ایک شخص ایک وقت میں "کلمہ" کو اسکے "اقسام متبائنہ"، "احوال متغائرہ" اور "اعتبارات متضادہ" کے ساتھ ـــ جانے ـــ یعنی ایک ہی وقت میں اس کلمہ کو اسم، فعل حرف، ثلاثی، رباعی، معرب، مبنی، متمکن، غیر متمکن، منصرف، غیر منصرف، معرفہ، نکرہ، ماضی، مستقبل، امر، نہی، کی حیثیت سے جان لے ـــ بلکہ جائز ہے کہ وہ شخص کہے کہ میں کلمے کے یہ تمام اقسام و اعتبارات، آئینہ کلمہ میں بیک وقت تفصیل سے دیکھتا ہوں ـــ پس جب کہ علم ممکن اور "دید ممکن" میں اضداد جمع ہو سکتے ہیں تو پھر علم واجب تعالیٰ میں جب کہ اللہ تعالےٰ کے لئے "مثل اعلیٰ" ہے ـــ کیوں بعید ہوں گے؟ ـــ یہ بھی واضح رہے کہ یہ جمع ضدین صورۃً ہے ورنہ فی الحقیقت ان کے درمیان، ضدیت مفقود ہے ـــ اس لئے کہ ہرچند حق تعالےٰ نے زید کو آن واحد میں موجود و معدوم جانا ہے لیکن اسی آن میں یہ جانا ہے کہ اسکے وجود کا زمانہ مثلاً سنہ [illegible] ہے اور اسکے "عدم سابق" کا وقت اس سے پہلے والا سال ہے اور "عدم لاحق" کا وقت سنہ [illegible] ہے ـــ اس میں درحقیقت کوئی بھی تضاد نہیں......... اس تحقیق سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہرچند جزئیات متغیرہ سے تعلق رکھے مگر اس کے علم میں تغیر راہ نہیں پاتا اور گمان حدوث اسکی اس صفت میں نہیں ہو سکتا ـــــــــ اسی طرح کلام حق تعالےٰ بھی ایک "کلام بسیط" ہے کہ ازل سے ابد تک اسی کلام سے متکلم ہے۔ امر، نہی، اعلام، استعلام، تمنی، ترجی اسی ایک کلام سے ظاہر و ہویدا ہیں اور تمام "کتب منزلہ" اور "صحف مرسلہ" اسی کلام بسیط کا ایک ورق ہیں ـــ توریت اسی کلام سے تحریر میں آئی، انجیل نے اسی سے صورت لفظی پیدا کی، زبور اسی سے مسطور ہوئی اور قرآن مجید بھی اسی کلام سے نازل ہوا۔

٥ واللہ کلام حق کہ ملی الحق یکیست و بس
پس در نزول مختلف آثار آمدہ

اسی طرح اللہ تعالےٰ کا ایک فعل ہے کہ مصنوعات اولین و آخرین اسی ایک فعل سے وجود میں آئیں ـــــ (چنانچہ ارشاد ہے) وَمَآ أَمْرُنَآ إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِٱلْبَصَرِ۔

(نہیں ہے ہمارا کام مگر ایک کلمہ مانند پلک جھپکانے کے) یہ آیۂ کریمہ اسی حقیقت مذکورہ کی طرف ایک اشارہ ہے ـــــ احیاء، اماتت، ایلام، انعام اسی فعل سے مربوط ہے، نیز موجود کرنا اور معدوم کرنا بھی اس فعل سے ناشی ہے ـــــ پس فعلِ حق تعالےٰ میں بھی تعدد و تعلقات ثابت نہیں۔ ہاں تعلق، مخلوقاتِ اولین و آخرین اپنے وجود کے اوقاتِ مخصوصہ میں وجود پذیر ہوتی ہیں ـــــ یہ تعلق بھی اللہ تعالےٰ کے فعل کی طرح بے چون و بیچگونہ ہے.....

اللہ تعالےٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ کوئی چیز اس کے اندر حلول کر سکے ـــــ لیکن وہ "محیطِ اشیاء" ہے اور اشیاء سے قرب و معیت کا تعلق رکھتا ہے وہ ایسا احاطہ، اور ایسا قرب و معیت نہیں جو ہمارے فہم ناقص میں آجائے یہ شایانِ قدس نہیں ہے ـــــ جو کچھ کشف و شہود سے معلوم کرتے ہیں حق تعالےٰ اُس سے بھی منزہ ہے اس لئے کہ ممکن (بشر وغیرہ) کو اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات اور افعال کی حقیقت سے سوائے جہل و حیرت کے کچھ میسر نہیں ہے، غیب پر ایمان لانا چاہیئے اور جو کچھ مکشوف و مشہود ہو اُسکی تحت "لا" نفی کرنا چاہیئے۔

؎ عنقا شکار کس نشود دام باز چیں
اینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

حضرت پیر و مرشدؒ کی مثنوی کا یہ شعر بھی اس مقام کے مناسب ہے:۔

؎ ہنوز ایوانِ استغنا بلند است
مرا فکرِ رسیدن ناپسند است

پس ہم ایمان لائیں کہ اللہ تعالےٰ محیطِ اشیاء ہے اور اشیاء کے قریب اور اُن کے ساتھ ہے لیکن احاطہ، قرب اور معیت کی حقیقت ہم نہیں جانتے کہ کیا ہے؟.........

اللہ تعالےٰ کا کسی چیز سے اتحاد نہیں اور نہ کوئی چیز اُس سے متحد ہے ـــــ اللہ تعالےٰ غنی مطلق ہے ذات میں بھی، صفات میں بھی، افعال میں بھی ـــــ کسی بات میں کسی چیز کا محتاج نہیں......... اللہ تعالےٰ تمام صفاتِ نقصان اور نشاناتِ حدوث سے منزہ مبرا ہے۔ جس طرح جسم و جسمانی نہیں ہے۔ مکانی و زمانی بھی نہیں ہے ـــــ تمام صفات کمال اس کے لئے ثابت ہیں منجملہ اُن صفاتِ کمال کے یہ آٹھ صفات بھی ہیں ـــــ حیات، علم

قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام، تکوین .... اللہ تعالیٰ قدیم و ازلی ہے،
اُسکے غیر کی یہ شان نہیں .... ممکنات تمام کی تمام چاہے وہ جواہر ہوں یا اعراض، عقول ہوں
کہ نفوس، افلاک ہوں یا عناصر ــــ قادر مختار کی ایجاد سے ہیں وہی ان کو پردۂ عدم سے وجود
میں لایا ہے ــــ یہ ممکنات جس طرح وجود و حدوث میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں اپنی بقا میں
بھی اُسی کے محتاج ہیں ــــ اللہ تعالیٰ نے اسباب و وسائط کو اپنے فعل اور اپنی حکمت کا پردہ
پوش بنا دیا ہے .... ارباب عقل و ہوش جن کی چشم بصیرت میں متابعت انبیاء کا سرمہ لگا ہوا
ہے ــــ جانتے ہیں کہ ــــ اسباب و وسائل جو کہ وجود و بقاء میں محتاج خدا ہیں اور اپنا ثبوت و
قیام اسی سے رکھتے ہیں اور جو کہ جماد محض ہیں کس طرح اپنے جیسے (محتاج) میں تاثیر اور ایجاد و اختراع
کر سکتے ہیں (لا محالہ) ایک قادر ہے جو ان اسباب کے پس منظر میں ہر چیز ایجاد کرتا ہے اور اس کو
کمالات لائقہ عطا فرماتا ہے ـ ایک بے جان چیز کی حرکت کو دیکھ کر عقل مند لوگ اس حقیقت
کا پتہ چلا لیتے ہیں کہ اس کو حرکت دینے والا کوئی ضرور ہے اسلئے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ حرکت خود اس
بے جان کے لائق حال نہیں ہے اسکے پیچھے ایک فاعل ہے جو اس فعل کی ایجاد کر رہا ہے ...
.... ہاں ایک بیوقوف کی نظر میں فعل جماد، فاعل حقیقی کے فعل کا روپوش و پردہ پوش
ہو جاتا ہے وہ اپنی کمال کند ذہنی کی بنا پر جماد محض کو اُسکے فعل پر نظر کر کے صاحب قدرت
سمجھ رہا ہے اور فاعل حقیقی کا منکر ہے ....

ایک جماعت ہے جو رفع اسباب (اسباب کے نظر انداز کرنے) میں کمال سمجھ بیٹھی ہے اور
اشیاء کو ابتداءً بے وسیلۂ اسباب، حضرت حق تعالیٰ کی طرف منسوب کرتی ہے وہ لوگ اتنا نہیں
سمجھتے کہ رفع اسباب سے رفع حکمت لازم آتا ہے جس حکمت کے ضمن میں بہت سی مصلحتیں ملحوظ ہیں۔
رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ــــ انبیاء علیہم السلام (کا طریقہ تو یہ ہے کہ وہ) اسباب
کی رعایت بھی فرماتے ہیں اور پھر معاملے کو سپرد بخدا کر دیتے ہیں، چنانچہ حضرت یعقوب علیٰ نبینا
وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے نظر بد کا خیال کر کے اپنے لڑکوں کو وصیت فرمائی کہ یٰبَنِیَّ
لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ (اے لڑکو
دیکھو مصر کے ایک دروازے سے تم سب کے سب داخل نہ ہونا بلکہ متفرق دروازوں سے داخل

ہوتا) اس رعایتِ اسباب کے ساتھ ساتھ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور فرمایا ـــــ وَمَآ اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَعَلَیْہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ (میں تم سے قضائے خداوندی کو کچھ بھی دفع نہیں کر سکتا، فرمانروائی تو بس اسی کی ہے اسی پر میں نے توکل کیا اور اسی پر متوکلین کو توکل کرنا چاہیئے ـــــ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السّلام کی اس معرفت کی تعریف وتحسین فرمائی اور اس کو اپنی طرف منسوب فرمایا چنانچہ اسکے بعد ارشاد ہے وَاِنَّہٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰہُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ـــــ (اور یعقوب صاحبِ دانش تھے اور اس علم سے بہرہ ور تھے جو ہم نے اُن کو سکھایا تھا لیکن اکثر آدمی اس حقیقت کو نہیں جانتے ہیں۔)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسباب اختیار کرنے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ارشاد باری ہے ـــ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ـ (اے نبی کافی ہے آپ کو خدا اور کفایت کرتے ہیں آپکے لئے وہ مسلمان جو آپکی پیروی کرتے ہیں ـــ

باقی رہی تاثیرِ اسباب سو جائز ہے کہ حضرت حق تعالیٰ بعض اوقات اسباب میں تاثیر پیدا فرما دیں، اور مؤثر ہو جائیں اور بعض اوقات تاثیر کو پیدا نہیں بھی فرماتے اور کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا چنانچہ ہم اسباب میں اس حقیقت کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں ...... مطلقاً تاثیرِ اسباب کا انکار ایک قسم کی ہٹ دھرمی ہے تاثیر کا قائل ہونا چاہیئے، لیکن اس تاثیر کو اسکے سبب کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنا چاہیئے ...... توسطِ اسباب کا ہونا منافیٔ توکل نہیں ہے جیسا کہ ناقصوں نے منافیٔ توکل سمجھ لیا ہے بلکہ توسطِ اسباب میں کمالِ توکل ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے رعایت سبب کرنے اور پھر سپردِ خدا کرنے کو توکل قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَعَلَیْہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ ـــــ

اللہ تعالیٰ ارادہ کنندۂ خیر وشر بھی ہے اور خیر وشر کا خالق بھی ہے البتہ خیر سے راضی ہے اور شر سے راضی نہیں ـــــ یہ ارادہ ورضا کا فرق وہ ہے کہ حضرت حق تعالیٰ نے اہلِ سنت کو اس فرق کے ذریعے ہدایت یاب کیا ہے باقی تمام فرقے اس فرق سے بہرہ ور نہ ہونے کی

وجہ سے چاہِ گمراہی میں پڑ گئے ہیں۔ ......

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو قدرت و ارادہ عطا فرمایا ہے کہ اپنے اختیار سے کسبِ افعال کرتے ہیں، خلقِ افعال، حضرتِ حق کی طرف سے ہے اور کسبِ افعال کا تعلق بندوں سے ہے۔ عادۃُ اللہ اس طرح جاری ہے کہ بندہ جب اپنے فعل کا قصد کرتا ہے تو خلقِ حق تعالیٰ اس فعل کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے اور چونکہ بندے کا فعل اسکے قصد و اختیار سے صادر ہوتا ہے ناچار مدح و ذم اور ثواب و عقاب کا بھی اس سے تعلق ہو جاتا ہے .... اللہ تعالیٰ کو مومنین، آخرت میں بہشت کے اندر "بے جہت و بے کیف" اور "بے شبہ و مثال" دیکھیں گے یہ دیدارِ باری کا وہ مسئلہ ہے کہ سوائے اہلِ سنت کے جمیع فرقہ ہائے اسلام اسکے منکر ہیں دیگر فرقے رویت بے جہت و بے کیف کو تجویز نہیں کرتے۔

(باقی مکتوب آئندہ)

غیر مسلم اکثریت کے ممالک میں

مسلمان کا اندازِ حیات

(از، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم نے حال ہی میں برما کا ایک سفر فرمایا، اور ایک ماہ تک مسلسل خطابات کے ذریعہ مسلمانانِ برما کو اسلامی زندگی اور ایمانی فکر و نظر کا پیغام دیا ــــــ اس سلسلہ کی ایک مفصل تقریر ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔ جو خصوصی طور پر اُن تمام ممالک کے مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ جو غیر مسلم اکثریت کے درمیان رہتے ہیں ــــــ اس سلسلہ کی ایک اور تقریر کی مفصل رپورٹ بھی ہمیں حاصل ہونے کی امید ہے جو انشاء اللہ کسی آئندہ اشاعت میں ہدیۂ ناظرین کی جائے گی ــــــــــــ (ادارہ)

ابراہیمی نسبت

برادرانِ دستو! مٹی کی نسبت کے اعتبار سے جس کی ایک اصل اور حقیقت ہے جس کا ہم احترام کیا کرتے ہیں۔ اسلام اس سے انکار نہیں کرتا، اور اس کو ختم کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ مٹی کی نسبتوں کے اعتبار سے جن کی اصل مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ ہے۔ ہم بھی ہیں، ہم ہندوستانی ہیں۔ ہم ترک ہیں، اور اسی اعتبار سے ہم سید ہیں، مغل ہیں، پٹھان ہیں، لیکن ایمانی اور اخلاقی حیثیت سے دماغی اور ذہنی حیثیت سے ہم ابراہیمی ہیں، ہم محمدی ہیں اور ہم مسلم ہیں۔

آپ کو اپنی ابراہیمی صفت کا صاف صاف اظہار کرنا چاہیئے۔ اس کا ثبوت دینا چاہیئے کہ ہم ذہنی، ایمانی اور روحانی اعتبار سے اور ان نسبتوں کی حیثیت سے جو زیادہ قیمتی ہیں صرف

ابراہیمی ہیں۔ آپ کا خاندان ابراہیمی ہے، چاہے آپ برما میں رہتے ہوں۔ چاہے ترکستان اور استنبول میں، چاہے جاوا وسماترا میں، چاہے مشرق اقصیٰ کے رہنے والے ہوں۔ آپ کا خاندان خاندان ابراہیمی ہے۔ تمام دنیا سے ہٹ کر ایک نئے قسم کے کنبے کے آپ افراد ہیں۔

ہمارا کام

ہمارے اور آپ کے درمیان ایک شاہت ہے، ہم بھی چاروں طرف مختلف مذاہب اور مختلف عقائد سے گھرے ہوئے ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ دوسروں کو راستہ بتلائیں، ہمارا کام یہ نہیں کہ ہم دوسروں کے پیچھے پیچھے چلیں۔

ایک خاندان اور ایک تہذیب

ہم سب خاندانِ ابراہیمی کے افراد ہیں، اپنی قومی اور لسانی حیثیت سے ہماری زبانیں کتنی ہی کیوں مختلف نہ ہوں ہم سب ایک ہیں، مراقش کے مسلمان، ملایا کے مسلمان، برما کے مسلمان، ہندستان کے مسلمان، الجزائر کے مسلمان، سب کی ایک تہذیب ہے۔

ہوسکتا ہے کہ آپ کے لباس کا ایک طریقہ ہو اور میرے لباس کا ایک طریقہ، مثلاً ہمارے یہاں شیروانی پہنی جاتی ہے۔ آپ برمی کی حیثیت سے ہرگز اسکے پابند نہیں کہ یہ لباس پہنیں۔ اسلام نے لباس کی تراش وخراش اور لباس کی کاٹ ایک طرح کی نہیں دی۔ انبیاء علیہم السّلام نے یہ حکم نہیں دیا کہ ایک ہی طرح کے لباس پہنو۔ آج دنیا کے کسی میوزم اور عجائب گھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لباس نہیں۔ وہ لباس ہوتا تو ہمارے لئے ایک بہت بڑی آزمائش ہوتی۔ اس وقت یہ سوال ہوتا کہ ہم یہ لباس پہنیں یا دوسرا لباس۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اگر دنیا بھر کے مسلمانوں کو کسی جگہ جمع کر کے دیکھا جائے تو ان کا لباس مختلف قسم کا ہوگا، یہ اختلاف تہذیب کا اختلاف نہیں کہلائے گا، اسلام سب کی اجازت دیتا ہے۔ بشرطیکہ ان حدود سے تجاوز نہ کیا جائے جن کی تعیین انبیاء علیہم السلام نے کی ہے۔

ابراہیمی تہذیب کی حقیقت

ابراہیمی تہذیب دراصل انھیں حدود کا نام ہے اور اسی وجہ سے وہ دنیا کے اس سرے سے اُس سرے تک مشترک ہوسکتی ہے، ان حدود کے اندر آزادی ہے، دسیع میدان ہے، زندگ

گزارنے کے لئے، ایک سلیم الفطرت انسان بہایت آسانی سے اس میں زندگی گزار سکتا ہے، لیکن حدود کا پابند رہنا پڑے گا۔ مرد ریشم نہ پہنیں۔ بے پردگی اور اسراف نہ ہو۔ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو گھٹنوں سے اوپر نہ ہو بے حیائی نہ ہو۔ فضول خرچی نہ ہو۔ چنانچہ اس وسعت کی بنا پر ہماری وضع قطع کی سارے قدرتی اختلافات ابراہیمی تہذیب کی وحدت میں سما جاتے ہیں۔

حدود کے اشتراک کے اعتبار سے اگر آپ تہذیبی یگانگت دیکھنا چاہیں تو آپ ایک بہت واضح مثال میں دیکھ سکتے ہیں کہ برما کے مسلمان داہنے ہاتھ سے کھاتے ہیں، ہندوستان کے مسلمان بھی داہنے ہاتھ سے کھاتے ہیں۔ عرب کا مسلمان تو موٹر بھی داہیں طرف چلاتا ہے اور ساری دنیا کا مسلمان ہر اچھا کام داہنے ہاتھ سے کرتا ہے۔ بائیں ہاتھ سے صرف وہی کام کرتا ہے جن کا تقاضا ضرورت یا فطرت کرتی ہو۔ یہ چیز ان حدود میں سے ہے جن کی تعیین انبیاء نے کی ہے۔ ابراہیمی تہذیب میں ہر چیز کے کچھ حدود ہیں۔ ازدواجی زندگی کے کچھ ضوابط ہیں۔ معاشرت کے بارے میں کچھ ہدایات ہیں۔ اسکے بعد آپ کا جی چاہے برما کی غذائیں کھائیے۔ آپ کو اختیار ہے جس طرح پکائیں کھائیں، کوئی مخالفت نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے صاف ممانعت فرما دی ہے کہ کوئی کسی کے لباس پر مذاق نہ اڑائے، کسی کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کے طریقہ کا مذاق نہ اڑائے، کوئی کسی کی زبان کا مذاق نہ اڑائے۔ لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ الخ

ملک کی وفاداری اور ابراہیمی تہذیب میں کوئی تضاد نہیں

برما کے دوستو اور بزرگو! آپکے ملک کے حالات کچھ بھی کیوں نہ ہوں، مجھے اس سے بحث نہیں۔ آپ کو اپنے ملک کا وفادار اور مخلص رہنا چاہیئے، ملک کی تعمیر اور ترقی میں حصہ لینا چاہیئے، اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تعمیری صلاحیت کا ثبوت دینا چاہیئے، آپ کو اپنی قابلیت، دیانتداری انتظامی لیاقت، صداقت، ذہن کی صفائی استقامت اور کیریکٹر کا ثبوت دینا چاہیئے۔ آپ اس طرح ملک کی خدمت کریں کہ آپ کی اہمیت محسوس ہو۔ اور اس طرح دوسرے عناصر سے آگے بڑھ جائیں لیکن آپ کو ابراہیمی تہذیب کا بھی وفادار ہونا چاہیئے۔

برمی شاعر و ادیب بنیئے

آپ اپنے ملک کی زبان کی طرف بھی پوری توجہ دیجئے۔ نہ صرف یہاں کی زبان پڑھیئے، بلکہ ادیب

بننے کی کوشش کیجئے، شاعر بننے کی کوشش کیجئے، یہاں کی معیاری اور ٹکسالی زبان میں لکھئے، یہاں تک کہ آپ کی زبان معیار تسلیم کی جائے، آپ کی زبان اور ادبیت اور فنی کمال کا اعتراف کیا جائے۔ ان سب کے باوجود ابراہیمی تہذیب کے وفادار رہیئے۔

آپ جو چاہے زبان اختیار کیجئے، مگر ابراہیمی تہذیب آپ پر یہ پابندی عائد کرتی ہے کہ جھوٹ نہ بولیں، آپکا رسم الخط دائیں طرف سے شروع ہو یا بائیں طرف سے، بائیں طرف سے لکھنے پر اسلام کی شریعت میں کوئی اعتراض نہیں۔

اسلام کی نگاہ میں سب زبانیں برابر ہیں، بے شک عربی زبان کا ایک درجہ ہے، کیوں کہ وہ آسمانی زبان ہے، باقی کوئی زبان مقدس نہیں، زبانوں کا اختلاف بالکل قدرتی اور طبعی ہے۔

عربی کے بعد تمام زبانیں برابر

عربی تو اسلام کی شریعت کی سرکاری زبان ہے، اسکے بعد اُردو اور برمی بالکل برابر ہے، فارسی اور برمی بالکل برابر ہے، دائیں طرف سے شروع ہونے والی زبان ہو یا بائیں طرف سے شروع ہونے والی زبان ہو، اللہ کی نگاہ میں دونوں یکساں ہیں۔

یہ دوسری بات ہے کہ دائیں طرف سے شروع ہونے والی زبانوں میں اسلام کی ادبیات کا ایک بڑا وسیع ذخیرہ ہے اس لئے کہ دائیں طرف سے لکھنے والے سامی یا آرین زبانوں میں ایسی نسلیں پیدا ہوئیں جن کو دنیا میں تاریخ کا طویل عرصہ ملا کہ وہ اسلام کی خدمت کر سکیں، انھوں نے اس زبان کے ذریعے اسلام کو سمجھایا، اسلام کی تعلیمات کو منتقل کیا۔ لیکن اس سے زبانوں کے مرتبہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور اس سے کسی زبان کی پابندی نہیں عائد ہوتی۔ البتہ ابراہیمی تہذیب یہ پابندی عائد کرتی ہے کہ آپ دائیں سے لکھیں یا بائیں سے، اس میں کوئی جھوٹی دستاویز نہ ہو، اس میں کوئی افترا پردازی نہ ہو، دروغ نہ ہو، اور بددیانتی نہ ہو۔ یہ ہے ابراہیمی تہذیب کا رول۔ یہ ہے ابراہیمی تہذیب کا چارٹ، اور یہ ہے ابراہیمی تہذیب کا حصّہ آپکی زندگی کی تشکیل میں۔

ناموں سے اسلامیت کا اظہار

ہمارے ناموں کے ساتھ عبدیت اور اسلامیت کا اظہار ہونا چاہیئے۔ آپ اپنے اسلامی نام کے

ساتھ برمی لقب یا تعارفی نام اختیار کرسکتے ہیں، لیکن ساتھ میں ایک اسلامی نام ضرور رہنا چاہیے تاکہ بکھرے ہوئے منتشر ابراہیمی کنبے کے افراد جب جمع ہوں تو تعارف ہو سکے۔ میرا نام علی ہے کسی کا نام احمد ہے، کوئی عبدالعزیز ہے، سعید ہے، ابراہیم اور موسیٰ ہے۔ یہ سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یادگاریں ہیں۔ اور انبیاء کے فرزندوں اور ان کے خاندان کے افراد کی یادگاریں ہیں۔ توحید کا اعلان اور ابراہیمیت اور اسلامیت کا اظہار ہمارے ناموں کا طرۂ امتیاز ہونا چاہیئے۔

ہم ایک ہیں

برمی دوستو! آپ میری اس بات کو سمجھ لیجئے کہ ہم سب ایک کنبے کے افراد ہیں، مشرق وسطیٰ سے لے کر مغرب اقصیٰ تک اور مراکش سے انڈونیشیا تک ہم سب ایک ہیں۔ ہماری زبانیں مختلف ہماری قومیتیں مختلف، ہماری وضع مختلف اور ملکی خصوصیتوں کے اعتبار سے ہم مختلف ہیں، لیکن عقیدۂ توحید اور ابراہیمی تہذیب کے اعتبار سے ہم متحد، مقصد زندگی میں بھی ہم متحد اور ایک ہیں۔

مسلمان بنکر رہیے اور اسلام پر مریئے

آپ اس ملک میں یہ عزم کرکے رہیں کہ آپ کو مسلمان ہوکر رہنا ہے، آپ اگر برما کے ہیں تو آپکو اختیار ہے کہ آپ برما کی زمین میں دفن ہوں، کوئی مجبور نہیں کرے گا کہ نجف اشرف، بقیع شریف اور جنت المعلیٰ میں آپ دفن ہوں۔ آپ برما کی سرزمین کو اسلامی نعشوں اور مسلمانوں کے بدنوں سے گلزار بنا ہیں۔ آپ جگہ جگہ یہ امانتیں دفن اور سپرد کریں، تاکہ حشر کے دن زمین کے چپے چپے سے ایمان لانے والے اور ملت ابراہیمی کے افراد اٹھیں، کوئی جاوا سے اٹھ رہا ہو، کوئی سماترا سے اٹھ رہا ہو، کوئی سمندر کے کنارے سے اٹھ رہا ہو، کوئی پہاڑ کی چوٹی سے اٹھ رہا ہو۔

لیکن جب ہماری روح پرواز کر رہی ہو تو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہماری زبان پر ہو وَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کا یہی مطلب ہے۔ ہم سے یہ نہیں کہا جاتا کہ ولا تموتن الا وانتم فی مکہ۔ ولا تموتن الا وانتم فی المدینۃ۔ ولا تموتن الا وانتم فی الحرم۔ ولا تموتن الا وانتم کذا وکذا۔ سمندروں میں مرو یا پہاڑ کی چوٹیوں

پڑھو آپ سے کوئی سوال نہیں کرے گا کہ یہاں کیوں مرے، اور وہاں کیوں مرے۔ ساری زمین اللہ کی ہے۔ مشرق میں رہو تو اللہ کے لئے، مغرب میں رہو تو اللہ کے لئے اور جب مرو تو زبان پر اللہ کا نام ہو۔

ملت ابراہیم

برمائے دوستو! آپ کو اپنی سرزمین مبارک، اپنی خصوصیات مبارک، یہ آزاد، سرسبز آباد خطہ مبارک، آپ کو اپنی زبان مبارک اور رسم الخط مبارک، آپ کو اپنا وطنی کلچر اور زمین کی خصوصیات مبارک۔ اپنے ملک کو ترقی دیجئے۔ اس کی تعمیر و ترقی میں پوری طرح حصہ لیجئے، دلچسپی جمعیۃ خاطر اور پورے اطمینان کے ساتھ حصہ لیجئے۔ اس سے کوئی آپ کو محروم نہیں کرسکتا، اور کوئی آپ پر اعتراض نہیں کرسکتا، لیکن یاد رکھئے، آپ اس خاندان کے علاوہ بلکہ اس سے بڑھ کر ایک دوسرے خاندان کے فرد ہیں، اور وہ خاندان ابراہیمی ہے۔ ملّۃ ابیکم ابراہیم۔

ملت ابراہیمیؑ کسی کا اجارہ نہیں

ایک مصری عبسی کا، مکہ کے قریشی کا، یمن کے زیدی کا، مراکش کے حسنی کا، حاداد یہ سماترا کے حضرمی کا، جتنا دین ابراہیم ملۃ ابراہیم اور شریعت ابراہیمی پر حق ہے اتنا ہی حق ملایا کے مسلمان، برما کے مسلمان اور انڈونیشیا کے مسلمان کا بھی ہے۔ ہندستان کے برہمن زادے، اور افغانستان کے افغانی کا بھی ہے۔ یہ حق کوئی نہیں چھین سکتا۔ آپ برما میں رہیں تو ابراہیمی بن کر رہیں، ہندستان میں ہوں تو ابراہیمی رہیں۔ آپ برہمن کے اولاد ہوں تو ابراہیمی بن کر رہیں۔

ایک غیر ابراہیمی سید کے مقابلے میں جس نے حضرت ابراہیم سے اپنا رشتہ کاٹ دیا ہو وہ برہمن زادہ ہزارہا درجہ افضل ہے، جس نے اپنا روحانی، ایمانی، اخلاقی، عقلی اور تہذیبی رشتہ سیدنا ابراہیم کے خاندان سے قائم کر لیا، وہ اس ہاشمی، حسنی اور حسینی سید سے جس نے بدقسمتی اور کور باطنی سے حضرت ابراہیم کی اصل نسبت سے رشتہ منقطع کر دیا، زیادہ افضل ہے۔

کیا خوب امیر فیصل کو سنوسی نے پیغام دیا۔

تو نام و نسب کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن نہ سکا

اگر ایک برمی کا دل حجازی ہے تو اس ہاشمی سے ہزار درجہ اچھا ہے جو اپنے خاندان اور نسب

پر فخر کرتا ہے، جو جاہلیت عصر پر فخر کرتا ہے، جو ابوجہل اور ابولہب کی اولاد ہونے پر فخر کرتا ہے اور ملت ابراہیم کی تہذیب اور خصوصیات سے اس کو کوئی دلچسپی نہیں۔

فانی رشتے

عزیز دوستو! یہ سب رشتے فانی ہیں، ہمارے آپکے یہ تمام مادی رشتے باقی رہنے والے نہیں، نہ ہاشمی رہے گا، نہ عربی، نہ برمی رہے گا اور نہ ملائی، نہ انڈونیشی رہے گا نہ جاوی، بس اللہ کا نام باقی رہے گا۔ اور اللہ کے لئے خلوص باقی رہے گا۔ نام ونسب کے اختلافات اور خاندانوں کی کمتری اور بہتری سب فانی اور ہیچ ہیں، اللہ تعالیٰ کو دین عزیز ہے، اخلاص اور للہیت عزیز ہے اور ابراہیمیت عزیز ہے اور اسکے باقی رہنے کا اللہ نے فیصلہ کیا ہے۔

کامیابی اور غلبے کا فیصلہ

برما کے دوستو! تمھارا دنیا میں باقی رہنا، پھلنا اور پھولنا، کامیاب ہونا، کمزور ہو تو طاقتور ہونا، مغلوب ہو تو غالب ہونا اللہ کے یہاں مقدر ہے، اور اللہ کے یہاں ایک فیصلہ شدہ حقیقت ہے بشرطیکہ آپ اپنے اندر وہ صفات پیدا کیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت آتی ہے۔ جس کی وجہ سے اللہ کی طرف سے پیار ہوتا ہے، اور جس کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام خلیل بنے۔ آذر کے خدا جانے کتنے بیٹے تھے۔ دنیا میں آج کون ہے جو ان کے نام جانتا ہو، لیکن صرف ابراہیم اور ابراہیمی قیامت تک باقی رہیں گے، اس لئے نہیں کہ حضرت ابراہیم نینوا یا بابل میں پیدا ہوئے یا اس لئے نہیں کہ وہ بہت زیادہ ذہین اور خوبصورت تھے، بلکہ اسلئے کہ وہ قلب سلیم لے کر آئے تھے۔

محبوبیت کا راستہ

کامیابی کی شرط یہ ہے کہ ہم اللہ کے محبوب بنیں۔ اللہ کی محبوبیت کا راستہ سلطنت نہیں ریاست نہیں، اقتصادی اور معاشی تفوق نہیں، تنظیم نہیں، محبوبیت پیدا کرنے کا راستہ محض ذہانت نہیں۔ محبوبیت پیدا کرنے کا راستہ یہ ہے کہ محبوبوں کی وضع اختیار کرو، محبوبوں کے خاندان میں داخل

ہو جاؤ۔ انکی تہذیب پیدا کرو، اور محبوبیت کے مرکز اعظم اور منبع اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وضع اور تہذیب اختیار کرو، تب آپ اللہ کے محبوب بن سکتے ہیں۔

دو نسبتیں

عزیز دوستو! آپ کی دو نسبتیں ہیں ایک نسبت ہے اس وطن اور اسکی خاک سے، اس کے مسائل، اسکی مصلحتوں اور ذاتی اغراض اور ذاتی عروج سے، اسکی اللہ کے یہاں کوئی حقیقت نہیں، اور ایک نسبت ہے ابراہیم علیہ السلام سے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، اللہ سے اور اسلام سے، یہ نسبت اللہ کو پیاری ہے اس کو بڑھایئے اور مضبوط کیجئے۔

دین و دنیا باہم آمیز

آپ کو یقیناً اپنے ملک کا وفادار رہنا چاہیئے۔ اپنی لیاقت اور قابلیت کا سکہ دماغوں پر اور قانون سازوں کے ذہنوں پر اور نئی نسل پر اور ساری دنیا پر بٹھانا چاہیئے، اور اپنی قابلیت کا لوہا منوا دینا چاہیئے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح آپ کو بھی یہ کہنے کا حق ہے اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ۔ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرنا چاہیئے۔ ے

سبق پھر پڑھ زمانے میں عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

آپ میں غیر معمولی دیانت اور انسانیت کا ایسا جذبہ ہونا چاہیئے کہ آپ ترازو بن جائیں۔ یہاں تک کہ آپ کا ایک ایک فرد اٹھ کر کہے کہ اجعلنی علی خزائن الارض۔ حضرت یوسف نے جو کچھ کہا ان کی کوئی سفارش کرنے والا نہیں تھا، وہ ایک بیگانہ قوم کے فرد تھے لیکن آپ کا کیریکٹر، آپ کا اخلاق، آپ کی دیانت، آپکی نبوت، اسکی سفارش کرتی تھی۔

اے ہندوستان کے مسلمانو! آپ میں سے ایک ایک فرد میں یہ قابلیت ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے ملک کے باشندوں سے اور برادران وطن سے خواہ وہ کسی مذہب کے پیرو ہوں کہدیں کہ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ مجھے وزیر صنعت اور معدنیات بنا کر دیکھو، وزیر داخلہ بنا کر دیکھو۔

۔ میں ایسی قابلیت ہونی چاہیئے اور ملک کے ایسے فرض شناس ، لائق تعلیم یافتہ ہونا چاہیئے ، کہ ہر طبقہ لوگوں کی نگاہیں آپ کی طرف اٹھیں ، اور مشکلات کا حل آپ سے پوچھیں ، لیکن جہاں تک عقائد یقین مقصد زندگی کا تعلق ہے ، اس میں آپ ابراہیمی تہذیب کے پیرو رہیئے ۔ اپنے مقصد زندگی میں فرد اور ممتاز رہیئے ، اور بالکل اسی طرح ممتاز رہیئے جیسے روشنی کا مینار ہوتا ہے ۔ ے

گماں آباد ہستی میں یقیں مرد مسلماں کا
بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی

آج شک و شبہ کی اس دنیا میں بد اخلاقی کی اس دنیا میں ، بدکرداریوں ، بے ایمانیوں ، دغابازیوں کی اس دنیا میں اقربا نوازی اور خیانت کے اس دور میں ، اپنی انفرادیت امتیاز اور اپنی جداگانہ حیثیت قائم رکھیئے ، اور اپنے عقائد کے حبل المتین کو مضبوطی سے پکڑیئے ۔

تیازی نشان

بے شک کماؤ اور کھاؤ ، زبانیں پڑھو اور سیکھو ، ادب میں امتیاز پیدا کرو ، مصنف بنو ، عر بنو ، ادیب بنو ، برمی زبان کے فاضل بنو ، پروفیسر بنو ، انجینئر بنو ، سائنسٹ بنو ، لیکن ساتھ اسلامی خصوصیت اسی طرح آپ کے اندر روشن اور چمکنی چاہیئے جس طرح کہ پیشانی کا نور ہے اور جس طرح دوسرے ملک کے لوگ آپ کے ملک میں پہچانے جاتے ہیں ۔ آپ خود اپنے اندر ز پیدا کیجئے تاکہ آپ اپنے ملک والوں میں پہچانے جائیں ۔

زک امانت

دوستو ! خدا نے آپ کو بڑی نازک امانت سپرد کی ہے ، عرب کے لوگ اور وہ لوگ جو ملکہ میں رہتے ہیں ان کا اتنا بڑا امتحان نہیں جتنا کہ آپ کا بڑا امتحان ہے ۔ مصر اور شام کے مسلمانوں ی امتحان نہیں ۔ انکے سامنے کوئی اور فلسفہ نہیں ۔ ان کے سامنے کوئی دوسری دعوت نہیں ، برما اور ہندستان کے مسلمانوں کی قوت ایمانی کا بھی امتحان ہے ، اور ذہانت کا بھی ، آپ کی فیصلہ کا بھی امتحان ہے اور زندگی کی صلاحیتوں کا بھی ۔ آپ کو ثابت کرنا ہے کہ آپ ایمان

کے ساتھ زندہ رہنے کے اہل ہیں یا نہیں۔

میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ یہ چار خصوصیات اپنے اندر خوشی سے پیدا کیجئے۔ زبان سیکھیے، بچوں کو پڑھائیے، اپنا حصہ رسدی حاصل کیجئے، ملک کے ایڈمنسٹریشن میں اپنے نمایاں شایان شان حصہ لیجئے، لیکن ساتھ ہی ساتھ داعی بھی رہو۔ مومن بھی رہو، توحید کا اعلان بھی کرتے رہو، اور پیغام پہنچانے والے بھی بنو۔

آپ کا مقام متبع کا مقام نہیں۔ مقلد کا مقام نہیں۔ آپ کا مقام امام اور پیشوا کا مقام ہے۔ آپ کا اس دیس میں جیسا باقی رہنا ضروری ہے اسی طرح ایمان بھی باقی رہے، توحید بھی باقی رہے، شعائر دین بھی باقی رہے۔ تمام برمی باشندوں کے متعلق خدا کے یہاں آپ سے سوال ہوگا کہ اللہ نے آپ کو سینکڑوں برس اس ملک میں باقی رکھا، لیکن حضرت ابراہیم کی دعوت اور آپ کا دین کیوں آپ کے اندر محدود رہا، اس کو پھیلنا اور وسیع ہونا چاہیئے۔

آپ کو اپنا عمل اس طرح پیش کرنا چاہیئے کہ برمی بھائیوں کا دل آپ کی طرف کھنچے، زبان سے تبلیغ کے ساتھ ساتھ عمل بھی ایسا ہونا چاہیئے کہ دوسری قوموں پر اس کا اثر ہو، آپ کا تاجر بازار میں بیٹھے تو معلوم ہو کہ مسلمان تاجر ایسا ہوتا ہے اور لوگوں کو شوق ہو کہ وہ آپ کے پاس آئیں۔

اسلام اور تلوار

اسلام کی تاریخ میں کسی تلوار کی صورت نظر نہیں آتی، کوئی لشکر کشی نہیں ہوئی، چین میں کوئی لشکر نہیں بھیجا گیا۔ انڈونیشیا میں کوئی تلوار نہیں چمکی۔ اسلام راست باز سوداگروں اور خدا پرست صوفیوں کے ذریعے پھیلا۔ آج کیوں اسلام نہیں پھیل رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہمارے اندر کمزوری آگئی ہے۔ ہم نے اپنی انفرادیت کھودی ہے۔ ہمارا تاجر دوسرے تاجروں سے الگ نہیں، ہمارا ملازم دوسرے ملازموں سے الگ نہیں۔ اور ہمارا پڑھا لکھا انسان دوسرے پڑھے لکھے انسانوں سے الگ نہیں، ہم کو تو ایسا ممتاز ہونا چاہیئے اور ہم میں ایسی پہچان ہونی چاہیئے۔ جیسے برسات میں رات کا دیا ٹمٹماتا ہے، یا اندھیری رات میں تارے چمکتے ہیں۔

کیریکٹر کی تلوار میرے دوستو! آپ کو بہت کچھ کام کرنا ہے۔ آپ کو اس ملک میں محبوب

ن کر رہنا چاہیئے، آنکھوں کا تارا بن کر رہنا چاہیئے، اس طرح رہنا چاہیئے کہ ملک کے ذرے ذرے
کو آپ سے انس ہو۔ خدانخواستہ کبھی آپ اس ملک سے جانے کا ارادہ کریں تو یہاں کی خاک
آپ کا دامن تھام لے۔ آپکے بھائی آپکے راستے میں لیٹ جائیں، مسلمان جہاں رہتا ہے محبوب
بن کر رہتا ہے۔ کسی قوم کے سر پر زبردستی مسلط ہو کے رہنا مسلمان کی شان نہیں۔ اگر آپکے اندر اسلامی
کیریکٹر پیدا ہو جائے تو آپ کے سارے مسائل حل ہو جائیں۔

روشن مستقبل اور اسکی پکی ضمانت

میں یہاں برما میں آکر بہت محظوظ ہوا۔ مجھے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں مسلمانوں کا مستقبل
روشن ہے۔ خدا کے فضل سے وہ مشکلات بھی نہیں جو دوسرے ملکوں میں رہنے والوں کو پیش آتی
ہیں۔ وہ نفرت بھی نہیں جو بعض ملکوں میں پائی جاتی ہے، آپ اس ملک میں اطمینان سے رہیئے
لیکن یہ ارادہ کر کے رہیئے۔ کہ آپ اللہ کے دین کے داعی ہیں۔ تاکہ اللہ کی مدد آپکے ساتھ
شامل ہو، اگر اللہ کی مدد آپکے ساتھ شامل رہی تو کوئی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلماں کہ ہے
اسکی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل

(اقبال)

دنیا کے اس بتکدے میں اگر اذان کی ضرورت ہے تو مؤذن کی بھی ضرورت ہے اس
بتکدے میں صدائے توحید بلند کرنے کی بھی ضرورت ہے، اس لئے آپ مؤذن بن کر رہیئے۔ اس
بتخانہ میں مؤذن کی صدا بن جائیے۔ اللہ اس صدا کی بھی حفاظت کرے گا اور اس صدا والے
کی بھی حفاظت فرمائیے گا۔

آزاد اسلامی مکاتب اور جبریہ تعلیم

دینی تعلیمی کانفرنس الہ آباد کے خطبۂ صدارت سے اقتباس

(از جناب قاضی محمد عدیل صاحب عباسی)

جبریہ تعلیم کا ایک مبہم خوف ہمارے صوبے پر چھایا ہوا معلوم ہوتا ہے جو لوگ ہم سے ملتے ہیں یا جہاں جہاں ہم لوگ جاتے ہیں لوگ جبریہ تعلیم کے بارے میں ایسے سوالات کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ غالباً کوئی دیو ہے جو بچوں اور بچیوں کو جبراً اٹھالے جاتا ہے اور ہڑپ کر لیتا ہے، عام طور پر یہ خیال پھیل گیا ہے کہ جہاں جہاں حکومت کی طرف سے جبریہ پرائمری تعلیم رائج ہوگی وہاں وہاں پولیس کے سپاہی موٹے موٹے ڈنڈے لے کر آئیں گے اور بچوں اور بچیوں کو زبردستی پکڑ کر سرکاری اسکول میں لے جائیں گے اور والدین یا سرپرست اگر ذرا بھی اُف کریں گے تو گرفتار ہوں گے اور جیل میں ڈال دیے جائیں گے۔

حضرات! واقفیت کی یہ کمی اور یہ موہوم خوف انتہائی افسوس ناک ہے، ضرورت ہے کہ کارکن اور عوام جبریہ پرائمری تعلیم کے اصول وضوابط اور آزاد مکاتب پر اسکے اثرات کو بخوبی سمجھ لیں اور خواہ مخواہ خوف دہراس میں مبتلا نہ ہوں۔

جبریہ تعلیم کیا ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ عوامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے کل باشندوں کو خواندہ بنائے ناخواندگی اور انگوٹھا لگانا غیر مہذب ہونے کی نشانی ہے اور چونکہ ہندوستان کا دستور جمہوری ہے۔ اس لئے حکومت کا فرض ہے کہ مفت اور جبریہ پرائمری درجات میں ہر بچے اور ہر بچی کو تعلیم دے۔ اگر حکومت اس فرض کو ادا نہ کرے تو عوام کا فرض ہے کہ حکومت سے

اس کا مطالبہ کریں اور اسکے حصول کے لئے آئینی جد وجہد کریں۔ ان حالات میں مسلمانوں کو ہندوستان کے شہری کی حیثیت سے جبریہ پرائمری تعلیم کا خیر مقدم کرنا چاہئیے نہ کہ اس سے گھبراہٹ ظاہر کریں۔

مگر عوامی حکومت کے فرائض میں یہ بھی ہے کہ وہ ہر بچے کو اسکے ذہن ومزاج اور اسکے والدین کے خیالات کے مطابق تعلیم دے، اوپر جو حالات درج کئے گئے ہیں اور جو بار بار اس سے قبل کہے جاچکے ہیں کہ ریاست اتر پردیش کے مسلمانوں کے بچوں کو اُن کے ذہن ومزاج کے بالکل خلاف تعلیم دی جاتی ہے۔ اسلیئے اس کے مضراثرات کو رفع کرنے کے لئے ایک طریقہ کار آزاد مکاتب کھولنے کے لئے اوپر پیش کیا گیا ہے، اب اگر جبریہ پرائمری تعلیم سے ان آزاد مکاتب کے بند ہوجانے کا اندیشہ ہو تو ضرور تردد کی بات ہے اور یہی وجہ در اصل مسلمانوں کی سراسیمگی کی ہے مگر جیسا کہ میں ابھی ظاہر کروں گا اس میں بے انتہا مبالغہ ہے اور ضرورت ہے کہ خواص وعوام اپنا ذہن اس بارے میں صاف کرلیں۔

جبریہ تعلیم اور ہمارے آزاد مکاتب یہ تو ظاہر ہے کہ جبریہ تعلیم ہمارے صباحی اور شبینہ مکاتب پر اثر انداز نہیں ہوسکتی جن میں زیادہ بچے پڑھیں گے۔

ان بچوں کے لئے تو ہمیں اولاً وہ اصلاحی کام کرنا ہے جن سے سرکاری نصاب کی کتابوں کا زہر دفع ہوجائے اور تعلیم قطعی سیکولر ہوجائے۔ جب ایسا ہوجائے گا تو یہ سرکاری مدارس دنیوی تعلیم کے نقطۂ نظر سے ہمارے لئے بھی اسی طرح نفع بخش ہوں گے جس طرح ٹیوب ویل کا پانی یا بجلی کی روشنی جو بلا تفریق مذہب وملت سب باشندگانِ ہند کو یکساں فائدہ پہنچاتی ہو اور صباحی اور شبینہ مکاتب دینی تعلیم کی ضرورت کو پورا کرینگے، لیکن اس طریقہ کار کو ہم عالمگیر نہیں بناسکتے اور نہ اس پر اکتفا کرسکتے ہیں، ہم کو پورے دن کے مکاتب کثیر تعداد میں کھولنے پڑیں گے، کیونکہ پورے دن کے آزاد مکاتب کی ایک قیمت ہے۔ اور ان آزاد مکاتب کی بڑی سے بڑی ضرورت ہے۔ ان میں جو بچے تعلیم پائیں گے وہ اسلامی فضا میں رہ کر اسلامی رنگ میں رنگے ہوں گے اور جب وہ درجہ ۶ میں دوسرے بچوں کے ساتھ جاکر داخل ہوں گے تو اپنے کردار اور عمل سے ایک خاصہ اچھا دینی ماحول پیدا کریں گے۔ اس طرح ایک اچھی تعداد میں ملک کے اندر ایسے بچے ہوں گے جو شروع سے اسلامی اصولوں پر سنوارے گئے ہوں گے اس لئے آئندہ نسلوں کے مسلمان رہنے کے لئے جس طرح عربی مدارس ضروری ہیں اسی طرح پورے دن کے یہ مکاتب بھی ضروری ہیں۔

اب آئیے دستور اور قانون کا جائزہ لیں اور سوچیں کہ آیا ان آزاد مکاتب کی بقا پر جبریہ تعلیم عام رواج کی شکل میں کہیں سے کوئی حملہ ہو سکتا ہے یا یہ محض ہماری پریشاں دماغی اور احساس کمتری ہے جو بھوت بن کر چھائی ہوئی ہے۔ یعنی سوال یہ ہے کہ کیا جبریہ تعلیم کے رواج کی شکل میں ان مکاتب کے قائم رہنے کی صورتیں ہیں اور اگر ہیں تو کیا ہیں۔

آئین اور قانون

دستور ہند کی آرٹیکل ۲۹ ضمن (۱) حسب ذیل ہے:۔
" باشندگانِ ہند کا کوئی گروہ یا اس کا کوئی جز جس کی اپنی کوئی خاص زبان کوئی خاص رسم الخط یا کلچر ہے اس کو اسے محفوظ رکھنے کا حق ہوگا۔"

آرٹیکل ۳۰ ضمن (۱) اس طرح ہے۔ " تمام اقلیتیں خواہ ان کی بنیاد مذہب ہو یا زبان، اُن کو حق ہوگا کہ وہ اپنی پسند کی تعلیمی درس گاہیں قائم کریں اور اُن کا خود انتظام کریں۔"

ان دفعات سے واضح ہوگیا کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی حفاظت کے لئے اپنے مکاتب و مدارس کھولنے کا بنیادی حق ہے اور اگر کوئی قانون کسی ریاستی حکومت کا ایسا موجود ہوتا جو آئین کی ان دفعات سے متصادم ہوتا تو طے شدہ اصول کے مطابق قانون ناجائز قرار دیا جاتا، کیوں کہ دستور بالا ہے۔ لیکن جب ہم قانون کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے وہاں بھی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ جبریہ تعلیم کے سلسلہ میں دو ایکٹ ہیں۔ ایک یوپی پرائمری ایجوکیشن ایکٹ نمبر ۷ سنہ ۱۹۱۹ء جو میونسپل بورڈوں کے لئے ہے اور دوسرا ایکٹ سنہ ۱۹۲۶ء کا ہے جو ڈسٹرکٹ بورڈوں یعنی دیہاتوں کے لئے۔ دونوں کے الفاظ یکساں ہیں۔

اس کی دفعہ ۳ میں یہ تحریر ہے کہ جہاں گورنمنٹ کی طرف سے جبریہ پرائمری تعلیم کا نوٹیفیکیشن جاری ہو وہاں ہر بچے کے سرپرست کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اسے کسی معقول وجہ کی عدم موجودگی میں کسی سرکاری منظور شدہ (رکگنائزڈ) پرائمری اسکول میں داخل کرے۔ دفعہ ۸ میں وہ معقول وجوہات درج ہیں جنکی بنا پر استثنا مل سکتا ہے وہ ہمارے مقصد کے لئے حسب ذیل ہیں:۔

ضمن (۲) یہ کہ بچہ کو کمیٹی نے مذہبی بنیادوں پر مستثنیٰ کر دیا ہے۔

ضمن (۳) یہ کہ بچہ سرکاری منظور شدہ پرائمری اسکول کے علاوہ کسی ادارے میں پرائمری تعلیم قابل اطمینان طور پر حاصل کر رہا ہے۔

مندرجہ بالا دفعات سے ظاہر ہے کہ حکومت مذہبی تعلیم اور آزاد مکاتب میں مداخلت نہیں

کرسکتی۔ یہ بھی یاد رکھیے کہ دفعہ ۸ کے شروع میں ان وجوہات کی بناپر مستثنیٰ کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے کسی کی مرضی پر منحصر نہیں ہے کہ چاہے تو مستثنیٰ کرے چاہے تو نہ کرے۔

ان ایکٹوں کے ماتحت جو رولز بنتے ہیں ان میں شرط یہ ہے کہ آزاد مکاتب میں بچے کو لکھنا پڑھنا حساب اور دیگر مضامین مطابق کریکولم پڑھائے جاتے ہوں۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ لفظ کریکولم استعمال کیا گیا ہے سیلبس استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ کریکولم میں مضامین درج ہوتے ہیں اور سیلبس میں کتابیں لکھی رہتی ہیں جن کے ذریعہ سے وہ مضامین پڑھائے جاتے ہیں، یعنی قانون اور ضابطے نے آزاد مکاتب کے استثنیٰ کے لئے یہ ضروری قرار نہیں دیا ہے کہ ان میں وہ کتابیں پڑھائی جائیں جو سرکاری اسکول کے نصاب میں داخل ہیں۔ صرف ان مضامین کا پڑھانا ضروری ہے جو محکمۂ تعلیمات نے مقرر کر دیے ہیں۔ کتابیں آپ جو چاہیں پڑھا سکتے ہیں۔

بس اب اس میں کسی بحث کی گنجائش نہیں رہی کہ ہمارے آزاد مکاتب پر جبریہ پرائمری تعلیم اثر انداز نہیں ہو سکتی ہے۔ اور آخر کیوں ہو؟ میں نے شروع ہی میں عرض کر دیا ہے کہ حکومت کی غرض لوگوں کو خواندہ بنانے کی ہے۔ ناخواندگی کسی قوم کی تہذیب پر ایک بدنما داغ ہے۔ اس لئے اگر آپ آزاد مکاتب کھول کر ان میں معیاری پرائمری درجات تک کی تعلیم دیتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ آپ حکومت کی امداد کرتے ہیں۔ اور حکومت کو آپ کے اس فعل سے خوش ہونا چاہیے نہ کہ بیزار۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ ایسی صورت بھی پیش آجائے کہ مکاتب کے بچوں کو بھی سرکاری اسکولوں میں داخلہ کے لئے مجبور کیا جائے اسکے امکانات بعید ہیں مگر ہیں۔ اس لئے میں اس پر گفتگو کروں گا کہ ایسی صورت میں کیا جائے۔

جہاں بھی جبریہ تعلیم رائج یا نافذ ہوگی وہاں ایک ایجوکیشن کمیٹی پورے میونسپل بورڈ یا ڈسٹرکٹ بورڈ کی ہوتی ہے۔ اسکی ماتحتی میں حلقے بنا کر ایجوکیشن کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں۔ پس طریقۂ کار یہ ہے کہ پہلے حلقہ کی ایجوکیشن کمیٹی بچے کے والدین یا سرپرست کو نوٹس دے گی۔ اور مطالبہ کرے گی کہ اتنے دن کے اندر بچے کو کسی سرکاری اسکول میں پڑھنے کے لئے بھیج دو۔ اب بچہ اگر اس مدت کے اندر نہ بھیجا جائے گا تو پھر دوسری نوٹس آوے گی اور پھر بھی کوتاہی ہونے پر مقدمہ چلے گا۔ اور مقدمہ کے سزایاب ہونے کی صورت میں پانچ روپیہ جرمانہ سزا مقرر ہے۔ اور اسکے بعد جب تک بچہ اسکول نہ بھیجا جائے گا۔ ھ صدر یومیہ جرمانہ ہوگا۔ نہ گرفتاری ہے اور نہ قید، نہ ہتھکڑی اور نہ بیڑی——

یہ سب خرافات ہے۔ اب میں بتلاتا ہوں کہ نوٹس ملنے پر کیا کرنا چاہیئے۔ آپ ملاحظہ کریں گے کہ اس نوٹس میں عام طور پر یہ درج ہوگا کہ گویا بچہ کہیں تعلیم نہیں پا رہا ہے۔ اس سے آپ اندازہ کر لیجئے کہ گا کہ نوٹس کا منشا کیا ہے۔ جب یہ نوٹس ملے تو بچے کے سرپرست کو چاہیئے کہ فوراً ضلع کی انجمن تعلیمات دین کو اسکی اطلاع دے۔ انجمن تعلیماتِ دین ضلع کا فرض ہے کہ جن مکاتب کا اس کے ساتھ الحاق ہے وہ ان کی بقا اور تحفظ کے لئے پوری جد وجہد کرے اور اس سلسلہ میں جو کارروائی بھی کرنی پڑے انجمن کرے، اور جو بھی اخراجات ہوں اسے انجمن برداشت کرے۔ بچے کے سرپرست پر کسی قسم کا بوجھ خواہ وہ دماغی ہو یا مالی، نہ پڑنا چاہیئے۔ دینی تعلیمی کونسل نے اس کام کو پورے طور پر اپنے ذمے لے لیا ہے اور وہ انجمن ضلع کو ہر قسم کی امداد دے گی۔ اور ضرورت پڑنے پر وہ خود اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لے گی۔ انجمن تعلیمات ضلع کو چاہیئے کہ نوٹس مذکور کا بہت مختصر اور سادہ جواب لکھوا کر اس پر سرپرست سے دستخط کرائے۔ جواب یہ ہونا چاہیئے۔

" میرا بچہ فلاں مکتب میں اُردو کے درجے میں دین اسلام کی تعلیم کے ساتھ پرائمری تعلیمات اطمینان بخش طریقے پر حاصل کر رہا ہے۔ لہٰذا امیدوار ہوں کہ میرا بچہ مستثنیٰ کیا جائے۔ "

دستخط .... سرپرست .... مورخہ ....

اور پھر سکریٹری انجمن تعلیمات دین ضلع اس پر ان الفاظ میں تصدیق کریں:-

" میں تصدیق کرتا ہوں کہ فلاں بچہ ابن فلاں ساکن .... مکتب اسلامیہ ..... میں باضابطہ اطمینان بخش طریقے پر پرائمری تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ اس مکتب کا الحاق انجمن تعلیمات دین ضلع .... سے ہے جس کا الحاق دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش سے ہے۔

دستخط ....

سکریٹری انجمن تعلیمات دین ضلع ....

مورخہ .... "

اس تصدیق کے بعد اس پر انجمن کی مہر لگا کر حکام مجاز کو لے جا کر دینا چاہیئے اور سکریٹری یا صدر یا انجمن کے کسی اور با اثر رکن کو حکام متعلقہ سے مل کر بھی گفتگو کرنی چاہیئے۔ کسی خواہ مخواہ کی بدحواسی، سراسیمگی یا بے جا شورش و ہیجان کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ مگر کام ٹھنڈے دماغ سے

کرنا چاہیئے۔ امید ہے کہ یہیں فیصلہ ہو جائے گا لیکن اگر نہ ہوا تو دوسری نوٹس اس مضمون کی ... کہ جواب ناکافی ہے اور مطالبہ کیا جائے گا کہ اتنے دنوں کے اندر بچے کو سرکاری اسکول میں داخل کر دیا جائے ورنہ مقدمہ دائر ہوگا۔ اس نوٹس کا جواب ذرا تفصیل سے دینے کی ضرورت ہے کیونکہ غالباً اب مقدمہ بازی کی نوبت آنے والی ہے اور لڑائی ٹھن گئی ہے۔ اس لئے کل قانونی عذرات کو لینا چاہیئے۔ (واضح ہو کہ یہ معاملہ اتنا اہم ہے کہ دینی تعلیمی کونسل اسکے لئے سپریم کورٹ تک مقدمہ لڑے گی اور انشاء اللہ فیصلہ ہمارے موافق ہوگا۔) مقامی وکلا غور و خوض کرکے مضمون بنا سکتے ہیں۔ میں نمونتہً ایک مضمون لکھ دیتا ہوں۔

"جناب ایجوکیشنل افسر صاحب ......

آپ کا نوٹس ملا، افسوس ہے کہ جناب نے میرے جواب کو تشفی بخش قرار نہیں دیا، حالانکہ مختصراً میں نے جملہ باتیں عرض کر دی تھیں۔ میں اپنے بچے کو سرکاری اسکول میں پرائمری تعلیم کے لئے بھیجنا حسب ذیل وجوہ کی بناء پر مناسب نہیں سمجھتا۔

(۱) یہ کہ میرے بچے کی مادری زبان اُردو ہے اور آپکے اسکول میں ذریعہ تعلیم ہندی ہے۔

(۲) یہ کہ میرا بچہ مکتب .... میں اطمینان بخش طریقہ پر پرائمری تعلیم حاصل کر رہا ہے اور اسکے ساتھ دین اسلام کی تعلیم بھی حاصل کرتا ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں اپنے بچے کو دنیوی علم کے ساتھ دین کے علم کی بھی تعلیم دوں اور یہ فرض مجھ پر میرے مذہب اسلام نے عائد کیا ہے جس کے ادا نہ کرنے پر میں مواخذۂ عاقبت میں گرفتار ہوں گا۔

ہندوستان کے ایک شہری کی حیثیت سے جس طرح میرا فرض یہ ہے کہ میں اپنے بچے کے ذہن کو علم دنیا سے آراستہ کرکے اسے ملک کی خدمت کے قابل بناؤں۔ اسی طرح بحیثیت مسلمان ہونے کے میرا یہ بھی فرض ہے کہ اپنے بچے کو اسلامی تربیت دوں۔ اور دین اسلام بھی سکھاؤں۔ یہ فرض میرے اوپر اور بھی زیادہ سخت اس حالت میں ہو جاتا ہے جب کہ سرکاری اسکولوں کے نصاب میں ایسی کتابیں داخل ہیں جن کے مضامین سراسر عقائد اسلام کے خلاف ہیں اور بچے کو دین اسلام سے منحرف کرنے والے ہیں۔

(۳) یہ کہ آرٹیکل ۲۹ ضمن (۱) اور آرٹیکل ۳۰ ضمن (۱) دستور ہند اور دفعہ ۸ ضمن ۲ ضمن ۳۔

پرائمری ایجوکیشن ایکٹ کی رو سے میرا بچہ مستثنیٰ ہونے کے قابل ہے۔

لہٰذا بذریعہ درخواست ہذا مودبانہ التماس ہے کہ نوٹس منسوخ کرکے عذرداد کو مستثنیٰ فرمایا جائے۔ اور اگر کسی وجہ سے جناب نے میرے اوپر مقدمہ چلایا تو مجبوراً دستور اور قانون میں دئیے ہوئے حق کے مطابق میں دفاع پر مجبور ہوں گا اور اس صورت میں آپ اور حکومت اترپردیش میرے حرجہ اور خرچہ کی بھی ذمہ دار ہوگی۔

دستخط .... سرپرست ....

ساکن .... مورخہ ....

اس درخواست پر مکتب کے مدرس اور سکریٹری دونوں کی تصدیق ہونی چاہیے اور انجمن کی مہر لگا کر بھیج دینا چاہیے۔ اب دو صورتیں ہیں۔ یا تو نوٹس خارج ہوجائے گی یا مقدمہ چلے گا۔ اور اگر مقدمہ چلے تو پھر ڈرنا نہ چاہیے۔

اب مقدمہ کی بڑی محنت و کاوش سے پیروی کرنی چاہیے۔ کوئی اچھا وکیل اس کام کے لئے رکھا جائے۔ اور حسب ذیل کارروائی کی جائے۔

(۱) پہلی تاریخ حاضری پر ایک مکمل بیان تحریری مندرجہ بالا جوابات نوٹس کی روشنی میں داخل کر دینا چاہیے اور اس میں دستور ہند اور دفعات قانون کا حوالہ دینا چاہیے۔

(۲) اس بیان تحریری کے ساتھ مکتب کے مدرس کا ایک سرٹیفکٹ شامل ہونا چاہیے، جس کی عبارت حسب ذیل ہو:۔

"میں تصدیق کرتا ہوں کہ مسمی .... ولد .... ساکن .... مکتب اسلامیہ .... میں درجہ .... میں تعلیم پاتا ہے۔ رجسٹر داخل خارج کے نمبر .... سے واضح ہو کہ اس کا داخلہ مکتب ہذا میں .... (تاریخ) کو ہوا اور اسے اطمینان بخش طریقہ پر محکمۂ تعلیمات ریاست اترپردیش کے منظور شدہ کریکولم کے جملہ مضامین کی اور اُن کے ساتھ دینِ اسلام کی تعلیم بھی دی جارہی ہے۔

دستخط .... ہیڈ مدرس مکتب اسلامیہ ....

مورخہ ....

شہادت میں سکریٹری یا صدر کو خود آنا چاہیئے۔ ہیڈ مدرس کو معہ جملہ رجسٹر پیش کرنا چاہیئے اور سرپرست کو بھی پیش کر کے فارم داخلہ پر دستخط تصدیق کرانا چاہیئے۔ یہ محض اشارات ہیں۔ کل باتیں کسی وکیل کے مشورہ سے کرنا چاہیئے۔

اب اگر مقدمہ کا فیصلہ خدانخواستہ خلاف ہوا تو اسکی نگرانی ڈسٹرکٹ جج کے یہاں ہوگی۔ اور سزا کے التوا کی درخواست دی جائے گی اور وہاں سے بھی خلاف ہوا تو ہائی کورٹ میں نگرانی ہوگی اور اگر وہاں بھی نگرانی منظور نہ ہوئی تو سپریم کورٹ میں معاملہ لے جایا جائے گا اور تب کہیں جا کر جرمانہ وصول ہوگا۔ آپ نے دیکھا کہ آپ سے کتنی حقیر قربانی مانگی جارہی ہے اور معاملہ کتنا غیر اہم ہے جسے اتنا دشوار بنایا جارہا ہے۔ یہ کبھی نہ بھولیے کہ یہ سب امکانات ہیں ان میں سے کسی کی بھی نوبت آنے کی توقع نہیں ہے۔ صرف سرپرستوں کی ہمت اور بے خوفی کی ضرورت ہے۔

حضرات! اب مجھے آپ سے صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کیوں یہ سب پاپڑ بیلے جائیں کیوں نہ مکتبوں کا حکومت سے الحاق یا رکگنا ئزڈ کرا لیا جائے۔ ہم رکگنا ئزڈ کرانا کوئی گناہ نہیں سمجھتے۔ مگر ایک عوامی تحریک کو چلانا ہے۔ گاؤں گاؤں اور محلے محلے مکاتب کھولنے ہیں۔ رکگنا ئزڈ کرانے میں جو دقتیں ہیں ان کی متحمل قوم نہیں ہے۔ انجام یہ ہوگا کہ تحریک ختم ہوجائے گی۔ اسی لئے اس کا خیال ترک کر دینا ہی بہتر ہے۔ سردست اس سے زیادہ اب اس پر اور کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ وقت ہے۔

فہرست کتب

کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

پہلے یہ چند باتیں ملاحظہ فرما لیجئے:۔

(۱) اپنا پتہ ہمیشہ صاف اردو میں لکھیے، اور اگر ہو سکے تو انگریزی میں بھی لکھ دیجئے۔

(۲) اگر آپ ایک دو روپے کی کتابیں منگوائیں گے تو محصول ڈاک کا بار بہت زیادہ پڑ جائے گا۔ اور اگر زیادہ منگوائیں گے یا اگر چند ساتھی مل کر اور زیادہ منگوائیں گے تو محصول کا بوجھ اسی حساب سے کم ہو جائے گا۔ اور آپ نفع میں رہیں گے

(۳) اگر کتابیں زیادہ ہوں گی تو ہم آپ کی مزید کفایت کے خیال سے ریلوے کے ذریعہ بھیجنا پسند کریں گے، اسلیے آپ زیادہ کتابوں کا آرڈر دیتے وقت اپنا ریلوے اسٹیشن ضرور لکھیے، اور اردو کے ساتھ انگریزی حروف میں بھی لکھیے۔

(۴) پہلی مرتبہ آرڈر دینے کی صورت میں کم و بیش بیس روپے کے آرڈر پر چہارم رقم ضرور پیشگی بھیجئے۔

(۵) پارسل کھول کر اگر آپ کو کوئی بات قابل شکایت نظر آئے تو براہ کرم بدگمانی نہ کیجئے، ہمیں لکھیے ہم آپ کی شکایت کی مناسب تلافی کرنا اپنا فرض سمجھیں گے اور اگر کوئی کتاب بدل جائے یا کم ہو تو ہمیں مطلع کرنا اپنا فرض سمجھیے۔

پاکستانی احباب کے لیے مخصوص ہدایات:۔

(۱) اگر آپ کو ہماری مطبوعات منگوانی ہوں تو ان کی قیمت اس فہرست میں دیکھ لیجئے، پھر اس قیمت پر فی روپیہ ۱۰ آنے کے حساب سے محصول بک پوسٹ اور ۸ آنے رجسٹری فیس فی پیکٹ کا اضافہ کرکے کل رقم بذریعہ منی آرڈر ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کے نام روانہ کر دیجئے اور ڈاکخانہ کی ابتدائی رسید تفصیلی فرمائش کے ساتھ ہم کو بھیج دیجئے، یہاں سے کتابیں رجسٹرڈ آپ کو فوراً روانہ کرا دی جائیں گی۔

(۲) دوسروں کی مطبوعات ہم سے طلب کرنا ہوں تو رقم بھیجنے سے پہلے ہم سے رجوع کیجئے۔

(۳) یاد رکھیے کہ ایک بنڈل میں مختلف کتابوں کے چند نسخے تو ہندوستان سے پاکستان جا سکتے ہیں لیکن ایک کتاب کے زیادہ نسخے نہیں جا سکتے۔

کتب خانہ الفرقان کی مطبوعات ایک نظر میں

اسلام کیا ہے؟ اردو ۲/۸ ہندی ۳/-	قرآن آپ سے کیا کہتا ہے مجلد ۴/-	معارف الحدیث اول مجلد ۵/- غیر مجلد ۴/-	معارف الحدیث دوم مجلد ۵/۸ غیر مجلد ۴/۸
دین و شریعت مجلد ۳/-	حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت ۴/۸ — مجلد ۵/۸	ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ۱/۸	تذکرہ مجدد الف ثانیؒ مجلد ۴/-
مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ مجلد ۴/-	آپ حج کیسے کریں؟ مجلد ۲/-	آسان حج -/۸/-	کلمۂ طیبہ کی حقیقت -/۹/-
نماز کی حقیقت -/۱۲/-	برکات رمضان -/۱۲/-	انیس نسواں -/۱۰/-	دجالی فتنہ اور سورۂ کہف ۱/۸
نظام سرمایہ داری -/۸/-	فیصلہ کن مناظرہ ۱/-	شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور اہل بدعت کے الزامات ۱/۸/-	بوارق الغیب دوم ۱/-

دیگر اداروں کی خاص خاص مطبوعات

تفسیریں اور قرآن مجید سے متعلق

دوسری کتابیں، اردو میں

تفسیر ابن کثیر اردو حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ کی تفسیر جو عربی تفسیروں میں بھی مستند ترین تفسیر سمجھی جاتی ہے اور جس میں یہ التزام ہے کہ آیات کی تفسیر وہ پہلے دوسری آیتوں سے کرتے ہیں اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے پھر صحابۂ کرام، تابعین اور بعد کے ائمہ تفسیر کے ارشادات سے۔ یہ اس کا مکمل اردو ترجمہ ہے۔ پانچ ضخیم جلدیں ہیں

قیمت مجلد، مکمل سٹ ۵۵/-

درس قرآن قرآن کی پہلی منزل یعنی ۵ ½ پارے کی عام فہم تفسیر، چھوٹے چھوٹے اسباق کی صورت میں۔

ہدیہ مجلد ۱۰/-

دوسری جلد — بھی تیار ہو گئی ہے۔ ہدیہ ۱/۸

قصص القرآن قرآن مجید میں جو بصیرت افروز اور عبرت آموز واقعات و قصص بیان ہوئے ہیں ان کا مکمل مجموعہ ضروری تشریحات و حواشی کے ساتھ چار جلدوں میں۔ از مولانا حفظ الرحمن صاحب ناظم مجموعی صفحات ۴۴۔ جلد اول -/۸ جلد دوم ۴/- جلد سوم جلد چہارم ۸/- (مجلد کی قیمت میں ایک روپیہ فی جلد کا اضافہ)

قصص و مسائل از مولانا دریا بادی ۲/-

قرآنی شخصیتیں 〃 〃 〃 ۲/۴

جغرافیہ قرآنی 〃 〃 〃 ۱/۴

حیوانات قرآنی 〃 〃 〃 ۲/-

فہم قرآن از مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی جس میں قرآن فہمی کے اصول مدلل اور دلنشین بحث کی گئی ہے۔ صفحات ۲۰۰

قیمت غیر مجلد ... ۲/۴

رہنمائے قرآن

اسلام اور پیغمبر اسلام کی صداقت کو سمجھنے کے لیے اپنے انداز کی بالکل نئی کتاب ۱/۰

تدوین قرآن

از مولانا سید مناظر احسن گیلانی جس میں قرآن کریم کے تحفظ کو تاریخی طور پر اس طرح بے غبار کر دیا ہے کہ اس کے بعد کوئی مغالطہ اور شک کا کوئی پہلو آپ کو ذہن میں نہیں رہ سکتی

قیمت مجلد ۔ ۱/۰

قرآن اور تعمیر سیرت

ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی کے ۲۰ نہایت مفید مقالات کا مجموعہ خاص طور پر جدید تعلیم یافتہ حضرات کے پڑھنے کی چیز ہے۔ صفحات ۲۲۰

قیمت غیر مجلد ۔/۵

لغات القرآن کامل

اردو زبان میں قرآن شریف کے تمام الفاظ کا لغات کی نہایت مفصل اور مبسوط تشریح، چھ جلدوں میں جلد اول ۴/۸ جلد دوم ۵/۰ جلد سوم ۴/۸ جلد چہارم ۶/۰ جلد پنجم ۶/۰ جلد ششم ۴/۸ (مجلد کی قیمت میں فی جلد ایک روپیہ کا اضافہ)

الفوز الکبیر اردو

اصول تفسیر پر شاہ ولی اللہ کے محققانہ رسالہ کا اردو ترجمہ

قیمت ۔/۱

کتب حدیث، تراجم اور شروح احادیث اردو میں

بخاری شریف اردو

تین جلدوں میں، مجلد قیمت مکمل ۔/۲۰

موطا امام مالک مترجم

بخاری شریف سے بھی پہلا مستند مجموعہ حدیث ۔ ... ... قیمت ۔/۱۲

شمائل ترمذی مع خصائل نبوی

شمائل ترمذی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا اور آپ کے عادات و اخلاق کا ایک دلکش مرقع ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کی شرح خصائل نبوی کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے ... ... قیمت ۔/۹

مشکوٰۃ شریف اردو

مشکوٰۃ شریف کو بجا طور پر حدیث کے مجموعوں کا انتخاب کہا جا سکتا ہے۔ اس کا ترجمہ دو ضخیم جلدوں میں قیمت مکمل مجلد ۔/۲۴

زاد سفر

امام نووی شارح مسلم کے مقبول و مشہور حدیثی مجموعہ ریاض الصالحین کا اردو ترجمہ از امۃ اللہ تسنیم ۔ دو جلدوں میں ۔ جلد اول قیمت ۳/۸ جلد دوم ۔/۴

مشارق الانوار مترجم

بخاری و مسلم کی ۲۲۲۲ قولی احادیث کا گرانقدر اور مقبول و معروف مجموعہ مجلد ۔/۱۴

حصن حصین

رسول پاک سے منقول دعاؤں کا مستند اور مقبول مجموعہ مجلد ۸/۰

مختصر شعب الایمان اردو

از امام بیہقی قیمت ۔/۱

مختصر خصائل نبوی

قیمت ایک روپیہ

لغات الحدیث

مشہور عالم حدیث مولانا وحید الزمان صاحب کی مرتبہ لغات حدیث (عربی سے اردو) چھ جلدوں میں سے چار جلدیں قیمت فی جلد مجلد ۔/۱۲

صحیفہ ہمام بن منبہ

حضرت ہمام بن منبہؒ مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد ہیں۔ انھوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے سنی ہوئی حدیثوں کو ایک کتابی شکل میں جمع کر لیا تھا لیکن یہ کتاب ابھی تک غیر معلوم پڑی ہوئی تھی ہمارے زمانہ کے مشہور اسلامی محقق ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس کا ایک نسخہ کسی طرح دریافت کیا اور پھر اس کو مع ترجمہ

نیچے ایک فاضلانہ مقدمہ اور تشریحی نوٹوں کے ساتھ شائع کیا ہے۔ انمول تحفہ۔ قیمت ۲/۸

ترجمان السنہ
از حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی۔ مقیم مدینہ طیبہ

یہ احادیث کا ایک جدید مجموعہ ہے جسے حضرت مولانا بدر عالم صاحب نے ایک خاص ترتیب پر مرتب کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک پورا اسلامی کتب خانہ ہے اور کسی تعلیم یافتہ مسلمان کو خواہ وہ جدید تعلیم کا حامل ہو یا قدیم تعلیم کا اس کے مطالعہ سے محروم نہیں رہنا چاہیے۔ اب تک تین جلدیں شائع ہوئی ہیں۔ جلد اول -/۱۰ دوم -/۹ سوم -/۱۰ (مجلد کی قیمت میں فی جلد دو دو روپے کا اضافہ)

علم الحدیث
از مولانا عبداللہ العمادی۔ باوجود مختصر ہونے کے اپنے موضوع پر نہایت مفید کتاب ہے جس میں حدیث کے بارے میں پیدا ہونے والے شبہات کا جواب بھی مل جاتا ہے۔ قیمت ۱/۴

تدوین حدیث
از مولانا سید مناظر احسن گیلانی
تدوین حدیث کی نہایت مفصل اور محققانہ تاریخ جس کے مطالعہ کے بعد اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ احادیث کا جو ذخیرہ ہم تک پہونچا ہے وہ اس درجہ اطمینان بخش طریقہ پر پہونچا ہے کہ اس سے زیادہ اطمینان بخش طریقہ عالم امکان میں نہیں۔ قیمت مجلد ۶/۸

تاریخ و سیرت

اصح السیر
مولانا عبدالرؤف دانا پوری کی نہایت مستند سیرت نبویؐ مجلد -/۱۰

مقالات سیرت
از ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ایم اے پی۔ ایچ۔ ڈی یہ سیرت محمدی پر آٹھ گرانقدر مقالوں کا مجموعہ ہے جسکو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنے مقدمہ میں دل کھولکر داد تحسین پیش کی۔ مجلد قیمت ۴/۸

رحمت عالمؐ
مدارس اور اسکولوں کے طلبا کیلیے سیرت کی کتاب علامہ سلیمان ندوی کے قلم سے قیمت ۱/۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات و معاہدات
یعنی شاہان عالم عرب کے حکمرانوں قبائلی سرداروں کے
آپ کی سیاسی خط و کتابت اور معاہدات ——— از

سید محبوب رضوی .... قیمت ۲/۴

عہد نبویؐ کے میدان جنگ
جس میں غزوات نبویؐ پر فن حرب (جنگی سائنس) کے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ متعدد جنگی میدانوں کے نقشے بھی شامل کتاب ہیں۔ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب۔ ۱/۸

سیرت پاک
از مولانا بشیر محمد شارق دہلوی
مصنف گو مشہور و معروف نہیں ہیں۔ مگر کم تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے سیرت پر اس سے زیادہ کامیاب کتاب شاید ہی اس وقت کوئی اور ہو۔ لکھائی چھپائی نہایت نفیس۔ قیمت ۱/۴

صدیق اکبرؓ
از مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ مولانا شبلی کی الفاروق کے بعد اردو زبان میں سیرت صدیق اکبرؓ کا جو خلا محسوس ہوتا تھا مولانا اکبرآبادی کی اس کتاب نے اسکو کافی حد تک پر کر دیا ہے۔ قیمت -/۶

حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط
اسلامی تاریخ کا ایک نادر و نایاب اور بیش بہا دستاویز جسے ایک ریسرچ اسکالر نے بڑی محنت سے ترتیب دیا ہے۔ ۴۰۰ سے اوپر خطوط ایک حصہ میں خالص اردو اور دوسرے حصہ میں عربی متن، ہر قیمت پر خریدنے کے لائق۔ مجلد -/۱۲، غیر مجلد ۱۱/۸

خطبات مدراس
سید سلیمان ندویؒ کے معرکۃ آرا خطبات سیرت کا مجموعہ۔ قیمت -/۳

امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی
از مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ۔ مجلد -/۱۲

تاریخ ملت
شائع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی۔ عہد رسالت سے سلاطین ہند تک
قیمت مکمل سٹ (گیارہ حصوں میں) غیر مجلد ۳۷/۸ مجلد -/۴۴

تاریخ دعوت و عزیمت
از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، خلافت راشدہ کے بعد اسلام کی حقیقی دعوت اور اس کی نصرت و حمایت کے لیے کون کون سی اہم شخصیتیں کس کس وقت میدان میں آئیں اور انھوں نے کیا کیا کارنامے کس کس نہج سے انجام دیئے۔ یہ اس کتاب کا موضوع ہے۔ جلد اول بھی

صدی ہجری سے ساتویں صدی تک، جلد دوم آٹھویں صدی کے جلیل القدر مجدد امام ابن تیمیہؒ نیز ان کے تلامذہ کی خدمات و حالات کے بیان میں۔
قیمت علی الترتیب -/۶ - -/۶

مقدمہ ابن خلدون فلسفۂ تاریخ کے موسس اور عظیم اسلامی مورخ
علامۂ ابن خلدون کی تاریخ کا شہرۂ آفاق مقدمہ جس کی عظمت آج تک کم نہیں ہو سکی۔ اردو زبان میں متعلقہ نقشوں اور تصویروں سے مزین۔ قیمت صرف -/۱۵

بستان المحدثین اردو کتب حدیث کا تعارف اور محدثین کرام کا تذکرہ
حضرت شاہ عبد العزیزؒ کے قلم سے۔ مجلد -/۵

تاریخ مشائخ چشت از پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی ہسلسلہ
چشتیہ کی نظامی شاخ کی چند اہم شخصیتوں کا مفصل اور محققانہ تذکرہ نیز تصوف اور خاص کر چشتیہ کے سلسلہ کے متعلق نہایت اہم اصولی بحثیں۔ قیمت غیر مجلد -/۱۲ مجلد -/۱۳

تذکرہ شیخ محمد طاہر پٹنی ہندستان کے جلیل القدر محدث کا تذکرہ۔ قیمت مجلد ۱/۸

حیات شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ شیخ موصوف ہندستان کی نہایت اہم علمی و دینی شخصیتوں میں سے ایک ہیں ان کی سوانح حیات کی کمی کو اس تحقیقی کتاب نے پورا کر دیا ہے (ایضاً از پروفیسر نظامی) قیمت مجلد -/۷

تذکرۃ الرشید عالم ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے حالات زندگی اور فضائل و کمالات کا تذکرہ۔ از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی
قیمت -/۸

سوانح قاسمی یعنی بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی سوانح حیات۔ مولانا گیلانیؒ کے قلم سے تین جلدوں میں۔ قیمت کامل -/۱۵

حیات انور یعنی حضرت علامہ سید انور شاہ صاحبؒ کی حیات مبارکہ پر ان کے اپنے تلامذہ کے گرانقدر مقالات کا مجموعہ۔ -/۴

تاریخ دیوبند قصبۂ دیوبند اور دار العلوم دیوبند کی تاریخ از سید محبوب رضوی
قیمت مجلد -/۲

سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات
ایک مفید تاریخی مطالعہ۔ از خلیق احمد نظامی
قیمت۔ غیر مجلد -/۸ مجلد -/۹

سفرنامۂ ابن بطوطہ آٹھویں صدی ہجری کے مشہور مسلمان سیاح شیخ ابن بطوطہ کے تاریخی سفرنامہ کا ملخص اردو ترجمہ
قیمت مجلد ۲/۸

دہلی اور اس کے اطراف از مولانا حکیم سید عبد الحی حسنیؒ
یہ فاضل مؤلف کا ایک سفرنامہ اور روزنامچہ ہے جس سے دہلی اور اس کے آس پاس کے شہروں کے بارے میں آج سے ۶۵ سال پہلے کے نہایت مفید علمی و دینی اور ثقافتی معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ قیمت -/۲

مختلف موضوعات پر قابل مطالعہ کتابیں

حجۃ اللہ البالغہ مترجم شاہ ولی اللہ کی وہ لاثانی تصنیف جو اسلام کے پورے نظام کی فکری حکمتوں سے باخبر کرتی ہو۔ عربی متن مع ترجمہ دو جلدیں مجلد -/۲۰

طوفان سے ساحل تک مشہور نومسلم صاحب قلم محمد اسد (لیوپولڈ ویس) کے ذہنی اور دینی انقلاب کی مکمل سرگذشت "روڈ ٹو مکہ" کی تلخیص اردو ترجمہ -/۵

تحفۂ اثنا عشریہ
شیعہ مذہب پر حضرت شاہ عبد العزیز رح کی لاجواب کتاب
قیمت مجلد -/۱۲

بشریت انبیاء
ذات پاک سے انبیاء کی بشریت کے ثبوت پر لاجواب علمی کتاب
از مولانا عبد الماجد دریابادی ۲/۴

مقالات احسانی
تصوف اور مشائخ تصوف سے متعلق مولانا گیلانی رح کے قابل دید مقالات و مضامین کا مجموعہ
قیمت مجلد ۲/۸

مکتوبات شیخ الاسلام
یعنی حضرت مولانا مدنی رح کے گرانقدر مکتوبات۔ جلد اول -/۶ دوم -/۶ سوم ۸/۴

ارشادات
یعنی حضرت مولانا مدنی رح کے مضامین، خطبات اور تقریروں کا ایک مجموعہ۔ مجلد قیمت ۳/۸

اسلام کا نظام حکومت
اس میں اسلامی ریاست کا مکمل دستور، اساسی اور مستند ضابطۂ حکومت پیش کیا گیا ہے۔ طرز تحریر زمانۂ حال کی قانونی زبان سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔ قیمت غیر مجلد -/۶ مجلد -/۸

مسلمانوں کا نظم مملکت
یہ دراصل ایک مصری فاضل کی کتاب "النظم الاسلامیہ" کا اردو ترجمہ ہے۔

اسلام کا زرعی نظام
اپنے موضوع پر جامع اور اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔
قیمت غیر مجلد -/۴ ، مجلد -/۵

اسلام کا نظام عفت و عصمت
اسلام نے پاک دامنی اور عصمت کی حفاظت کے جو اصول مقرر کئے ہیں ان کی تفصیل اور ان کی حکمت

اس کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔
قیمت ...... -/۴

اسلام کا نظام مساجد
اسلام کے نظام میں مساجد کا کیا مقام ہے اور اس سے کتنے اہم مقاصد وابستہ ہیں اور ان کے بارے میں اسلام کے احکام کیا ہیں؟ قیمت -/۸/۳

غلامان اسلام
از مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی۔ یہ کتاب غلاموں پر اسلام کے احسانات کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ قیمت مجلد ۶/۸

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات
از جناب مولوی عبد الرحمن خان صاحب۔ موضوع نام سے ظاہر ہے۔ دو جلدیں۔ قیمت مکمل ۵/۱۲

امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی
اپنے موضوع پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا قابل دید مقالہ -/۱۲

مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ
مسلمانوں میں نام نہاد بہتر فرقوں کے وجود کی محققانہ تردید اور اس افسانہ تراشی کے اسباب۔ از مولانا سید مناظر احسن گیلانی رح۔ مجلد قیمت ۱/۸

تاریخ علم فقہ
از مفتی عمیم الاحسان صاحب (ڈھاکہ یونیورسٹی) قیمت مجلد -/۶

بدعت کیا ہے
چند نہایت مفید مقالات کا مجموعہ۔ قیمت -/۳

اخلاق اور فلسفۂ اخلاق
از مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی
مجلد ۷/۸ ، غیر مجلد ۶/۸

مسلمانوں کا عروج و زوال
از مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی۔ مجلد -/۸ غیر مجلد -/۷

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے علوم و معارف

مولانا عبدالباری صاحب ندوی کے قلم سے

تجدید دین کامل ۵/-
تجدید تصوف و سلوک ۵/-
تجدید تعلیم و تبلیغ ۳/-
تجدید معاشیات ۵/-

حضرت تھانویؒ کی چند تالیفات

بہشتی زیور مکمل مدلل اختری ۱۳/۸
اصلاح الرسوم مع صفائی معاملات ۱/۱۲
حیات المسلمین ۱/۱۲
تعلیم الدین ۱/۱۲

اہل تبلیغ کی پسندیدہ کتابیں

مجموعہ تبلیغی نصاب مجلد ۷/۸
حکایات صحابہ ۲/-
فضائل صدقات ۲ جلد ۷/۸
فضائل رمضان -/۱۰
فضائل نماز -/۱۲/-
چھ باتیں -/۶/-
مرنے کے بعد کیا ہوگا (کامل) ۲/۱۲
امت مسلمہ کی مائیں ۱/۸
رسول اللہ کی صاحبزادیاں ۱/-
چالیس سبق -/۱۲/-
فضائل ذکر ۲/۱۰
فضائل قرآن -/۱۲/-
فضائل تبلیغ -/۱۵/-
فضائل حج ۲/۸
ارکان اسلام ۱/۸
رفیق حج ۱/۸
مسنون اور مقبول دعائیں -/۶/-
ارشادات مولانا محمد الیاسؒ -/۱۲/-
دعوت علم و عمل -/۱۲/-
اسلامی نام -/۱۲/-
نظام عمل ۵/-

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تصانیف

مطبوعہ مکتبہ اسلام و مکتبہ ندوۃ العلماء لکھنؤ وغیرہ

انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ۴/۸
تذکرہ مولانا فضل رحمٰن (زیر طبع)
قادیانیت (اردو) ۲/-
" (عربی) ۳/-
دو ہفتے ترکی میں ۱/۸
شرق اوسط میں کیا دیکھا ۱/۸
نیا طوفان -/۶/-
ایک اہم دینی دعوت -/۶/-
مسلمانوں پر ایک نظر -/۲/-
مذہب یا تہذیب -/۲/-
مرد خدا کا یقین -/۲/-
اخلاقی گراوٹ کیوں -/۲/۶
آنکھوں کی سوئیاں -/۳/-
مقام انسانیت -/۱/-
طالبان علوم نبوت کا مقام -/۲/-
ہندوستانی سماج -/۲/۶
روشنی کا مینار -/۲/-
صورت و حقیقت -/۲/۶
دنیا کی سالگرہ -/۱/-
نیا خون -/۲/۶
انسانیت کی تلاش -/۲/-

عربی ادب

قصص النبیین ۳ حصے ۲/۴
القراءۃ الراشدۃ ۳ حصے ۲/۱۲
مختارات ۲/-

تعلیم ترجمۂ قرآن کا نصاب

رحمانی قاعدہ (عربی) -/۵/۶	مفتاح القرآن سوم ۱/۲
" " (اردو) -/۵/۶	" " چہارم ۱/۴
مفتاح القرآن اول -/۵/۲	" " پنجم ۱/۸
" " دوم -/۶/۹	معلم القرآن ۱/۴

بچوں کا کامیاب اردو دینی نصاب

اچھا قاعدہ ۳ آنے	حضرت علیؓ ۶ آنے
اللہ کے رسول ۶ "	اچھی باتیں ۶ حصے کامل ۲/۱۵
حضرت ابوبکرؓ ۶ "	اچھے قصے ۹ آنے
حضرت عمرؓ ۶ "	حضرت خدیجہ ۸ آنے
حضرت عثمانؓ ۶ "	حضرت سودہ ۴ "

آسان فقہ۔ ۶ آنے

سفرِ حج کے لیے بہترین کتابیں

آپ حج کیسے کریں؟ ...... مجلد .... -/۲
آسان حج .... -/۸/-
احیان الحجاج .... -/۲
فضائل حج ۲/۸
معلم الحجاج ۳/۱۲
رفیق حج ۱/۸
حج کا مسنون طریقہ ۱/۴
تجلیات کعبہ .... -/۲
تجلیات مدینہ ۲/۸
سفر حجاز۔ (از مولانا دریا بادی) -/۵
گلبانگ حرم۔ (از مرحوم حمید صدیقی کا روح پرور کلام) ۳/۱۲

بچوں کی چند اور کتابیں } تعلیم الاسلام عکسی (از مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) ہر چہار حصص -/۶/۱
سراپائے رسولؐ -/۱ ، ہمارے نبیؐ کے صحابہ -/۱ ، رسول اللہ کے دو محبوب -/۶/-
رسول عربی -/۲/۱ ، خلافت راشدہ اول -/-/۱ ، خلافت راشدہ دوم -/-/۱ ، بچوں کی قصص الانبیاء ۶ حصے -/-/۶

متفرق علمی و دینی کتابیں

فلسفہ کیا ہے (از ڈاکٹر میر ولی الدین) مجلد -/۲ غیر مجلد -/۱
عروج و زوال کا الٰہی نظام .... مجلد -/۳
کتاب الصلوٰۃ (از امام احمد بن حنبلؒ) مجلد ۱/۸
علامات قیامت .... -/۸
باب کرم -/۵/- کلیا باب رحمت -/۶/-
حسن معاشرت (لڑکیوں کیلئے) .... -/۱۰/-
علوم عرب غیر مسلموں کی نظر میں ۲/۸
مقالات سیرت، از ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ۲/۸
مصباح اللغات (عربی اردو ڈکشنری) .... -/۱۶
بیان اللسان .... مجلد -/۱۲
اردو عربی ڈکشنری .... -/۶
آئینۂ نماز .... -/۵/-
صلوٰۃ النساء .... -/۲/-
نصیحۃ المسلمین .... -/۵/-

دُنیا میں

سب سے بڑا روحانی انقلاب

پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ برپا ہوا تھا

جو لوگ اُردو زبان کے ذریعہ

اُس تعلیم و ہدایت سے واقف ہونا اور فائدہ اٹھانا چاہیں جس نے یہ انقلاب برپا کیا تھا

ہم انکی خدمت میں مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ کی تالیف

معارف الحدیث

اعتماد اور یقین کے ساتھ پیش کرتے ہیں

اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ یہ حدیث نبوی کا ایک جدید مجموعہ ہے جو دور حاضر کے مسلمانوں کی ذہنی و فکری سطح کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ مصنف کی خاص کوشش پوری کتاب میں یہ رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے جو اثرات صحابہ کرام کے قلوب پر پڑتے تھے اس کتاب کے ناظرین کے دلوں پر بھی وہی اثرات کسی درجہ میں پڑیں۔ (دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں)

جلد اوّل — جس میں ایمان اور آخرت سے متعلق ۳۰۰ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔ قیمت مجلد [illegible] غیر مجلد [illegible]

جلد دوم — جس میں تزکیۂ اور اصلاح اخلاق سے متعلق ۲۰۰ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے جس کے متعلق وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کے بعد تزکیۂ نفس اصلاح قلب اور تربیت اخلاق کا کوئی موثر ذخیرہ حدیثوں کے ذخیرہ کے سوا اسلامی ادب میں موجود نہیں۔ قیمت مجلد [illegible] غیر مجلد [illegible]

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

ALFURQAN (Regd. No. A.353) LUCKNOW.

Only cover printed at Allahabad Oriental Press Lucknow.

ماہنامہ

الفرقان

لکھنؤ

ہماری دعوت

مسئول
محمد منظور نعمانی

مرتب
عتیق الرحمن سنبھلی

کتب خانہ الفرقان کی مطبوعات

[illegible] کی حقیقت

[illegible]

برکات رمضان

از افادات مولانا نعمانی

اسلام کے اہم رکن صوم رمضان اور ماہ رمضان [illegible]

[illegible]

احکام اور ان کے فضائل و برکات [illegible]

[illegible] حضرت شاہ ولی اللہ [illegible]

قیمت [illegible]

نماز کی حقیقت

از افادات مولانا نعمانی

پڑھے لکھے مسلمان کو ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ نماز کے مقام اور اس کی روح و حقیقت سے واقف ہونے کے لیے اس رسالہ کا مطالعہ ضرور فرمائیں کو نماز کی حقیقت کی طرح یہ بھی عقل جذبات اور دل و دماغ کو یکساں متاثر کرتا ہے

قیمت [illegible]

اسلام کیا ہے؟

[illegible]

[illegible] زبان میں

[illegible]

آپ حج کیسے کریں؟

حج کے بارے میں [illegible] زبان میں بے شمار چھوٹی بڑی کتابیں [illegible]

[illegible]

[illegible] عشق و جذب اور ذوق و شوق کی [illegible]

[illegible] روح اور جان ہیں

قیمت مجلد [illegible]

آسان حج

یہ آپ حج کیسے کریں کا خلاصہ ہے [illegible]

[illegible]

قیمت [illegible]

[illegible]

[illegible]

ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ

[illegible]

انیس نسواں

[illegible]

[illegible] اصلاح اور [illegible] کے لیے ایک [illegible]

[illegible]

قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ

قیمت [illegible]

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین کے الزامات

قیمت [illegible]

معرکۃ القلم

[illegible]

[illegible] کے سنگین [illegible] الزامات کا آخری [illegible] جواب

قیمت [illegible]

ہندوستان و پاکستان سے
سالانہ چندہ (بسکۂ ہندوستان) ۵ر
سالانہ چندہ (بسکۂ پاکستان) ۶ر

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

فی کاپی آٹھ آنے (۸ر)

غیر ممالک سے
سالانہ چندہ [illegible] شلنگ
اعزازی خریداروں سے
سالانہ چندہ ۱۵ر

جلد ۲۸ | بابتہ ماہ رمضان المبارک ۱۳۸۰ھ مطابق مارچ ۱۹۶۱ء | شمارہ ۹

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحات
۱	نگاہِ اولیں	عتیق الرحمٰن سنبھلی	۲
۲	تجلیاتِ مجدد الف ثانیؒ	مولانا نسیم احمد فریدی امروہی	۹
۳	تحریکِ اشتراکیت کے غیر شعوری اثرات	مولانا حکیم محمد اسحٰق صاحب سندیلوی	۲۲
۴	مغربی تہذیب	مولوی سید محمد حسنی (مدیر البعث الاسلامی)	۳۱
۵	تعارف و تبصرہ	ع س ــــــ	۳۹
۶	جبلپور کی قیامت	مرتب	۵۱

اگر دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہو تو

اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی، براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۱ مارچ تک دفتر میں ضرور آجانی چاہیئے۔ ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی پی ارسال کیا جائے گا۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

نمبر خریداری:۔ خط و کتابت اور منی آرڈر پر اپنا نمبر خریداری لکھنا ہرگز نہ بھولئے۔

تاریخ اشاعت:۔ الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہو ــــ اگر ۱۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں، انکی اطلاع ۲۰ تاریخ کے اندر آنی چاہیئے، اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

مقام اشاعت ــــــ دفتر الفرقان ــــــ کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

گزشتہ اشاعت میں تعلیمی اداروں کے موجودہ ماحول پر کچھ اظہارِ خیال کیا گیا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ آزادی کے بعد جو ماحول ملک کے تعلیمی اداروں میں عام طور پر پیدا ہوا ہے اس نے طلباء اور طالبات کی جنسی رگوں کو چھیڑ کر اُن کے اخلاق و کردار کو غیر معمولی نقصان پہنچایا ہے۔ اور بدقسمتی سے مسلم تعلیمی اداروں نے بھی روشِ عام سے متأثر ہو کر انھیں سب باتوں کو اپنا لیا ہے جو ایسا تباہ کن ماحول پیدا کرتی ہیں۔ حالانکہ ملک کا تمام سنجیدہ طبقہ اب اس ماحول کی تباہ کاریوں سے پناہ مانگ رہا ہے۔ اور مسلم تعلیمی ادارے اگر خود کو خلوص کے ساتھ اپنی سابقہ اسلامی روایات کا پابند بنالیں تو وہ اپنے نمونہ سے پورے ملک کو اشارہ کر سکتے ہیں کہ ان تباہ کاریوں سے بچنے کی راہ کیا ہے۔

ان معروضات کی اشاعت پر ابھی چند دن بھی نہیں گزرے تھے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی ایک کتاب "علی گڈھ تحریک - آغاز تا امروز" دیکھنے میں آئی جو حال ہی میں طبع ہوئی ہے۔ اس میں یونیورسٹی کے ایک فاضل استاذ کا مضمون ہے "علی گڈھ کدھر؟" جس میں یونیورسٹی کو نئے حالات کے ماتحت اپنے اندر کچھ ضروری تبدیلیاں کرنے کے مشورے دیئے گئے ہیں۔ اس مضمون کا ایک حصہ ہمیں اپنی معروضات کے موضوع سے براہ راست متعلق بھی نظر آیا۔ اس کے مطالعہ سے، ہمیں بڑی مسرت ہوئی کہ مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ کا وہ طبقہ بھی جس کے متعلق ہمیں گمان نہیں تھا کہ طلبا کی

اخلاقی بے راہ روی اور جنس زدگی کو تشویش کی نظر سے دیکھتا ہوگا، اور ان تشویشناک رجحانات کی ذمہ داری انھیں چیزوں پر ڈالتا ہوگا جنھیں ہم ان رجحانات کا باعث قرار دیتے ہیں ـــــ ہمیں بڑی مسرت ہوئی کہ ـــــ اسکے ایک نمائندے کو ہم یہ کہتا ہوا دیکھتے ہیں کہ:-

......" پھر سینما، عورتوں کی بے پردگی، مردوں اور عورتوں کے آزادی سے ملنے نے نئے نئے سوال کھڑے کر دیئے ہیں، چنانچہ ہمارے ادارے میں جو طالب علم آتے ہیں وہ نہ کوئی گہری مذہبی بنیاد رکھتے ہیں نہ زندہ اخلاقی قدریں۔ یہ جاسوسی ناولوں اور فلم اسٹاروں کی تصویروں پر پلے ہوئے نوجوان، فلمی گانوں کے رسیا، آمدہ سستی اور ہنگامہ پسند ریاست کے شکار نوجوان، جنھیں علم سے اس لئے شغف نہیں ہو پاتا کہ عام زندگی میں اسکی قدر نہیں، جو مذہب سے یا تو نہی واقف ہیں، جو اپنے گرد و پیش نہ اخلاقی قدریں دیکھتے ہیں نہ خلوص نہ ریاض بلکہ جو سفارش، رشوت، ذاتی نفع کا کاروبار ضرور دیکھتے ہیں............ان نوجوانوں کے لئے اقامتی زندگی کا تصور بدلنا ہوگا، اور اس کے لئے اساتذہ کو بھی بہتر نمونہ پیش کرنا ہوگا"........

صفحہ ۴۱ - ۴۴

کس قدر خوش آئند ہونی چاہیئے یہ بات کہ ہمارے مرکزی جدید تعلیمی ادارے کے ایک ایسے طبقے کا استاذ جس کے متعلق ہم نہ سمجھتے ہوں کہ سینما بینی، عورتوں کی بے پردگی، لڑکوں اور لڑکیوں کے آزادانہ اختلاط کے نتائج کو وہ تشویش کی نظر سے دیکھتا ہوگا، اور طلباء میں مذہبی بنیادوں کے فقدان مذہب سے عدم واقفیت کو وہ کوئی نقصان دہ خلاء سمجھتا ہوگا، ہم اسکی ایک تحریر پڑھتے ہوئے محسوس کر رہے ہیں کہ وہ ان چیزوں کو فکر و تشویش کی نظر سے دیکھ رہا ہے اور اسی بنیاد پر طلباء کی اقامتی زندگی کے تصور پر از سر نو غور کی دعوت دے رہا ہے!۔

اس تشخیص کے بعد تجویز جو کچھ ہونی چاہیئے، اصولی اور بنیادی حد تک وہ بالکل ظاہر ہو اس میں دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں۔ چنانچہ اسی عالم مسرت میں ہم آگے بڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ

تشخیص میں مکمل ہم آہنگی کے بعد تجویز میں بھی بنیادی حد تک تو عدم اتفاق کا کوئی سوال ہی نہیں، مقالہ نگار نے طلباء کی اقامتی زندگی کی نئی تجویز میں یقیناً وہ باتیں رکھی ہوں گی جن سے بگاڑ کے اسباب کا ازالہ ہو ——— لیکن ہمیں تھوڑی سی مایوسی ہوتی ہے جب تجویز کی یہ عبارت ہمارے سامنے آتی ہے کہ

"...... اقامتی زندگی میں صحیح قدروں پر زور دینے کے لئے طلباء اور اساتذہ کو مل کر جد وجہد کرنا ہوگی۔ جس میں مرکزی حیثیت ڈائننگ ہال کی نہیں لائبریری کی ہوگی، جس میں باقاعدہ تعلیم، باقاعدہ ورزش، پہاڑوں کی پیدل سیاحت ملک کی سیر، فوجی تربیت ان سب کو پہلے سے زیادہ اہمیت دینی ہوگی۔" الخ

یہ مایوسی اس بنا پر نہیں کہ یہ باتیں تجویز میں شامل ہونے کی نہیں تھیں، بلکہ اس بنا پر کہ تشخیص کی رو سے جو اجزاء سب سے اوّل ہونے چاہئیے تھے وہ سرے سے غائب ہیں۔ کوئی ایسا جزو نہیں جو مذہب سے لگاؤ پیدا کرے، کوئی ایسا جزو نہیں جو طلباء کی شخصیت میں گہری مذہبی بنیادیں پیوست کرے، کوئی ایسا جزو نہیں جو سینما سے متنفر کرے اور کوئی ایسا جزو نہیں جو مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط کو رد کرے ——— بہرحال تجویز ناقص اور بہت ناقص ضرور ہے، اور اس لئے مایوسی ناگزیر تھی، لیکن تشخیص سے متصادم کوئی بات اس میں نہیں تھی، سب باتیں اپنی جگہ پر کام ہی کی تھیں۔

لیکن یہ تجویز جب اختتام پر پہنچتی ہے تو ہمیں اس میں ایک جزو یہ ملتا ہے:۔

" اُن کو (طلباء کو) صحیح معنی میں تہذیب سے آشنا کرنا ہوگا۔"

یہ جزو بھی متن کی حد تک کچھ انوکھا نہیں ہے، مگر اسکے بعد جو اسکی شرح سامنے آتی ہے تو ہماری خوشی و خوش فہمی کی ساری بساط ہی الٹ جاتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اچھا خاصا سیدھی راہ چلنے والا مسافر ایک دم سے کسی ترنگ میں آکر ایک بالکل ہی دوسری راہ پر پڑ گیا ہو، اور بھول بیٹھا ہو کہ وہ چلا کس راہ پر تھا اور کہاں اُسے جانا تھا۔

متن کے اُس آخری فقرے کی شرح یہ ہے:۔

"اس لئے علی گڑھ کی اقامتی زندگی میں تہذیبی سرگرمیوں کی اہمیت بڑھ جاتی ہے، ہمیں ڈاکٹر ذاکر حسین کا شکرگزار ہونا چاہیئے کہ انھوں نے اپنی وائس چانسلری کے زمانہ میں اس ضرورت کو بھی محسوس کیا اور ان طلبا کی ہمت افزائی کی جو فنونِ لطیفہ سے ذوق رکھتے تھے۔"

مقالہ نگار کو غالباً اس کا اچھی طرح احساس تھا کہ اس تشخیص کے ساتھ تجویز کے اس جزو کا جوڑ لوگوں کی سمجھ میں کسی طرح نہ آئے گا۔ اس لئے اس جزو کی افادیت پر ایک معرکہ آرا تقریر بھی ہمیں آگے پڑھنے کو ملتی ہے۔

"فنونِ لطیفہ کی جو اہمیت شخصیت کی تربیت میں ہے، جمالیاتی قدروں سے سماج اور اخلاق کو جو فائدے پہنچ سکتے ہیں، وہ اربابِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ بڑے بڑے صوفیوں نے موسیقی کی نہ صرف سرپرستی کی ہے، بلکہ اس میں اجتہاد بھی کیا ہے حضرت امیر خسرو کی مثال اس سلسلہ میں کافی ہے۔ صوفیوں کے نزدیک سماع تزکیۂ نفس کا ایک ذریعہ ہے۔ مصوری اور فوٹوگرافی کے متعلق مولانا آزاد کے ایک مضمون کو ذہن میں رکھنا چاہیئے جو عبدالرزاق ملیح آبادی نے "ذکرِ آزاد" میں شامل کر دیا ہے۔ اگر کچھ لوگوں کے نزدیک اِن مشاغل سے لڑکوں اور لڑکیوں کے اخلاق پر اثر پڑتا ہے تو یہ اُن لوگوں کی نظر کا قصور ہے۔ آج سینما کی لت کے کارن اور عریاں افسانوں اور سماجی بندشوں کے ڈھیلے پڑ جانے کی وجہ سے نوجوان طبقہ ویسے ہی جنس زدہ ہے۔ تہذیبی سرگرمیاں اس جنسی میلان کو جو غلط راہوں کا شکار ہو جاتا ہے صحیح راستے پر لاتی ہیں۔ آج ہندوستان کے بڑے شہروں میں ایسے نوجوانوں کا گروہ خاصی تعداد میں ملتا ہے جو سستی فلموں کے اثر سے لڑکیوں کا تعاقب کرنے یا اُن کے (سے ہونا چاہیئے) چھیڑ چھاڑ کرنے سے باز نہیں آتا۔ سینما پر اور چٹ پٹے رسالوں پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ لڑکوں کے لئے لڑکیوں سے ملنے کے مواقع بھی بڑھ رہے ہیں۔ والدین کا احتساب کمزور ہوتا جاتا ہے۔ لڑکوں لڑکیوں میں لباس کی آرائش اور فیشن کا شوق بڑھ رہا ہے اس لئے تہذیبی سرگرمیوں پر پابندی عائد کرنے کے بجائے اسکی ضرورت ہے کہ

ذمہ دار اساتذہ کی نگرانی میں اُنھیں ایسے سنجیدہ مشاغل میں لگایا جائے جن سے جنسی جذبہ پر مناسب بند باندھے جا سکیں۔ اور ڈراما، مصوّری، موسیقی، رقص، فوٹوگرافی، خطاطی، ادبی مجالس، سیاسی مکتب، آثارِ قدیمہ کے مطالعے کے ذریعہ طلباء کی نظر کو وسیع اور اُن کے جمالیاتی احساس کو دقیع کیا جائے اور اُن کے جذباتی سیلاب کو سماجی تربیت کی برقی رَو میں تبدیل کیا جا سکے۔" (ص ۴۹-۲۴۸)

اس تقریرِ افادیت کو پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طبیب کے نزدیک اُسکے نسخے کی جان یہی جزو ہے۔ اور وہ اس کے اعتماد پر کہنا یہ چاہتا ہے کہ مذہبی بنیادیں ہل گئی ہیں تو انھیں جانے کی فکر مت کرو۔ اخلاقی قدریں مرگئی ہیں تو انھیں جلانے کے غم میں مت پڑو، مذہب سے طلباء کا رشتہ ٹوٹ گیا ہے تو ٹوٹ جانے دو، اسکی استواری کی فکر مت پالو۔ بس فنونِ لطیفہ سے لگاؤ پیدا کردو۔ سینما کے بُرے اثرات اسی سے رُکیں گے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے اختلاط کے نتائجِ بد پر یہی لگاؤ بند باندھے گا، بے پردہ آرائش و زیبائش کی فتنہ سامانیوں کی چارہ جوئی اسی سے ہوگی، والدین کے احتساب اور سماجی بندشوں کی کمزوری کی تلافی یہی ذوقِ جمال کرے گا اور فحش لٹریچر کے مارے ہوئے مُردوں کو اسی نفسِ مسیحائی سے نئی اخلاقی زندگی ملے گی ــــــ کیسی اخلاقی زندگی! معرفتِ حق کے چشمے اُبلیں گے، یونیورسٹیاں خانقاہوں میں تبدیل ہوجائیں گی اور ایک ایک طالبِ علم تزکیۂ نفس میں جنید و شبلی کو شرما رہا ہوگا۔

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما

نہیں نہیں! شاید یہ آخر میں ہم مبالغہ کر گئے۔ یہ مطلب صاحبِ مقالہ کا نہ ہوگا (علوفیا) اور اُن کے تزکیۂ نفس کا ذکر محض اُن قاصر نظر لوگوں کے توڑ پر کر دیا گیا ہوگا، جو ان لطیف مشاغل کو لڑکوں اور لڑکیوں کے اخلاق کے لئے مضر گردانتے ہیں ــــــ خیر نہ سہی یہ مطلب۔ پھر بھی جتنا دعویٰ صاف الفاظ میں ہے وہ کیا کچھ کم ہے؟۔ ہم مان سکتے ہیں یہ بات کہ ان فنون کے

فنکاروں میں ایسے مخلص اور ربانی النفس بھی کبھی ہوئے ہوں گے جو مجرّد جمالِ فن کے تماشے میں ہی عمر بھر کھوئے رہے ہوں، اور اُن کے احساسِ جمال میں اس درجہ لطافت آگئی ہو کہ کوئی "کثافت آمیز" جلوۂ حسن اُن کے ذوقِ جمال کو تہِ کمند لانے میں کامیاب نہ ہو سکا ہو لیکن عام انسانی زندگی کا تجربہ تو روزِ آفرینش سے یہی بتلا رہا ہے کہ رقص اور موسیقی میں شباب کو بہکانے کی جس قدر صلاحیت ہے وہ شاید ہی کسی اور چیز میں ہو۔ انسانیت کی پوری تاریخ اِن "فنونِ لطیفہ" کی تباہ کاریوں کی ایک مسلسل داستان اپنے اندر رکھتی ہے اور کم ایسے بالغ نظر نکلیں گے جو اس داستانِ مسلسل کی شہادت کو نظر انداز کر کے مدّعی ہوں کہ یہ فنون معصوم ہی نہیں معصوم گر بھی ہیں! ـــــ ایسی مسلّمہ حقیقت کے علی الرغم دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ یہ ناولوں اور فلم اشاروں کی تصویروں پر پلے ہوئے نوجوان، فلمی گانوں اور عریاں افسانوں کے رسیا نوجوان، لڑکیوں کے پیچھے دوڑتے پھرنے اور اُن کے درپے کھینچنے والے نوجوان اگر رقص و موسیقی کی مشق پر لگا دیئے جائیں، ڈرامے اور مصوّری کے تماشوں میں محو کر دیے جائیں تو یہ پاکبازی اور پاک نہادی کی اعلیٰ سطح پر نظر آئیں گے اور ان کے جنسی میلانات نامناسب ترغیبات کا شکار ہونے سے بچ جائیں گے! ـــــ اتنا حیرت انگیز دعویٰ، مسلّمات اور حقائق کے خلاف دعویٰ، اور دلیل کچھ بھی نہیں، نام کو بھی نہیں! ـــــ

رہی ذمہ دار اساتذہ کی نگرانی کی بات، تو اوّلاً تو ذمہ دار اساتذہ کی نگرانی کوئی جادو کی چھڑی نہیں ہے کہ خواص اشیاء کو بدل دے اور جذباتِ شباب کے لئے زہر کی گولیوں کو امرت میں تبدیل کر دے ـــــ پھر بُرا نہ مانیئے تو ہمیں اِن مشاغل سے دلچسپی رکھنے والے اساتذۂ کرام کی ذمہ داری کی حقیقت بھی معلوم ہے۔ اور ہم سے زیادہ اُن کے ہمنشینوں کو معلوم ہے، لیکن اگر سوال دل کے بہلانے کا ہو، تو پھر یقیناً یہ خیال اچھا ہے۔

اِن فنونِ لطیفہ کی حمایت بہتوں نے کی مگر یہ انداز آج تک شاید کسی کے حصہ میں نہ آیا ہوگا کہ اِن سے اشتغال مذہبی اور اخلاقی احساسات کے خانوں کو بھرتا اور مٹتی ہوئی مذہبی اور اخلاقی قدروں کی قائمقامی کر سکتا ہے، یہ تو بیسویں صدی کے لئے ایک نئی پیغمبری اور ایک نئی رسالت ہوئی! ـــــ مبارک ہے وہ ذات جس کو اس رسالتِ نو کا شرف ملا، اور جس نے

اس بیسویں صدی کی اِس انگیز اخلاقی فضا میں امید کا ایک نیا راگ چھیڑا۔ جس نے اخلاقی پاکیزگی کے مسئلہ کا وہ دلکش حل سامنے رکھدیا کہ بوالہوسانِ دہر تسکین کی طلب میں دیوانہ وار نیکیں اور تزکیہ کی دولت لے کے پلٹیں۔

غضب کیا ہے مقالہ نگار نے، کہ ایک طرف تو ارشاد ہے کہ "یہ ادارہ ایک مخصوص کردار رکھتا ہے۔ اس کا مقصد مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کو اسلام کی اعلیٰ قدروں کی بنیاد کے ساتھ مزید زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت عطا کرنا ہے۔" اور یہ کہ "اُن کی معروضات کا مقصد ہی یہ ہے کہ موجودہ علی گڑھ کے اساتذہ اور طلباء میں اپنے نصب العین کا احساس اور گہرا ہو" ——— لیکن اِنہی معروضات میں وہ رقص وسرود اور ڈرامہ و مصوّری کا معروضہ بھی شامل ہے!۔

ہوسکتا ہے کہ اسی اشکال کو دور کرنے کے لئے انھوں نے یہ فقرہ لکھدیا ہو کہ "اسلام کی ان قدروں اور جدید ضروریات میں کوئی ازلی تضاد نہیں ہے۔ ہاں حقیقی اسلام اور رواجی اسلام کو سمجھنا ہے۔" اور ہوسکتا ہے کہ وہ اس معروضہ کو حقیقی اسلام کے نہیں، رواجی اسلام کے مخالف سمجھ رہے ہوں! ——— اگر ایسا ہے تو ہم اور کچھ نہیں قرآن کی یہ چند آیتیں اُن کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جو فیصلہ کر دیں گی کہ یہ معروضہ رواجی اسلام کے خلاف ہے یا حقیقی اسلام کے بھی خلاف ہے، بشرطیکہ وہ حقیقی اسلام کا سرچشمہ قرآن کو مانتے ہوں!۔

نبیؐ سے ارشاد ہے:۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ	کہو ایمان والوں سے کہ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں
وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ	اور پاک رکھیں دامن ..... اس میں
اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝	پاکیزگی ہے ان کے لئے۔ بے شک اللہ جانتا ہے
وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ	جو کچھ وہ کریں۔ اور کہو ایمان والیوں سے
اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ	کہ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کریں
وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا	عصمت کی اور نہ نمایاں کریں اپنی زیبائش

(باقی ص۴۹ پر)

تجلیاتِ مجددِ الفِ ثانیؒ

مکتوبات کے آئینے میں

تلخیص و ترجمہ ——————— از: مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

بقیہ مکتوب (۲۶۶) بنام خواجہ عبداللہؒ و خواجہ عبیداللہؒ صاحبزادگانِ حضرت خواجہ باقی باللہؒ

.... بعثتِ انبیاء علیہم السلام " رحمتِ عالمیاں " ہے اگر ان بزرگوں کا توسط وجود نہ ہوتا تو ہم گمراہوں کی واجب الوجود کی معرفتِ ذات و صفات کی طرف کون رہنمائی کرتا؟ اور مرضیاتِ خداوندی اور عدم مرضیات خداوندی میں کون تمیز دیتا؟ ——— ہماری ناقص عقلیں انبیاء کی دعوت کے بغیر اس حقیقت سے معزول و معطل اور ہمارے افہام ناتمام ان بزرگواروں کی تقلید کے بغیر اس معاملے میں خوار کردہ شدہ ہیں.........

بعثت انبیاء ایک ایسی حجت بالغہ ہے کہ عذاب و ثواب اخروی و دائمی ——— اسی سے متعلق ہے.....

(یقیناً) بعثتِ انبیاء عینِ رحمت ہے، کیونکہ " سببِ معرفتِ ذات و صفاتِ واجب الوجود " ہے اور یہ معرفت ہی " سعادتِ دنیویہ و اُخرویہ " کو متضمن ہے اور اسی بعثت کی بدولت یہ تمیز ہوئی ہے کہ یہ چیزیں مناسب جنابِ قدس ہیں اور یہ نامناسب ہیں ——— ہماری لنگڑی اندھی عقل جو کہ " داغ امکان و حدوث " سے داغدار ہے کیا جانے کہ اُس حضرتِ واجب الوجود کے مناسب، کہ قدامت جس کے لوازم سے ہے، کون کون سے اسماء و صفات اور افعال ہیں اور کون کون سے نامناسب ہیں؟ تاکہ مناسب کا اطلاق کیا جائے اور نامناسب سے اجتناب ہو ——— بلکہ بسا اوقات یہ عقلِ ناقص کمال کو نقصان اور نقصان کو کمال سمجھ لیتی ہے۔

یہ مناسب و نامناسب کا امتیاز، نزدِ فقیر تمام ظاہری و باطنی نعمتوں سے بالا تر ہے ـــــ
وہ بڑا ہی کم بخت ہے جو امورِ نامناسبہ اور اشیاءِ ناشائستہ کے ساتھ حضرتِ حق سبحانہٗ کو منسوب کرے۔
ـــــ باطل کو حق سے اور غیر مستحق عبادت کو مستحق عبادت سے جدا و ممتاز کرنا ـــــ بعثتِ انبیاء کا
ہی کارنامہ ہے ـــــ بعثتِ انبیاء ہی کے ذریعے راہِ حق کی جانب دعوت دی گئی ہے اور
بندوں کو سعادتِ قرب و وصل تک پہونچایا گیا ہے ـــــ اسی بعثت سے مرضیاتِ خداوندی
پر آگاہی میسر ہوئی ہے اور اسی کی برکت سے ملکِ خداوندی کے اندر جوازِ تصرف اور عدمِ جواز
تصرف متمیز ہوتا ہے۔ پس یہ امر مسلّم ہے کہ بعثتِ انبیاء (سراپا) رحمت ہے جو شخص خواہشاتِ نفسِ
امّارہ کا مطیع ہو گیا ہے وہ بحکمِ شیطانِ لعین، انکارِ بعثت کرتا ہے اور بمقتضائے بعثت عمل کرنے
کے لئے تیار نہیں ہوتا ....

حصولِ تصفیہ و تزکیہ ان اعمالِ صالحہ کے انجام دینے سے متعلق ہے جو مرضیاتِ مولیٰ ہوں،
اور یہ بات بھی موقوف ہے بعثتِ انبیاء پر، پس بغیر بعثت، حصولِ حقیقتِ تصفیہ و تزکیہ بھی میسر
نہیں ـــــ اور جو صفائی کفار و اہلِ فسق کو حاصل ہو جاتی ہے وہ (درحقیقت) صفائے نفس
ہے نہ کہ صفائے قلب ـــــ صفائے نفس سے سوائے گمراہی اور خسارے کے کسی اور بات
کی طرف رہنمائی نہیں ہوتی ـــــ صفائے نفس کی حالت میں جو بعض امورِ غیبیہ کا کشف، کفار و اہلِ فسق
کو ہو جاتا ہے وہ استدراج ہے اور اس استدراج سے مقصود جماعتِ کفار و اہلِ فسق کے
خسارے کے علاوہ کچھ نہیں ـــــ اللہ تعالیٰ ہم کو اس بلا سے بحرمتِ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم
نجات دے ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ از راہِ بعثت جو تکلیفِ شرعی ثابت و لازم ہوئی ہے
وہ بھی رحمت ہی رحمت ہے ـــــ ایسا نہیں ہے جیسا کہ تکلیفِ شرعی کے منکر بعض ملحد و
زندیق گمان کرتے ہیں اور "تکلیف" کو "کلفت" تصور کر کے غیر معقول سمجھے ہوئے ہیں اور (برملا)
کہتے ہیں (ارے صاحب) یہ کونسی مہربانی ہے کہ بندوں کو امورِ شاقہ کے ساتھ تکلیف دیں
اور پھر کہیں کہ اگر بندے اس تکلیف کے مقتضیٰ پر عمل کریں گے تو بہشت میں جائیں گے ورنہ دوزخ
میں جائیں گے ـــــ

(ان منکرین سے دریافت کرو کہ) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو (اعمالِ صالحہ کا) کیوں

مکلف نہ کریں؟ اور اپنے بندوں کو کیوں آزاد چھوڑ دیں کہ بس کھاؤ، سو جاؤ اور اپنے طور پر زندگی بسر کرو۔۔۔ یہ کم نصیب و بے خرد منکرین شاید یہ نہیں جانتے کہ شکر منعم، عقلاً واجب ہے اور یہ تکلیفات شرعیہ اسی شکر کی ادائیگی کا بیان ہیں۔۔۔ پس عقل کی رو سے بھی تکلیف شرعی واجب ہوگی۔۔۔ نیز نظام عالم اسی تکلیف شرعی سے مربوط ہے۔ اگر ہر ایک کو یوں ہی آزاد چھوڑ دیا جاتا تو سوائے شرارت و فساد کے اور کچھ بھی ظہور میں نہ آتا۔۔۔ ہر بوالہوس دیگر کے نفس و مال میں دست درازی کرتا اور گناہ و خیانت کے ساتھ پیش آتا اس طرح خود بھی ضائع ہوتا اور دیگر کو بھی ضائع کرتا۔۔۔ اگر شرع کے زواجر و موانع موجود نہ ہوتے تو بناہ بخدا (براحال ہوتا)۔۔۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ (تمھارے لئے قصاص میں اے عقل والو حیات مضمر ہے۔ یعنی قصاص کا حکم سبب حیات ہے۔

اگر چوب حاکم نہ باشد زپے
کنند زنگی مست در کعبہ قے

علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ مالک علی الاطلاق ہے اور بندے اسکے مملوک ہیں، پس جو حکم و تصرف وہ ان میں فرمائے عین خیر و صلاح ہے اور شائبۂ ظلم و فساد سے مبرّا و منزہ ہے۔

لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (اس سے اسکے افعال کی باز پرس کا کسی کو حق نہیں)۔۔۔

کرا زہرۂ آنکہ از بیم او
کشاید زباں جنز بہ تسلیم او

وہ اگر سب کو دوزخ میں بھیجے اور عذاب ابدی کرے تو کوئی اعتراض کا موقع نہیں اور نہ یہ کسی غیر کی ملکیت میں تصرف ہے کہ اس میں شائبۂ ستم ہو۔۔۔ بخلاف ہماری املاک کے کہ وہ درحقیقت اللہ تعالےٰ ہی کی املاک ہیں ان میں بدون تجویز خدا ہمارے جمیع تصرفات عین ستم ہیں۔۔۔ البتہ صاحب شرع نے بعض مصالح کی بنا پر ان املاک کی نسبت ہماری طرف کی ہے ورنہ فی الحقیقت وہ اسی کی ملکیت ہیں، پس ان میں ہمارا تصرف اسی قدر جائز ہوگا جتنا مالک علی الاطلاق

(خداوندکریم) نے تجویز فرما دیا اور مُباح قرار دے دیا ہے ———— ان انبیا علیہم السلام نے اللہ کی طرف سے مطلع ہو کر جو خبریں دی ہیں اور جو احکام بیان فرمائے ہیں وہ سب صادق اور مطابق واقع ہیں۔ .... قبر میں منکر و نکیر کا سوال مومنوں اور کافروں سے ہونا حق و ثابت ہے۔ قبر ایک برزخ ہے جو درمیانِ دنیا و آخرت ہے۔ قبر کا عذاب اس حیثیت سے تو عذابِ دنیوی سے تعلق رکھتا ہے کہ (ایک دن) ختم ہو جائے گا اور دوسری حیثیت سے وہ عذابِ اُخروی سے مناسبت رکھتا ہے اسلئے کہ وہ حقیقت میں عذابہائے آخرت سے ہے ———— اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا (کافر صبح و شام آتش دوزخ پر پیش کئے جائیں گے) یہ آیت عذابِ قبر کے بارے میں ہے ——— اسی طرح راحتِ قبر بھی دو حیثیتیں رکھتی ہے، وہ شخص بڑا سعادت مند ہے جس کی لغزشوں اور جس کے گناہوں کو بکمالِ مہربانی معاف فرمادیں اور کوئی گرفت نہ فرمائیں ——— اگر مواخذہ فرمائیں بھی تو کمال رحمت سے دنیا کی تکالیف کو اُسکے گناہوں کا کفارہ قرار دیدیں اور کچھ گناہ رہ جائیں تو فشارِ قبر کو اور اُن تکلیفوں کو جو قبر میں ہوتی ہیں کفارہ کردیں تاکہ پاک و پاکیزہ ہو کر محشر میں اُٹھے ——— اور جس کے ساتھ ایسا نہ کریں اور اُسکے مواخذے کو آخرت پر چھوڑدیں تو یہ بھی عین عدل ہے۔ مگر ایسی صورت میں گناہگاروں اور شرمساروں کا بُرا حال ہوگا ——— لیکن اگر (وہ گناہگار) اہلِ اسلام و ایمان ہے تو آخرکار اُسکے ساتھ رحمت کا معاملہ ہوگا اور وہ عذابِ ابدی سے محفوظ رہے گا یہ بھی بڑی نعمت ہے۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ————

———— بحرمتہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ——

روز قیامت حق ہے، اور اس روز آسمان، ستارے، زمین، پہاڑ، دریا، حیوان، نباتات معادن، یہ سب چیزیں ختم ہو جائیں گی ——— آسمان شق ہو جائیں گے اور ستارے منتشر، زمین اور پہاڑ پراگندہ ذرّات کی طرح ہو جائیں گے ——— یہ نیست و نابود کرنا نفخۂ اولیٰ سے تعلق رکھتا ہے نفخۂ ثانیہ سے (مُردے) قبروں سے اُٹھ کھڑے ہوں گے اور محشر کی طرف روانہ ہوں گے..

...... (قرآن کی بہت سی آیات اس حقیقت کو واضح کر رہی ہیں)

...... حساب، میزان اور پل صراط حق ہے۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن کی خبر

دی ہے ــــ طورِ نبوت سے ناواقف لوگوں نے جو اِن باتوں کو بعید سمجھ کر انکار کیا ہے اُن کا انکار درجۂ اعتبار سے ساقط ہے۔ اسلئے کہ طورِ نبوت، طورِ عقل سے ماوراء ہے ــــ اخبارِ صادقۂ انبیاء کو نظرِ عقل سے موافق کرنے کی کوشش کرنا فی الحقیقہ انکارِ طورِ نبوت ہے، یہ معاملہ تو تقلیدِ انبیاء پر مبنی ہے، یہ نہ سمجھ لینا کہ طورِ نبوت، طورِ عقل کے مخالف ہے، نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ عقل بغیر تقلیدِ انبیاء کے مطلب عالی تک راہ یاب نہیں ہوسکتی (عقل کو تقلیدِ انبیاء ضروری ہے) ــــ مخالفت دوسری چیز ہے اور عدمِ ادراک دوسری بات ہے ــــ مخالفت تو بغیر ادراک کے متصوّر ہی نہیں ہوتی (جب عقل بیچاری بعض احکامِ شرعیہ کو سمجھ ہی نہیں سکتی تو اسکی مخالفت کیا کرے گی)۔

بہشت و دوزخ موجود ہیں" بعد از محاسبہ روزِ قیامت" ایک گروہ کو بہشت میں داخل کریں گے اور ایک گروہ کو دوزخ میں۔ (مومنین کو) ثواب اور (کفار کو) عذاب، دائمی و ابدی ہوگا۔ اس ثواب و عذاب کی انتہا نہیں ہے جیسا کہ نصوصِ قطعیہ اس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں۔

.... ملائکہ خدا کے بندے ہیں وہ معاصی سے معصوم اور خطا و نسیان سے محفوظ ہیں ــــ لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (فرشتے اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے اور جس کام کے لئے مامور ہوتے ہیں اس کو انجام دیتے ہیں) ــــ

فرشتے کھانے پینے سے پاک ہیں اور تذکیر و تانیث سے مُبرّا و مُنزّہ ہیں ــــ قرآن مجید میں اُن کے لئے ضمیریں مذکر جو آئی ہیں وہ اس لئے ہیں کہ صنفِ ذکور کو شرف حاصل ہے صنفِ نساء کے مقابلے میں ــــ اللہ تعالیٰ خود اپنے لئے بھی ضمائر کی تذکیر ہی لائے ہیں ــــ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں سے بعض کو رسالت و پیغام رسانی کے لئے چن لیا ہے جیسا کہ بعض انسانوں کو اس دولت سے مشرف فرمایا ہے ــــ اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (اللہ تعالیٰ نے ملائکہ اور انسانوں میں سے فرستادوں کو چُن لیا ہے) ــــ جمہور علماء اہلِ حق اس عقیدے پر ہیں کہ خواصِ بشر، خواصِ فرشتہ سے افضل ہیں........

ایمان نام ہے تصدیقِ قلبی کا، یعنی دین کی اُن باتوں کی (تصدیق) جو بطریقِ تیقّن اور بطورِ تواتر ہم تک پہونچی ہیں ــــ اقرارِ لسانی کو بھی جو احتمالِ سقوط رکھتا ہے رُکنِ ایمان کہا ہے ــــ اس تصدیق کی علامت، کفر و کافری اور خصائص و لوازمِ کافری سے بیزاری ہے ....

اگر عیاذاً باللہ تصدیقِ قلبی کا دعویٰ کرنے کے بعد (اپنے اعمال و افعال کے ذریعہ) کفر سے بیزاری کا اظہار نہ کرے (بلکہ ایسے افعال اس سے سرزد ہوں جو کفر سے راضی ہونے پر دلالت کرتے ہوں) تو وہ دو دینوں کا قبول کرنے والا اور داغِ ارتداد سے داغدار قرار دیا جائے گا اور فی الحقیقہ اس کا حال منافق کا سا ہے کہ لَا اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ ۔ (منافق نہ اس ہی طرف ہے نہ اس ہی طرف) ....

فائدہ جلیلہ | دوزخ کا عذابِ ابدی جزائے کفر ہے اور بس (ایمان کے ہوتے عصیان وگناہ کے بدلے میں ابدی عذاب نہ ہوگا) ــــ اگر دریافت کیا جائے کہ ایک شخص ہے جو باوجود ایمان کے کچھ رسوم کفر بھی بجالاتا اور تعظیم مراسم کفر کرتا ہے جیسا کہ بہت سے مسلمانانِ ہند اس بلا میں مبتلا ہیں ــــ علماء ایسے شخص کے کفر کا حکم لگاتے ہیں اور اہلِ ارتداد سے سمجھتے ہیں پس بفتوائے علماء ایسا شخص عذابِ ابدی میں گرفتار ہونا چاہیئے حالانکہ احادیث صحاح میں آیا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرّہ برابر بھی ایمان ہوگا اُسکو دوزخ سے (بالآخر) نکال لیا جائے گا اور عذابِ دائمی میں نہیں چھوڑا جائے گا .... میری تحقیق یہ ہے کہ اگر کافرِ محض ہے تب تو عذابِ دائمی کا مستحق ہے ...... اور اگر ادائیگی مراسم کفر کے ساتھ ساتھ ذرّۂ ایمان بھی رکھتا ہے تو عذابِ دوزخ میں تو ضرور مبتلا ہوگا لیکن اس ذرّۂ ایمان کی برکت سے اُمید ہے کہ دوامِ عذاب اور گرفتاری دائمی سے نجات پا جائے ــــ فقیر ایک مرتبہ ایک شخص کی عیادت کو گیا تھا جس کے اوپر نزع کا عالم طاری ہو چکا تھا۔ اس مرنے والے کی حالت پر توجہ کی گئی تو محسوس ہوا کہ اُس کا دل "ظلماتِ بسیار" رکھتا ہے۔ فقیر ہر چند اُن ظلمات کو دور کرنے کی طرف متوجہ ہوا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا، بہت کچھ توجہ کرنے کے بعد (از راہ کشف والہام) معلوم ہوا کہ یہ ظلمات اُن صفاتِ کفر سے پیدا ہوئے ہیں جو اُس شخص کے اندر چھپے ہوئے ہیں اور ان تمام کدورتوں اور تاریکیوں کا منبع اُس کی دوستی کفر و اہل کفر ہے ــــ توجہ سے یہ ظلمات دور نہ ہوں گے ــــ ان ظلمات کا تنقیہ، عذابِ نار سے ہوگا جو جزائے کفر ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ شخص ایمان کا ذرّہ بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس ذرّۂ ایمان کی برکت سے آخر کار اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا ــــ جب یہ حال مشاہدے میں آیا تو پھر یہ خیال ہوا کہ اس

شخص کے جنازے کی نماز پڑھی جائے یا نہیں؟ بعد از توجہ یہ بات ظاہر ہوئی کہ نماز جنازہ پڑھنا چاہیئے .... پس وہ مسلمان جو باوجود ایمان کے، رسوم کفر بھی انجام دیتے ہیں اور کفار کے ایام کی تعظیم کرتے ہیں اُن کے جنازے کی نماز پڑھنا چاہیئے اور (مطلقاً) کفار سے ملحق نہ کرنا چاہیئے ...... اُمید ہے کہ ایسے لوگ سزا بھگت کر آخر کار ببرکت ایمان، عذاب دائمی سے چھٹکارا پا جائیں گے ....

زیادتی ونقصانِ ایمان کے بارے میں علمار کا اختلاف ہے۔ امام اعظمؒ فرماتے ہیں ۔ الایمان لا یزید ولا ینقص ـــــ (ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں ہے) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے ـــــ اس میں شک نہیں کہ ایمان، تصدیق ویقین قلبی کا نام ہے اور اس تصدیق ویقین میں زیادتی ونقصان کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے کہ جو قبولِ زیادت ونقصان کرے وہ داخلِ دائرۂ ظن ہے یقین نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ بات ہوسکتی ہے کہ اعمال صالحہ کی ادائیگی، یقین میں روشنی پیدا کرنے اور اعمالِ غیر صالحہ یقین کو تیرہ وتاریک کر دیں اس لحاظ سے زیادتی ونقصان کا ثبوت باعتبار اعمال، یقین کو روشن کرنے میں ہوا نہ کہ نفسِ یقین میں ـــــ ایک جماعت نے جب کسی یقین کو روشن ومنجلی پایا تو اسکو اس یقین سے زیادہ کہا جو انجلا، اور روشنی نہیں رکھتا تھا ـــ گویا کہ بعض نے غیر روشن یقین کو یقین ہی نہیں سمجھا اُسی روشن یقین کو یقین جان کر غیر روشن یقین کو ناقص کہدیا ـــــ دوسری جماعت جو چشم باطن تیز رکھتی ہے اُس نے دیکھا کہ یہ زیادتی ونقصان، صفات یقین سے متعلق ہیں، نہ کہ نفسِ یقین سے، انھوں نے لامحالہ یقین کو غیر زائد اور غیر ناقص کہا ـــــ مثلاً دو برابر کے آئینے ہیں کہ اُن کے انجلاء ونورانیت میں فرق ہے اب ایک شخص اُس آئینے کو دیکھتا ہو جو انجلار زیادہ رکھتا ہے اور جس میں نمائندگی چہرہ زیادہ ہے اور دیکھ کر کہتا ہے کہ یہ آئینہ دوسرے آئینے سے زیادہ ہے جس میں اتنی انجلار ونمایندگی نہیں ہے ـــــ دوسرا شخص کہتا ہے کہ دونوں آئینے برابر ہیں آپس میں کم وبیش نہیں، البتہ اگر فرق ہے تو انجلار ونمایندگی میں ہے اور یہ انجلار ونمایندگی آئینوں کی صفات میں سے ہے .... اس تحقیق سے جس کے اظہار کی فقیر کو توفیق ملی ہے وہ اعتراضات زائل ہوگئے جو عدم زیادتی ونقصانِ ایمان پر معترضین نے

گئے ہیں اور تمام مومنین کا ایمان تمام وجوہ سے مثل ایمان انبیا علیہم السلام نہ ہوا۔ اس لئے کہ ایمانِ انبیاء تمام تر منجلی اور نورانی ہے۔ اسکے ثمرات و نتائج تو بہت ہی زیادہ ہوں گے بمقابلہ ایمانِ عامۃ المومنین کے کہ وہ ایمان ظلمات و کدورات بھی رکھتا ہے۔ اسی طرح ایمان ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی جو کہ وزن میں تمام امت کے ایمان سے زیادہ ہے (درحقیقت) انجلاء و نورانیت اور صفات کاملہ کے اعتبار سے زیادہ سمجھنا چاہیئے۔

دیکھئے انبیاء علیہم السلام نفسِ انسانیت میں تمام مومنین کے مساوی ہیں اور حقیقت و ذات میں سب سے متحد ہیں لیکن صفاتِ کاملہ کی وجہ سے اُن کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے۔ . . . اور باوجود اس فرق کے نفسِ انسانیت میں کوئی زیادتی و نقصان نہیں ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انسانیت قابلِ زیادتی و نقصان ہے ـــــ یہ بھی کہا گیا ہے کہ "تصدیقِ ایمانی سے مراد بعض کے نزدیک تصدیقِ منطقی ہے جو ظن و یقین دونوں کو شامل ہے اس صورت میں نفسِ ایمان میں زیادتی و نقصان کی گنجائش ہے"۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ تصدیق سے مراد اس مقام پر یقین و اذعانِ قلبی ہے وہ عام یقین نہیں جو ظن کو بھی شامل ہو ـــــ

امام اعظمؒ فرماتے ہیں انا مومنٌ حقاً ـــ (میں یقیناً مومن ہوں) امام شافعیؒ فرماتے ہیں انا مومنٌ انشاء اللہ تعالیٰ ـــ (میں ایمان والا ہوں اگر اللہ تعالیٰ چاہے) یہ اختلاف فی الحقیقۃ نزاعِ لفظی سے زیادہ نہیں ہے ـــ پہلے قول کا تعلق ایمان حال سے ہے اور دوسرے مقولے کا تعلق مآل و عاقبت کار سے ہے. . . . . . .

کراماتِ اولیاء حق و ثابت ہیں. . . . . . معجزہ نبی دعویٰ نبوت سے مقرون ہوتا ہے اور کرامت ولی، متابعت نبی کے اقرار کے ساتھ مقرون ہوتی ہے. . . . .

ترتیب افضلیت، خلفاء راشدین کے درمیان، خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے ـــ لیکن افضلیت شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت ہوئی ہے چنانچہ اس حقیقت کو اکابر ائمہ کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے جن میں سے ایک امام شافعیؒ بھی ہیں ـــــ شیخ امام ابوالحسن اشعریؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تفضیل پھر حضرت عمر فاروقؓ کی تفضیل ـــ بقیہ امت پر ـــ قطعی ہے ـــــ ذہبیؒ نے کہا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ قول انکی خلافت

کے زمانے میں جم غفیر کے سامنے تواتر کے ساتھ منقول ہے ـــ کہ ابوبکرؓ و عمرؓ افضل اُمت ہیں"ـــ اس روایت کو کچھ اوپر اسّی راویوں نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے .... بخاریؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں میں بہتر ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ الخ ـــ ذہبیؒ وغیرہ نے سندِ صحیح سے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو مجھے حضرات شیخین پر فضیلت دیتے ہیں ـــ جو بھی مجھکو اُن پر فضیلت دیتا ہے وہ مفتری ہے اور اس کے لئے وہ سزا ہے جو ایک مفتری کے لئے ہونا چاہیے ـــ دار قطنیؒ نے حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے کہ میں جس کسی کو پاؤں گا کہ وہ ابوبکرؓ و عمرؓ پر مجھے فضیلت دے رہا ہے تو میں اُس کو اُتنے کوڑے لگاؤں گا جتنے ایک مفتری کے لگنے چاہئیں ـــ اس قسم کی روایتیں خود حضرت علیؓ سے اور دیگر صحابہ کرامؓ سے اس کثرت سے بتواتر آئی ہیں کہ اُن روایات سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ـــ یہاں تک کہ اکابر شیعہ میں سے عبدالرزاق نے کہا ہے کہ" میں حضرت علیؓ کے فرمانے کے بموجب شیخین کی فضیلت کا قائل ہوں ورنہ میں کبھی شیخین کو فضیلت نہ دیتا ـــ میرے نزدیک یہ گناہ کی بات ہے کہ میں حضرت علیؓ سے محبت کا دعویٰ کروں اور اُن کے قول کے خلاف کروں"۔ یہ تمام اقوال صواعق محرقہ مولفہ علامہ، فقیہ محدث شہاب الدین احمد بن حجر الہیثمی المکی سے لئے گئے ہیں ـــ اب رہی تفضیل عثمانؓ بر علیؓ ـــ سو اکثر علماء اہل سنت اس پر ہیں کہ بعد از شیخینؓ، افضل، حضرت عثمان ہیں پھر حضرت علیؓ ـــ ائمہ اربعہ مجتہدین کا مذہب بھی یہی ہے ـــ اور جو توقف امام مالکؒ سے افضلیت عثمانؓ بر علیؓ کے بارے میں منقول ہے ـــ قاضی عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ امام مالکؒ نے اس توقف سے رجوع کرلیا ہے اور وہ تفضیل عثمانؓ کے قائل ہو گئے تھے ـــ اسی طرح امام اعظمؒ کی اس عبارت سے توقف سمجھا گیا ہے ـــ "من علامات السنة والجماعة تفضيل الشيخين ومحبة الختنين" ـــ (علامات اہل سنت وجماعت میں سے یہ بھی ہے کہ شیخینؓ کو فضیلت دی جائے اور حضرت علیؓ و حضرت عثمانؓ سے محبت رکھی جائے) ـــ فقیر کے نزدیک یہ عبارت ایک اور مطلب پر مشتمل ہے وہ یہ کہ (اتفاق سے) چونکہ فتنوں کا ظہور اور امور مردم میں اختلال، خلافت علیؓ و عثمانؓ کے زمانے میں بہت کچھ ہوا تھا اور لوگوں کے دلوں میں

اس بنا پر کچھ کدورت راہ پاگئی تھی امام اعظمؒ نے اس بات کو ملاحظہ فرما کر ان دونوں حضرات کے لئے محبت کا لفظ اختیار فرمایا اور ان کی دوستی کو علامات اہل سنت سے قرار دیا ــــــ بغیر اسکے کہ توقف کا شائبہ بھی ملحوظ ہو ــــــ اور امام اعظمؒ توقف کیسے کرتے ؟ جب کہ کتب حنفیہ بھری ہوئی ہیں اس قول سے کہ خلفائے راشدین کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے۔ الغرض افضلیت شیخینؓ یقینی ہے اور افضلیت عثمانؓ بر علیؓ اتنی یقینی نہیں ہے ــــ اور احتیاط اسی میں ہے کہ منکرِ افضلیت حضرت عثمانؓ کو بلکہ منکرِ افضلیت شیخینؓ کو بھی کافر نہ کہیں ہاں بدعتی اور گمراہ جانیں اس لئے کہ علماء ایسے شخص کی تکفیر میں مختلف ہیں۔........

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے ــ خدا سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں ــــــ دیکھو میرے بعد ان کو نشانۂ ملامت نہ بنانا ــ جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے وہ میری دوستی و محبت کی بنا پر ہے اور جو ان سے دشمنی رکھتا ہے وہ میری دشمنی کی وجہ سے ایسا کرتا ہے ــ جو ان کو رنجیدہ کرتا ہے وہ مجھ کو رنجیدہ کرتا ہے اور جو مجھے رنجیدہ کرتا ہے وہ خدا کو ناراض کرتا ہے پس نزدیک ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب اس کو پکڑلے ــــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ــــــ بے شک جو لوگ اللہ اور اسکے رسول کو ایذا دیتے ہیں لعنت کرتا ہے ان پر اللہ دنیا و آخرت میں (سورۂ احزاب).............. صحابہ کرامؓ میں جو منازعات و مشاجرات ہوئے ہیں ان کو اچھے معانی پر محمول کرنا چاہیئے اور ان واقعات کو خواہش نفسانی اور تعصب سے دور رکھا جائے ــــــ علامہ تفتازانیؒ باوجود افراط حُبِ علیؓ کے فرماتے ہیں کہ جو کچھ مخالفات ومحاربات اُن سے واقع ہوئے وہ خلافت کا نزاع نہ تھا بلکہ خطائے اجتہادی تھی ــــــ شرح عقائد کے حاشیۂ خیالی میں ہے کہ حضرت معاویہؓ اور ان کی جماعت نے حضرت علیؓ کی اطاعت سے بغاوت کی اور ساتھ ہی اس امر کا اعتراف بھی کیا کہ حضرت علیؓ اپنے زمانے میں افضل ہیں اور وہ خلافت کے ان سے زیادہ حقدار ہیں ــــــ اور یہ وقتی ناچاقی ترکِ قصاصِ عثمانؓ کی بنا پر تھی ــــــ کمال الدین المعیل نے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ہمارے جن بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے وہ کافر و فاسق نہیں ہیں اس لئے کہ وہ تاویل کرتے ہیں"ــــــ اس میں شک نہیں کہ خطائے اجتہادی، ملامت اور طعن و تشنیع سے کوسوں دور ہے ــــــ

حقوقِ صحبتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایت کر کے تمام صحابۂ کرامؓ کو اچھائی کے ساتھ یاد کرنا چاہیئے اور دوستی پیغمبرؐ کی بنا پر اُن کو دوست رکھنا چاہیئے۔

حضرت امیرؓ سے جنگ کرنے والوں سے ہماری کوئی رشتے داری نہیں ہے بلکہ بظاہر تو ہمارے لئے بھی یہ موقع تھا کہ ہم بھی رنجیدہ ہوتے لیکن وہ اصحابِ کرامِ پیغمبرؐ ہیں اور ہم کل صحابہ کرامؓ کی محبت کا حکم کئے گئے ہیں اور بغض سے روک دیئے گئے ہیں اس لئے ناچار، دوستی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے سب صحابہؓ کو دوست رکھتے ہیں اور صحابہؓ سے بغض رکھنے سے گریزاں ہیں کیونکہ صحابہؓ سے بغض و ایذا، کا معاملہ، آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتا ہے ــــ مگر حق بجانب کو حق بجانب کہتے ہیں اور بے قصد خطا کرنے والے کو مخطی ـــــ اس سے زیادہ کہنا فضول بات ہے ـــــ

بعد از تصحیح عقائد، احکام فقہ کے سیکھے بغیر چارہ نہیں ہے اور فرض، واجب، حلال، حرام سنت، مندوب، مشتبہ اور مکروہ کا جاننا بھی ضروری ہے۔ اور ایسے ہی علم فقہ کے مقتضی کے مطابق عمل کرنا بھی لابدی ہے۔ کتب فقہ کا مطالعہ ضروریات سے سمجھیں اور اعمالِ صالحہ کی ادائگی میں سعیٔ بلیغ کریں۔ نماز (جو کہ ستون دین ہے) کے کچھ فضائل و ارکان تحریر کرتا ہوں۔ بغور سنیں ـــ سب سے پہلے پورا اور مکمل وضو کرنا ضروری ہے ـــ ہر عضو کو تین بار تمام وکمال دھونا چاہیئے تاکہ سنت کے مطابق وضو ہو ـــ (ادائیگی سنت کی غرض سے) پورے سر کا مسح کرنا چاہیئے اور مسح گوش اور مسح گردن میں احتیاط کرنی چاہیئے ـــــ پاؤں کی انگلیوں کا خلال بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے انگلیوں کے نیچے کرنا آیا ہے، اس کا خیال رکھیں، کسی مستحب کے ادا کرنے کو تھوڑا نہ جانیں ـــ فعلِ مستحب، اللہ تعالےٰ کا پسندیدہ و محبوب ہے۔ اگر تمام دنیا کے عوض اللہ تعالےٰ کا ایک پسندیدہ اور محبوب فعل معلوم ہو جائے اور اس کے تقاضے کے مطابق عمل در آمد میسر آجائے تو غنیمت ہے (دنیا کے عوض میں ایک فعل مستحب مل جانا) یہ ایسا ہے کہ کوئی شخص چند ٹھیکرے دے کر جو ہر نفیس کو خرید لایا، یا بے کار چیز کے بدلے میں جان کو حاصل کر لیا ـــــ طہارتِ کامل اور مکمل وضو کے بعد نماز کا ـــ جو کہ معراجِ مومن ہے ـــــ قصد کرنا چاہیئے اور اس امر کا اہتمام ہو کہ کوئی نماز فرض بے جماعت ادا نہ ہو بلکہ امام کے ساتھ

تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہونے پائے ــــ نماز مستحب وقت میں ادا کرنی چاہیئے ــــ بقدرِ مسنون، قرأۃ ہو ــــ رکوع وسجود میں اطمینان کے بغیر چارہ نہیں کیونکہ یہ فرض ہے یا بقول مختار واجب ہے ــــ قومے میں سیدھا کھڑا ہونا چاہیئے اس طرح کہ ہڈیاں اپنی اپنی جگہ رجوع کر لیں ــــ سیدھا کھڑے ہونے میں بھی اطمینان درکار ہے اس لئے کہ یہ فرض ہے یا واجب ہے یا سنت ہے علیٰ اختلاف الاقوال ــــ امام، تسبیح (رکوع وسجدہ میں) مقتدیوں کے حال کے مطابق پڑھے ــــ (لیکن) یہ شرم کی بات ہے کہ (نوافل وغیرہ پڑھتے وقت) انفرادی حالت میں کوئی شخص قوت واستطاعت کے ہوتے کم درجے کی تسبیحات پر (تین کے عدد پر) اکتفا کرے (تنہائی میں) کم از کم پانچ یا سات بار تو کہنا چاہیئے سجدے میں جاتے وقت جو اعضا زمین سے نزدیک ہیں (ترتیب سے) اوّل ان کو زمین پر رکھے پس اوّل دونوں زانو زمین پر رکھے اسکے بعد دونوں ہاتھ اُسکے بعد ناک اسکے بعد پیشانی رکھے زانو اور ہاتھ کو زمین پر رکھتے وقت دائیں سے ابتدا کی جائے ــــ سر اٹھاتے وقت جو عضو آسمان سے قریب ہے اوّل اسکو اٹھانا چاہیئے، پس پہلے پیشانی کو اٹھایا جائے ــــ بوقتِ قیام موضعِ سجود پر نظر رہنی چاہیئے، رکوع کرتے وقت اپنے قدموں پر نگاہ ہو ــــ سجدے کے وقت ناک کی نوک پر نگاہ ہو ــــ قعدے میں دونوں ہاتھوں یا گود پر نظر ہو ــــ جب نظر پراگندگی اور انتشار سے بچ جاتی ہے اور مذکورہ پر جمالی جاتی ہے تو نماز، حضورِ دل کے ساتھ میسر ہوتی ہے اور خشوع کے ساتھ ادا ہوتی ہے.....

ایسے ہی دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا رکوع کے وقت کھول دینا اور سجدہ کرنے وقت ہاتھوں کی انگلیوں کا ملا لینا سنت ہے ــــ اسکی بھی رعایت کرنا چاہیئے ــــ انگلیاں کھولنا اور بند کرنا بے فائدہ نہیں ہے ــــ صاحب شرع نے اس میں فوائد ملاحظہ فرما کر ہی اس پر عمل فرمایا ہے۔ ہمارے لئے کوئی فائدہ متابعتِ صاحب شریعت کی برابر نہیں ہے ــــ یہ احکام، کتب فقہ میں تفصیل و وضاحت مذکور ہیں یہاں پر ان کو اس لئے ذکر کیا گیا ہے تاکہ علم فقہ کے مطابق عمل کرنے کی ترغیب ہو ــــ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق تصحیح عقائد کے بعد ــــ اعمال صالحہ کی اور ان اعمال کی ادائیگی جو علوم شرعیہ کے موافق ہوں ــــ توفیق دے ــــ بحرمتہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ــــ

— اگر فضائل نماز اور اسکے کمالات مخصوصہ کے جاننے کا شوق اپنے اندر پائیں تو یہ تین مکتوب[1] مطالعہ کریں (۱) مکتوب بنام فرزندی محمد صادق (۲) مکتوب بنام میر محمد نعمان (اکبرآبادی) (۳) مکتوب بنام مشیخت مآب میاں شیخ تاج (سنبھلی) —

بعد حاصل کرنے اعتقاد و عمل کے دو بازوں کے اگر توفیق ایزدی رہنمائی فرمائے تو طریقۂ صوفیار کا سلوک ہے — یہ سلوک اس لئے نہیں کہ اس اعتقاد و عمل سے زائد یا نئی کوئی شئے حاصل کریں بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ معتقدات کے بارے میں ایسا یقین و اطمینان حاصل کریں کہ وہ یقین و اطمینان کسی شک ڈالنے والے کے شک ڈالنے سے زائل نہ ہوسکے اور کسی شبہ کے وارد ہونے سے باطل نہ ہو — پائے استدلال، چوبیں ہے اور استدلال کرنے والا سخت بے تمکین ہے — اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (آگاہ ہوجاؤ اللہ کے ذکر سے قلوب مطمئن ہوتے ہیں) — (نیز سلوک سے یہ فائدہ بھی ہے کہ) اعمال کے لئے سہولت حاصل کریں اور سستی اور سرکشی جو نفس امّارہ سے پیدا ہوتی ہے زائل کردیں — طریقۂ صوفیاء پر چلنے سے مقصود یہ نہیں ہے کہ غیبی صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ اور انوار والوان کا معائنہ کریں یہ تو خود داخلِ لہو ولعب ہے — یہ حسّی صورتیں اور انوار کیا نقصان رکھتے ہیں کہ کوئی ان کو چھوڑ کر ریاضات و مجاہدات کرکے تمنائے صُوَر و انوارِ غیبی کرے اسلئے کہ یہ (حسّی) صورتیں اور وہ (غیبی) صورتیں اور یہ انوار اور وہ انوار سب کے سب مخلوق ہیں اور اللہ تعالےٰ کے وجود پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں — ....

---

[1] ان ہر سہ مکتوبات کا ترجمہ الفرقان بابت ماہ رجب میں شائع ہوچکا ہے۔

تحریک اشتراکیت کے غیر شعوری اثرات

(از: مولانا حکیم محمد اسحٰق صاحب سندیلوی)

دنیا کی بدنصیبی کہیئے یا مغربی جرائم کی پاداش، یہ واقعہ ناقابل انکار ہے کہ اشتراکیت دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔ اور سرخ طوفان روز بروز شدت اختیار کرتا جاتا ہے۔ روس، چین، یوگوسلادیہ، البانیہ وغیرہ ممالک یورپ کو پامال کرتی ہوئی یہ بلا اب ایشیائی ممالک تک جا پہنچی ہے ہندستان، پاکستان، افغانستان میں اسے خاصا نفوذ حاصل ہو چکا ہے۔ عربی ممالک میں عراق اس کا میزبان بنا ہوا ہے۔ مصر میں بھی اسکے منحوس قدم پہونچ چکے ہیں۔ فرانس و امریکا کی حماقت غالباً الجزائر کو بھی اسی اژدھے کے منھ میں پناہ لینے پر مجبور کر دے گی۔ انھیں ممالک پر کیا موقوف ہے، اب تو دنیا کا شاید ہی کوئی ملک ایسا ہوگا جہاں کمیونزم کسی نہ کسی درجہ میں پہونچ نہ چکا ہو یہاں تک کہ جو ممالک آج کل اشتراکیت سے نبرد آزما ہیں، ان میں بھی خاصی تعداد کمیونسٹوں کی پائی جاتی ہے، مثلاً امریکا، انگلستان، فرانس وغیرہ میں کیمونسٹ پارٹی موجود ہے اور اس کی طاقت ایسی نہیں ہے کہ اسے قابل اعتنا نہ سمجھا جائے، اگر سرخ و سفید شیطانوں میں جنگ چھڑ گئی تو سرخ فوج کا یہ پانچواں کالم جو غضب ڈھائے گا وہ قابل دید ہوگا۔ ہندستان و پاکستان میں کیمونسٹ اس تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں کہ ان کا غلبہ چند سال کی بات معلوم ہوتی ہے

سوال یہ ہے کہ باوجود شدید مخالفتوں کے اشتراکیت کے اس غلبہ کی وجہ کیا ہے؟ اشتراکیت پسندوں کی تعداد میں اضافہ کیوں روز افزوں ہے؟

سوال کی اہمیت اور ہماری حیرت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے جب ہم اس واقعہ کی طرف نظر کرتے ہیں کہ اشتراکیت اپنے وعدے پورے کرنے میں بالکل ناکام رہی ہے۔ آہنی پردے میں کچھ روزن ہو گئے ہیں جن میں سے جھانک کر سرخ زمین کا اصل حال کچھ نہ کچھ معلوم کیا جا سکتا ہے، دیکھنے والوں نے دیکھا اور بیان کیا کہ کمیونزم عملی صورت میں وہ نہیں ہے جو نظری صورت میں نظر آتا ہے۔ اسکے وعدوں کا خلاصہ اور ماحصل زندگی بسر کرنے کی عام سہولت اور ضروریات زندگی کی عام آسانی ہو لیکن خود اس کے مرکز یعنی روس ہی میں یہ دونوں وعدے عملاً بالکل جھوٹے ثابت ہو رہے ہیں۔

اس ملک میں جسے مزدوروں اور غریبوں کی مملکت کہا جاتا ہے ایک ہزار سے بارہ سو روبل ماہانہ اُجرت بہت اچھی اُجرت سمجھی جاتی ہے۔ اور اسے دیکھ کر باہر کے ناواقف لوگ اسی فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ روس میں اجرتوں کا معیار بہت بلند ہے، لیکن درحقیقت یہ محض اُجرت متعارفہ (NOMINAL WAGES) ہے۔ اُجرت صحیحہ (REAL WAGES) اس سے بہت کم ہے، اتنی کم کہ انسان کے لئے زندگی بہت ہی تلخ ہو جاتی ہے۔ یقین کیجئے کہ آپ کے یہاں معمولی مزدور کی اُجرت روسی مزدور سے زائد ہے۔ ثبوت کے لئے وہاں کی گرانی کا ایک نمونہ درج ذیل ہے۔[1]

ایک وقت کے ناشتہ کا خرچ عموماً پندرہ روبل۔ دو وقت کا معمولی کھانا چالیس پچاس روبل۔ ایک اچھے سوٹ کی قیمت ایک ہزار سے دو ہزار روبل تک ہے۔ اوسط درجہ کا معمولی سوٹ ایک ہزار سے کچھ کم میں دستیاب ہو سکتا ہے۔ مگر اسکی قیمت بھی کم از کم اوسط درجہ کی ایک ماہ کی اُجرت کے مساوی ہوتی ہے۔ ایک جوڑ جوتے کی قیمت تقریباً ایک ریڈیو سٹ کے برابر ہوتی ہے۔ مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ بھاری صنعتوں نے چھوٹی صنعتوں کو کچل کر رکھ دیا ہے، اور عوام کے استعمال کی چیزیں کمیاب ہیں۔ یہ ایک مشکل مسئلہ ہے جس سے روس بلکہ بعض دوسرے کمیونسٹ ممالک بھی دوچار ہیں۔ اور اسی کو حل کرنے کی خواہش نے خروشچیف کو امریکا کا طواف

---

[1] یہ واقعات دی سے چیپانولا کے چشم دید ہیں جو انھوں نے اپنے سفرنامہ روس میں تحریر کئے ہیں۔ دیکھیے السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا مورخہ کیم مارچ ۱۹۶۰ء۔ دوسرے سیاحوں کے بیانات سے انکی تائید ہوتی ہے۔ ۱۲

کرنے پرمجبور کردیا تھا۔ آہنی پردے کے سوراخوں سے جھانکئے تو آپ کریملن کی سربفلک عمارتوں کے پیچھے غریبوں کے جھونپڑے بھی دیکھیں گے۔ یہ واقعات بتا رہے ہیں کہ سرخ شیطان نے جو وعدے کئے تھے وہ جھوٹے تھے اور جو تمنائیں دنیا کے دل میں پیدا کردی تھیں وہ پوری نہیں ہوسکیں۔

سچ فرمایا قرآن حکیم نے۔

يعدهم ويمنيهم وما يعدهم الشيطان الا غرورا — شیطان ان سے وعدے کرتا ہے اور انہیں آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان کے وعدے محض دھوکہ اور فریب ہوتے ہیں۔

کیمونزم کی ان ناکامیوں کے ساتھ ان کے مظالم اور انکی انسانیت سوز روش کو بھی سامنے رکھئے تو اشتراکیت کی روز افزوں ترقی پر حیرت اور زیادہ بڑھ جائے گی۔ سوچنے والے دماغ اس موقعہ پر نظر تا اس امر پر غور کرنے کے لئے مجبور ہوں گے کہ آخر اس کا سبب کیا ہے کہ ان واقعات کے علم کے باوجود دنیا ہے کہ کمیونسٹ پروپیگنڈے سے متاثر ہوتی چلی جارہی ہے۔ اور اس بلائے بے درماں کو اپنے اوپر مسلط کرنے کے لئے آمادہ ہے؟

ایک سبب تو بالکل ظاہر ہے۔ امریکا، فرانس، برطانیہ، وغیرہ سرمایہ دار ملکوں کی چیرہ دستی، ناعاقبت اندیشی اور حقائق سے چشم پوشی۔ مظلوموں کا ٹوٹا ہوا دل طبعی طور پر ہمدرد کی طرف مائل ہوجاتا ہے خواہ اسکی ہمدردی محض ریاکاری، فریب دہی اور ظاہرداری ہی پر کیوں نہ مبنی ہو۔ لیکن یہ سوال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ خود ان چیرہ دست ممالک میں اشتراکی پروپیگنڈہ کیوں موثر ہورہا ہے؟

یہ سوال پیدا ہو یا نہ ہو۔ مجھے اس مضمون میں درحقیقت اشتراکی پروپیگنڈے کی اسی تاثیر کو دکھانا ہے جسے ذہن ودماغ غیر شعوری طور پر قبول کرلیتا ہے۔ اور وہی درحقیقت اشتراکیت کے فروغ وعروج کا حقیقی سبب ہے۔ اگر اس کا کوئی مداوا نہیں ہوسکتا تو اس بلائے سرخ کو پھیلنے سے روکنا تقریباً غیر ممکن ہے۔ سطور ذیل اسکی نقاب کشائی کررہی ہیں۔

باطل کی دعوت دینے والے عام طور پر مغالطوں سے کام لیتے ہیں۔ اور مغالطہ انگیزی کے فن میں ماہر ہوتے ہیں۔ اس کے بغیر باطل کا فروغ ناممکن ہے اس لئے کہ اسکی بنیاد ہمیشہ

مغالطہ ہی پر قائم ہوتی ہے۔ لیکن مہارت فن اور کامیابی کے لحاظ سے ائمہ ضلال کے مدارج قائم کرنا پڑیں گے۔ اس زاویہ سے تاریخ پر نظر ڈالئے تو آپ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ ابلیس کے بعد مغالطہ انگیزی اور فریب کاری نیز کامیابی کے لحاظ سے مارکس ہی کو سرفہرست پر جگہ دی جاسکتی ہے۔ ظالم نے غضب کیا ہے۔ انسان کا دل و دماغ نکال کر انکی جگہ معدے اور آنتوں سے پُر کی۔ تاریخ کی صورت معاشیات کے پلاسٹر سے بگاڑ دی۔ ادب کا چہرہ مسخ کیا۔ اور سب کا خلاصہ یہ کہ ایک دنیا پر ایسی ذہنیت مسلط کر دی اور ایسی طرز فکر بنا دی جو غیر شعوری طور پر اشتراکیت کی طرف لے جانے والی ہیں۔ یہ طرز فکر درحقیقت اصل سبب ہے جو کمیونزم کیطرف کشاں کشاں لئے جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ بسا اوقات ایسے واقعات دیکھنے میں آتے ہیں کہ ایک شخص کمیونزم کا سخت مخالف ہے مگر غیر شعوری طور پر وہ بھی اسی نظام کی تبلیغ میں مصروف ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کمیونسٹ پروپیگنڈہ نفس انسانی کی بعض طبعی کمزوریوں اور عملی زندگی کے نقائص سے سازباز کر کے آدمی کے دل و دماغ پر شبخون مارتا ہے اور بالکل غیر شعوری طریقے سے اس پر غالب ہو جاتا ہے۔ اگر شعور بیدار اور عقل کا پہریدار وفادار و ہوشیار ہو تو یہ حادثہ فاجعہ کبھی نہیں واقع ہو سکتا۔

اس موقعہ پر ایک لطیفہ یاد آیا۔ کئی سال ادھر کا ذکر ہے کہ چند حضرات نے جو کمیونزم کے سخت مخالف اور جماعت اسلامی سے وابستہ تھے ایک رسالہ جاری کیا جس کی نوعیت دینی بھی تھی اور ادبی بھی، ایک نمبر اٹھا کر دیکھا تو اس میں ایک انقلابی مضمون افسانوی رنگ میں نظر آیا۔ جو کسی دوسری زبان کا ترجمہ تھا، پڑھکر سخت حیرت ہوئی۔ کیونکہ مضمون میں بڑی ہوشیاری کے ساتھ اشتراکیت کی تبلیغ کی گئی تھی۔ اور یہ تبلیغ اس رسالہ کے ذریعہ سے ہو رہی تھی جو کمیونزم کا سخت مخالف تھا۔ اس شدید غلطی کی نفسی وجہ یہ تھی کہ اشتراکی پروپیگنڈے نے ادارہ کے ذہن و دماغ پر "انقلاب" کو ایسا مسلط کر دیا تھا کہ وہ ہر انقلابی مضمون کو بنظر استحسان دیکھتے تھے۔ انقلاب کا مبہم تصور ذہن پر غالب آنے اور پسندیدہ ہو جانے کے بعد اسکی نوعیت اور اسکے محاسن و معائب دیکھنے سے مانع ہو گیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ اور ملاحظہ فرمائیے۔ ایک صاحب نے ایک مضمون اشتراکیت کے

ت لکھا لیکن اس میں اشتراکیت کے اس دعوے کو تسلیم کرلیا کہ اشتراکی نظام میں نسل مذہب وطن یرہ کی بنا پر کسی امتیازی سلوک کی اصلاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مضمون نگار کا یہ کہنا درحقیقت تراکی پروپیگنڈے سے غیر شعوری تاثر کا نتیجہ تھا۔ طبقاتی کشمکش (CLASS STRUGGLE) کا اشتراکی مغالطہ پروپیگنڈے کی قوت سے اس درجہ انکے ذہن پر غالب آیا کہ وہ اسے حقیقت سمجھنے لگے۔ یعنی وہ سمجھنے لگے کہ واقعی نظام اشتراکیت کا محور صرف معاش کا مسئلہ ہے۔ اور کسی چیز سے اسے واسطہ نہیں ہے۔ یہی تاثر تھا کہ جس نے ان سے اسی مضمون میں یہ بھی لکھوا دیا کہ اشتراکیت اور اسلام میں ابھی تک براہ راست کوئی تصادم نہیں ہوا ہے حالاں کہ کیمونزم کا یہ دعویٰ ہی غلط ہے اور اسکی غلطی بالکل واضح ہے۔ ہنگری کے باشندوں سے جاکر پوچھیے کہ روس اور ہنگری کے باشندوں کے درمیان کیا فرق ہے؟ خود روس میں کمیونسٹ و غیر کمیونسٹ اہل مذہب اور لامذہب کے درمیان جو امتیاز کیا جاتا ہے وہ بھی اب راز نہیں رہا ہے۔ مغربی اور مشرقی روس کا فرق بھی ناقابل انکار ہے۔

رہا اسلام سے تصادم کا مسئلہ تو یہ سوال ہی تعجب خیز ہے۔ نظری اعتبار سے تو بات بالکل بدیہی ہے۔ مذہب دشمنی اور اسلام میں تصادم نہ ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔ عملی اعتبار سے اسکی حقیقت ان لاکھوں بخارا و سمرقند کے مہاجرین سے پوچھیے جو اپنا دین و ایمان بچانے کے لئے مختلف ممالک میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ یوگوسلاویہ کے ان بدنصیب مسلمانوں سے پوچھیے جو سرخ شیطان سے بھاگ کر امریکا وغیرہ دوسرے ملکوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ تازہ واقعہ چین و تبت کا ہے وہاں کے مسلم مہاجرین سے انکی دردانگیز کہانی سن لیجیے۔

یہ چند نمونے ہیں جن سے کمیونسٹ پروپیگنڈے کی قوت تاثیر کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ یہ اثرات تو ان لوگوں پر مرتب ہو رہے ہیں جو دینی شعور رکھتے ہیں۔ اور اشتراکیت کے دشمن ہیں جو لوگ دینی شعور سے محروم یا صحیح دین سے بیگانہ ہیں ان پر اسکے اثر کا اندازہ کرنے کے لئے اس اثر کو کسی بڑے عدد سے ضرب دینا پڑے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ اشتراکی پروپیگنڈے نے اس قسم کے لوگوں پر اپنا خاص طرز فکر مسلط کر دیا ہے۔ اشتراکیت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ پوری زندگی کا محور و مرکز پیٹ رہتا ہے۔ نفس پرستی اور

تن آسانی ہی زندگی کا مقصد ہے۔ اس لئے مسائل زندگی کو صرف اسی نقطۂ نظر دیکھنا چاہیئے، کوئی دوسرا نقطۂ نظر اختیار کرنا شدید غلطی، اور ایسی معصیت ہے جو اشتراکی شریعت میں ناقابل عفو ہے۔

یہ ہے اشتراکی طرز فکر جسے موافقین و مخالفین دونوں پر مسلط کرنے میں وہ بلاشبہ کامیاب ہوئی ہے۔ یہ اسکی بہت بڑی کامیابی اور فتح ہے جس کا اقرار باوجود ہزاروں ناگواریوں کے ہمیں کرنا پڑے گا۔

باطل کی اس کامیابی کی نظیریں تاریخ میں بہت کمیاب ہیں ایک قریبی نظیر ڈارون کی پیش کی جاسکتی ہے۔ جس کا نظریہ ارتقار سائنٹفک ثبوت اور منطقی استدلال دونوں سے محروم ہے۔ لاپلاس وغیرہ کی کوشش بھی نظری اعتبار سے اسے ثابت کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہیں۔ بلکہ بعض سائنٹفک دلائل اسکی لغویت کو واضح کر رہے ہیں۔ لیکن ان سب کمزوریوں کے باوجود یہ نظریہ یورپ وامریکا کی ایک خاص ذہنیت بنانے اور انکی پوری زندگی میں رچ جانے میں اس قدر کامیاب ہوا ہے کہ شاید ہی کوئی نظریہ اس قدر کامیاب ہوا ہو اہل مغرب کو ڈارونزم کی صحت و غلطی سے بحث نہیں ان کے دل و دماغ پر اس کا ماحصل کہ انسان ایک ترقی یافتہ دو ٹانگوں والا حیوان ہے عقیدہ کی طرح مسلط و غالب ہے اور اس عقیدے کی غذا انکی حیوانی زندگی ہے جو اسکی توانائی میں اضافہ کرتی رہتی ہے۔

اس نظیر سے آپ اشتراکیت کے اثر کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اشتراکی پروپیگنڈا بہت سے ذہنوں کو غیر شعوری طور پر متاثر کرتا ہے اور ان پر اپنا طرز فکر مسلط کر دیتا ہے۔ یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو دینی شعور سے محروم ہوتے ہیں، یا نفس دین ہی سے بیگانہ ہوتے ہیں یہ طرز فکر انھیں کشاں کشاں کیمونزم ہی کی طرف لے جاتا ہے۔ اگر وہ اپنی قوت ارادی سے کام لے کر کیمونسٹ ہونے سے بچ بھی جاتے ہیں تو باوجود مخالفت انکا طرز فکر دوسرے لوگوں کو جن کی قوت ارادی اتنی قوی نہیں ہوتی سرخ جال میں پھنسا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود ہزاروں مخالفتوں اور علاجوں کے یہ سرخ وبا تیزی کے ساتھ پھیلتی جاتی ہے۔

سرخ ممالک کو چھوڑیے، مثالیں درکار ہوں تو خود امریکا اور یورپ کے مخالف اشتراکیت ممالک کو دیکھئے، اخبارات و رسائل، تقریروں اور تحریروں، سیاسی بیا

وتوضیحات کو دیکھ لیجئے۔ سب کا محور تن و پیٹ ہی ملے گا۔ عملی زندگی میں تو یہ طرز اس قدر گھناؤنے انداز میں نمایاں ہے کہ اس کی تشریح ہی حساس انسان کے لئے متلی کا باعث ہو جائے۔ حد یہ ہے کہ خالص مذہبی عنصر بھی اسی بلا میں مبتلا ہے۔ اور ان کے بیانات میں بھی روحانیت کا نام شاذ و نادر ہی سنائی دیتا ہے۔ یہ لوگ اشتراکی عفریت سے کشتی لڑنے کے لئے بار بار خم ٹھونکتے ہیں مگر طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ اسے مقوی غذائیں دیکر طاقتور بنا رہے ہیں اور خود اس کا دیا ہوا زہر پی پی کر کمزور ہو رہے ہیں۔ ببیں عقل و دانش بباید گریست۔

مشرقی ممالک کی طرف آیئے۔ شاید حجاز کو تو مستثنیٰ کرنا پڑے، باقی سب اسلامی و غیر اسلامی ممالک کا حاکم عنصر اسی تن و پیٹ کے راستہ پر گامزن ہے۔ اشتراکی پروپیگنڈے کے اثر نے ان حکومتوں کے اثر سے ملکر عوام کے ایک بڑے طبقہ کا طرز فکر بھی یہی بنا دیا ہے۔ ہر مسئلہ پر معاشی زاویہ نظر سے غور و فکر، معیار زندگی بلند کرنے کی خواہش نہیں ہوس، جا و بیجا غریبی و امیری کے معاملہ کو اصل معاملہ قرار دینا۔ یہ ذہنیت ہے جسے آپ ان ممالک پر کابوس کی طرح مسلط پائیں گے۔

نمونہ کے لئے دور کیوں جایئے خود ہندستان و پاکستان کو لے لیجئے۔ یہ دونوں ملک ابھی اس ہلاکت خیز راستہ کی ابتدائی منزل میں ہیں لیکن اس پر بھی حال یہ ہے کہ سارے ملک میں آپ تن و پیٹ ہی کا تذکرہ دیکھیں گے۔ روحانیت و اخلاق کا تذکرہ ارباب اقتدار میں تو گویا ایک جرم ہے۔ ہاں عوام میں ابھی پایا جاتا ہے۔ مگر روز بروز کم ہوتا چلا جاتا ہے۔

ابھی چند روز کی بات ہے کہ لکھنؤ کے ایک اخبار نے ایک طویل مضمون لکھا تھا جس کا ماحصل یہ تھا کہ اصل مسئلہ غریبی یا بالفاظ دیگر تن اور پیٹ کا ہے۔ اس سلسلہ میں اگر کوئی کام کیا جائے تو اسے کام کرنا کہا جائے گا۔ لیکن اسکے علاوہ اعلیٰ اخلاق کی اشاعت و تعلیم، یا روحانیت کی تبلیغ یہ کوئی کام نہیں ہے جو اسکے قابل اعتنا سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ اخبار کمیونزم کا مخالف ہے، لیکن باوجود اسکے خالص اشتراکی طرز فکر اختیار کئے ہوئے ہے۔ حکومت نے متعدد ترقیاتی منصوبے بنائے، لیکن ایک منصوبہ میں بھی کہیں اخلاق و روحانیت کی ترقی کا ذکر آپ نہ پائیں گے۔ سب کی بنیاد صرف تن و پیٹ کے مطالبات پر ہے۔ یہ کوئی مکمل فہرست نہیں ہے محض نمونے ہیں۔ آپ سائنس، آرٹ، ادب، فن وغیرہ جس شعبۂ حیات کو دیکھیں گے

یہ طرز فکر اس میں موجود پائیں گے۔ پاکستان میں اس سے زیادہ غضب ڈھایا جا رہا ہے۔ وہاں اسلام کا نام لے کر اسلام پر ظلم ہو رہا ہے۔ یعنی اسے بھی اسی فکری سانچے میں ڈھالنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اسلامی ثقافت کے نام سے حکومت جو کچھ کر رہی ہے اسے دیکھئے اور بہت سے رسائل و اخبارات جس چیز کی اشاعت کر رہے ہیں اسے ملاحظہ فرمائیے۔ نمونہ کے لئے رسالہ "ثقافت" لاہور ہی کے چند نمبروں پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ صاف ظاہر ہو جائے گا کہ اشتراکی طرز فکر کا مانیا کس شدت کے ساتھ ان لوگوں کے ذہن و دماغ پر مسلط ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر پیٹ و تن ہی جو ہر زندگی اور مرکز حیات ہے اور انسان دنیا میں صرف اسی لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اپنی مادی خواہشوں کو پورا کرتا رہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ معاشیات ہی کو زندگی کے ہر شعبہ پر غالب نہ رکھا جائے؟ کیا وجہ ہے کہ اخلاق و روحانیت کے معیار نہ بدلے جائیں، کس دلیل سے مارکس کی تعبیر تاریخ کو باطل سمجھا جائے؟ دین و مذہب کو کیوں اولیت دی جائے؟ پرانے مذہب سے چپٹے رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب تن و پیٹ ہی اصل ٹھہرا تو طبقاتی کشمکش کا نظریہ تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں سمجھ میں آتی۔ اور اس نظریہ کو تسلیم کر لینے کے بعد معاشی یرقان دنیا کے ہر حادثہ و تعلق کو معاشی رنگ میں دکھاتا ہے۔ اور انسان کو پورا نظام زندگی اسی رنگ میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ دین و مذہب، اخلاق و روحانیت، رسوم و رواج، وطن و ملک سب کی محبت رخصت ہو جاتی ہے۔ اور فضائے زندگی خود غرضی کے بادلوں سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

میرے معروضات کا مقصد یہ ہے کہ تن و پیٹ کو محور حیات تسلیم کرنے اور مندرجہ بالا طرز فکر اختیار کر لینے کے بعد افکار کا دھارا اس رخ پر بہنے لگتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس میں سب ہی نہیں بہہ جاتے، لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ بہنے کے امکانات قائم رہنے کے امکانات سے زیادہ ہوتے ہیں۔ بہنے سے محفوظ رہنے والے درحقیقت وہی لوگ ہوتے ہیں جو دین کی مستحکم چٹان کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہیں۔ اسکے علاوہ بھی ایک گروہ اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے۔ لیکن اس کا قیام بھی کسی چٹان کے سہارے کا مرہون منت ہوتا ہے۔ مثلاً رسوم و رواج، یا وطن وغیرہ کی محبت۔ اگرچہ یہ سہارے کمزور ہوتے ہیں۔ ان مستثنیات کے باوجود یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ بہنے والو

کی اکثریت ہوتی ہے۔

یہ طرزِ فکر ہے جو انسان کو بسا اوقات غیر شعوری طریقہ سے کیونزم کی طرف لے جاتا ہے۔ جب تک اس میں صحیح تبدیلی نہ ہوگی، اس وقت تک اشتراکیت کی روز افزوں ترقی کو روک دینا غیر ممکن ہے۔ ہاں صرف ایک صورت اس حالت میں کیونزم کو ختم کرسکتی ہے۔ یعنی تباہ کن جنگ بشرطیکہ مخالف اشتراکیت طاقتیں مکمل غلبہ حاصل کرسکیں۔ لیکن جنگ کوئی آسان شئے نہیں ہے موجودہ ایٹمی دور کی جنگ کا تصور بھی لرزہ خیز ہے۔ اور اسکے متعلق یہاں بحث بھی فضول ہے اس لئے کہ اس کا فیصلہ تو سلطنتیں کرسکتی ہیں نہ کہ ہم اور آپ۔

بڑے دھوکے میں ہیں وہ لوگ جو طرزِ فکر تو اشتراکی اختیار کئے ہوئے ہیں اور دوسروں کے ذہن و دماغ پر بھی اسی کو مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ اسکے ساتھ کمیونسٹوں کی مذمت بھی کرتے رہتے ہیں، اور معاشی ترقی کے منصوبے بنا بنا کر مطمئن ہیں کہ ہم اس طرح کیونزم سے اپنے ملک کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ان کے اس مضحکہ خیز طرزِ عمل پر کیونسٹ مسکراتا ہے۔ اور طنز آمیز شکریہ کے ساتھ انکے رویہ کا خیر مقدم کرتا ہے کیونکہ وہ خوب سمجھتا ہے کہ یہ لوگ ہمارے پروپیگنڈے کے لئے زمین ہموار کر رہے ہیں اور پبلک کو اسی راستہ پر لئے جا رہے ہیں جس پر ہم انھیں لے جانا چاہتے ہیں۔

اشتراکیت کے عفریت سے محفوظ رہنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ پیٹ کے مسئلہ کو اس درجہ سے نیچے اتارا جائے جس کا وہ ہرگز مستحق نہیں ہے اور اسے زندگی میں وہی درجہ دیا جائے جس کا وہ حق دار ہے اور دین و مذہب، اخلاق و روحانیت کو ان کا صحیح مقام دیا جائے۔

مغربی تہذیب
ایک نفسیاتی جائزہ

سید محمد الحسنی ۔ـــــــ اڈیٹر البعث الاسلامی)

مغربی تہذیب اس وقت جس دور یا جس مرحلے سے گزر رہی ہے وہ شاید اس کا تاریک ترین دور ہے۔ وہ اپنی رعنائیوں، دلفریبیوں، ترقیات اور علوم وفنون کے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ ایک ایسے خطرناک انجام سے دوچار ہے جس نے اس کی تمام ترقیات کو بہت حقیر اور بے قیمت بلکہ وبال جان بنا دیا ہے۔

اٹھارویں صدی اور انیسویں صدی میں مغربی تہذیب نے جس نقطہ سے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا اس وقت اس کے بانیوں کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ یہ طرب انگیز نقطۂ آغاز کبھی ایسے حسرت انگیز اور تلخ انجام کی شکل بھی اختیار کر سکتا ہے۔ ڈارون، میکاولی اور فرائڈ نے حیاتیاتی، اخلاقی اور جنسی تینوں میدانوں میں بنی نوع انسان کو حیوان کی ایک اعلیٰ قسم، بندۂ نفس اور ابن الوقت قرار دے کر اپنے نزدیک اس کو عیش وآرام اور لذت وراحت کی جنت سجا کر دے دی تھی لیکن یہ پھول اب اس کے حق میں کانٹے بن گئے ہیں اور اسی راحت ولذت کے اندر عذاب اور اذیت کی ایک خطرناک صورت پیدا ہو گئی ہے، بظاہر اس کا جسم بہت تر وتازہ اور صحت مند معلوم ہوتا ہے لیکن اندر سے وہ ایسے مہلک امراض کا شکار ہے جس نے اسکی زندگی کو جہنم کا نمونہ بنا دیا ہے۔

مغربی دنیا نے جس وقت ترقی کے میدان میں اپنا سب سے پہلا قدم رکھا تھا اس وقت اسکے سامنے مستقبل کا بہت درخشاں حسین اور خوش آیند پہلو تھا۔ جس طرح پہاڑ کی چوٹی پر برف کی موٹی تہہ جم جاتی ہے اور سورج کی شعاعوں سے اس میں طرح طرح کے رنگ پیدا ہو جاتے ہیں اور اسکی وجہ سے

اس کا منظر بہت دلفریب اور سحر آگیں ہو جاتا ہے لیکن ایک وقت وہ بھی آتا ہے جب برف پگھلنے لگتی ہو اور بسا اوقات کھردری اور چٹیل چٹانیں بے پردہ ہو کر سامنے آجاتی ہیں اسی طرح مغربی دنیا کے سامنے ایک بلند دشوار اور حسین چوٹی تھی، مادی ترقی کی، لذت و راحت کی، تعیش کی، جس نے اس کے سامنے سفر اور ساری جد و جہد کو ایک دلچسپ اور پر لطف ایڈونچر بنا دیا تھا۔ اس کے پاس یہ سوچنے کی فرصت ہی نہ تھی کہ جس منزل کی طرف ہم اتنی محویت اور سرعت کے ساتھ بڑھ رہے ہیں اسکی حقیقت کیا ہو؟ وہ ایک نشہ تھا جس میں مغربی دنیا کا ہر فرد ڈوبا ہوا تھا۔ ہر فرد سمجھتا تھا کہ اس چوٹی کو سر کرنے کے بعد اسکی ساری مشکلات خود بخود حل ہو جائیں گی۔ وہاں اس کو وہ چشمہ حیوان مل جائے گا جو اس کو زندگی کی حقیقی کامرانی اور لطف سے ہم کنار کر دے گا، اور وہ ہوگی بنی نوع انسان کی آخری منزل، زندگی کے پر لطف سفر کا آخری اسٹیج انسان کی سب سے بڑی کامیابی اور منتہائے پرواز!

لیکن اب جب کہ مغربی دنیا اس بلند چوٹی پر پہنچ چکی ہے یا پہنچنے والی ہے، اور مادی طاقت کا وہ سرچشمۂ حیوان اسکی دسترس میں ہے اور وہ اس کو پی کر بڑی حد تک آزما چکی ہے، دیکھ چکی ہو پرکھ چکی ہے اب جب کہ سررشتہ تلافی اسکے ہاتھ سے تقریباً نکل چکا ہے اور وہ صرف دو بہر دل کے لئے سامان عبرت ہو اسکو مایوسی نے گھیر لیا ہے، مایوسی اسکے رگ و ریشہ میں پیوست ہو چکی ہے۔ اکتاہٹ اور احساس تنہائی نے اسکے پورے نظام زندگی میں اپنے پنجے گاڑ دیئے ہیں۔

اس نے جس منزل کی طرف رُخ کیا تھا اور جس کے لئے اس نے صدیوں کی مسافت برسوں میں طے کی تھی جس کے لئے اس نے اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ صرف کر دیا تھا۔ اپنی ساری صلاحیتوں کو نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس منزل کے آگے، اس چوٹی کے سامنے اب صرف خلا ہی خلا ہو۔ ظلمت ہی ظلمت ہے، ایک مہیب لامتناہی خلا، ایک ابدی ظلمت۔

اس نے اپنے لئے جس منزل کا انتخاب کیا تھا وہ منزل بہرحال مادی تھی اس لئے محدود تھی، فانی تھی، عارضی تھی، اب مغربی دنیا کے پاس زندگی کا کوئی جواز نہیں ہے، اور نہ کوئی اس کی منزل ہی ہو۔

اُکتاہٹ اور مایوسی

یہ شاعری نہیں حقیقت ہے کہ آج مغربی زندگی کی ساری جد و جہد ساری تگ و دو، ساری ترقیات، سارے علوم و فنون، اور مختصر الفاظ میں اس کے ہر فعل اور ہر حرکت کا محرک صرف اکتاہٹ ہے اور مایوسی، نتیجہ کو جانے بغیر ایک

کام کرتے رہنا، حقیر مقاصد کے لئے جن کو مقاصد کہنا بھی درست نہیں، جان پر کھیل جانا، اور بڑے سے بڑے اصول، اخلاق اور بلند سے بلند مقصد کے لئے جنبش بھی نہ کرنا، ایک مقصد تک پہونچ کر پھر اسی کے لئے کوشاں ہو جانا، یہ ہیں مغربی زندگی کے خصائص اور اوصاف۔

نئے نئے افکار و خیالات تیزی سے بدلتے ہوئے نظریات، انقلابات اور جوابی انقلابات تصادم اور کشمکش، ان سب کے اسباب جو کچھ بھی ہوں، لیکن ان کا سب سے بڑا بنیادی سبب یہی وہ مایوسی اور اکتاہٹ ہے جو اس وقت مغربی زندگی کا سب سے نمایاں وصف ہے اور جس نے مغرب کو حقیقی لطفِ زندگی سے محروم کر دیا ہے۔

یہ مایوسی اکتاہٹ مغربی طرزِ فکر، مغربی تعلیم، اور مغربی ثقافت کا طبعی پھل ہے، مغربی تہذیب نے جس انداز فکر کے ساتھ اپنا سفر شروع کیا تھا اسکے بعد یہ اکتاہٹ اور مایوسی حیرت انگیز اور تعجب خیز نہیں۔ انسان فطرتاً مقصد پرست واقع ہوا ہے، اس کو ہر وقت ایک ایسا مقصد چاہیئے جس کے لئے وہ اپنی ساری صلاحیتیں، ساری طاقتیں، سارے جذبات وقف کر دے۔ اس مقصد کا عشق اسے ہر لمحہ سرگرم عمل اور مسرور و نشاط رکھے اور وہ اپنے جسم و روح کے پورے مجموعے کے ساتھ اس مقصد یا اس منزل کی طرف دیوانہ وار دوڑتا رہے، بھاگتا رہے۔

جب یہ منزل آجاتی ہے تو اسکی ساری بے تابیاں اسکی ساری برق تابی اور سیماب وشی، اسکا سارا ولولہ یکلخت سرد پڑ جاتا ہے۔ ایک بلند ہمت انسان کو اس وقت یہ دیکھ کر بہت مایوسی ہوتی ہے کہ کیا یہی اینٹ و پتھر یا المونیم اور پلاسٹک کی دنیا تھی جس نے اس کو اپنے نازک سے نازک جذبات کا کعبۂ شوق اور مرکزِ محبت بنا دیا تھا، کیا اس کی ساری جدوجہد اسکی ساری قربانی اس کا سارا علم و فن اسکی ساری عقل و دانائی اور علم و حکمت اسی روز کے لئے تھی۔

مغربی تہذیب کے ساتھ دوہری ٹریجڈی پیش آئی جب اس نے صدیوں کے خوابِ غفلت سے بیزار ہو کر صنعتی ترقی کی طرف اپنا گریزپا سفر شروع کیا اس وقت بدقسمتی سے مادی قوت کے بارے میں اس کا ذہنی رویہ صحیح نہ تھا اور اب جب کہ ایک طویل عرصہ کی جد و جہد کے بعد اس نے منزل کو پا لیا ہے تو وہ حیران ہے کہ کیا کرے، ہتھیاروں کی یہ دوڑ روانگٹ کے میدان میں یہ زبردست مقابلے نئے نئے فیشن زندگی کے ہر دم بدلتے ہوئے طور و طریق آداب و نظریات

سب درحقیقت اسی مایوسی اور اکتاہٹ کی غمازی کرتے ہیں جس کا نام لیتے ہوئے تو وہ گھبراتی ہے لیکن اس سے اپنا دامن وہ کسی صورت نہیں چھڑا سکتی،

دور جانے کی ضرورت نہیں آئے دن اخبارات میں ایسی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں جن میں مغربی زندگی بے حجاب ہو کر ہمیں اپنی اصل صورت میں نظر آتی ہے اور اس کا وہ ملمع اترتا ہوا معلوم ہوتا ہے جس نے اسکے رنج دہ پہلو کو چھپا رکھا ہے، یہ اور بات ہے کہ ہم اپنی مصروف زندگی اور عجلت پسندی کی وجہ سے ان خبروں کی تہہ میں پہونچے بغیر اور ان سے کوئی سبق حاصل کئے بغیر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اگر ہم غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ بظاہر ان حقیر اور چھوٹے چھوٹے واقعات کے اندر مغرب کی پوری داستان غم و الم پوشیدہ ہے۔

یہ واقعات دراصل عنوانات ہیں جو ہمیں مغربی تہذیب کے نئے مطالعے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ وہ جھروکے ہیں جن سے ہم مغربی زندگی کی گہرائیوں میں جھانک سکتے ہیں اور دیکھ سکتے ہیں کہ آج کی مغربی دنیا کن مسائل سے دوچار ہے اور اپنی زندگی کے کس دور، اور اپنے سفر کے کس مرحلے سے گزر رہی ہے۔

ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ آسٹریلیا سے ایک خبر آئی تھی کہ ایک شخص نے بہت ہی حقیر رقم غالباً چند پیسوں کی شرط پر کئی چوہے نگل لئے۔ پولیس نے اس پر دوہرا جرم عائد کیا، ایک جانور کے ساتھ بے رحمی کا اور دوسرے خودکشی کا۔ اسکے پیٹ کا آپریشن کیا گیا تو اس میں سے دہ مردہ چوہے برآمد ہوئے۔

اس سے پہلے عرصہ ہوا ایک خبر آئی تھی کہ کسی یورپی یونیورسٹی کے پروفیسروں نے ایک دن طے کیا کہ جانوروں کے طرز پر گھاس چبائی جائے اور تجربہ کیا جائے کہ اس میں کتنا لطف آتا ہے۔ چنانچہ مقررہ وقت پر پروفیسروں کی جماعت ایک کھیت میں گھس آئی اور گائے بکری کی طرح سب نے چرائی شروع کر دی۔ ان پروفیسروں کا خیال تھا کہ کھانے کی مروج طریقوں کی پابندی کئے بغیر اسی طرح آزادی کے ساتھ چرنے میں کھانے کا زیادہ لطف آسکتا ہے۔

واقعہ جتنا بھی بظاہر مضحکہ خیز اور احمقانہ معلوم ہو لیکن حقیقت میں اس میں مغرب کے موجودہ ذہنی انتشار روحانی اکتاہٹ اور مایوسی کی صحیح عکاسی ہے۔ یہ تصویر ہے اس شخص کی جس کے ہاتھ

میں اس وقت کچھ نہ ہو اور نہ آگے کچھ ملنے کی توقع ہو اور جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اس سے اکتا چکا ہو عاجز آچکا ہو اور ایک یاس آمیز کوشش اور جنون کے ساتھ ادھر اُدھر ہاتھ پیر مار رہا ہو۔

جس چیز کے لئے اس نے کوشش کی تھی وہ اس کو مل چکی جس کے لئے اس کے حکما، فلاسفہ، ادباء نقاد سیاست داں اور ماہرین اقتصادیات نے اپنی ساری صلاحیتیں اور قوتیں صرف کردی تھیں وہی چیز اب اسکے حلق کا کانٹا اور پیر کی بیڑی بن گئی ہے۔

سچی روحانیت کی تلاش

ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی نے اپنی تازہ کتاب من روائع حضارتنا میں ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ایک صاحب جو دعوت کا خاص جذبہ رکھتے تھے فرانس میں مقیم تھے۔ ایک مرتبہ ان کو کچھ غیر مسلموں سے خطاب کرنے کا موقع ملا، انھوں نے ان کے سامنے اسلامی نظام حیات کی خصوصیات اس کے اعتدال اور توازن اور جامعیت پر روشنی ڈالی اور یہ بھی کہا کہ اسلام نے مادی طاقت کو بہت اہمیت دی ہے چنانچہ قرآن مجید کا ارشاد ہے:۔ واعدوا لهم ما استطعتم من قوة الخ اس لئے ہم کو چاہیئے کہ ہم جدید سامان جنگ اور اسلحہ کی تیاری کی طرف توجہ دیں۔ ان لوگوں نے اس پر کہا آپ مادی ترقیات اور ٹینک ہوائی جہاز کا نام ہمارے سامنے نہ لیجئے۔ اسی مشنری کی دنیا سے تو تنگ آکر، بیزار ہوکر ہم آپکے سامنے آئے ہیں۔ ہوائی جہاز مشنری سے ہمارا دل بھر چکا ہے، آپ ہمیں یہ بتائیے کہ انسانیت اخلاق اور روحانی قدروں کے میدان میں اسلام ہمیں کیا دے سکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ صرف چند افراد کا حال نہیں بلکہ ساری مغربی دنیا کا یہی حال ہے۔ ان تمام مادی ترقیات اور اس خوش حالی اور فارغ البالی کے باوجود اسکی روح کو سکون کا ایک ذرہ نصیب نہ ہوسکا۔ اسکے جذبات نے ایک بار بھی زندگی کی صحیح لطافت اور حلاوت کا مزہ نہیں چکھا اس نے بہت دن اپنی روح کی مخالفت کی، ہر موقع پر اسکو نظر انداز کیا، ہر جگہ اور ہر میدان میں اسکی حق تلفی کی، لیکن آج وہی روح صدائے احتجاج بلند کر رہی ہے اور زبان حال سے کہہ رہی ہے کہ مجھے میرے مالک نے اس لئے نہیں پیدا کیا ہے کہ میں برق و بخار بجلی اور ایٹم بم کی پرستش کروں۔ میں اللہ کی محکوم بننے نہیں، ان کی حاکم بننے آئی ہوں۔ تم مجھے قید کرسکتے ہو، کچھ

عرصہ کے لئے میری زبان بند کر سکتے ہو، مجھے کمزور و ناتواں بنا سکتے ہو لیکن تم مجھے فنا نہیں کر سکتے، میرے وجود کو ختم نہیں کر سکتے جب تک انسان زندہ ہیں۔ یہ روح، یہ روح، یہ بے چین روح ہمیشہ ان کو چھیڑتی رہے گی، ابھارتی رہے گی، جگاتی رہے گی۔

ڈاکٹر سباعی نے آگے چل کر اپنی کتاب میں ایک فرنچ لیڈی کا واقعہ لکھا ہے، جس نے سچی روحانیت کی تلاش میں اپنی پُرعشرت زندگی کو ترک کر کے ایک ہندو عورت کے یہاں ملازمت کر لی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ مشرقی قوموں میں روحانیت زیادہ ہوتی ہے اس لئے شاید اس کے کچھ ذرات اس ہندو عورت کی رفاقت میں اس کو حاصل ہو سکیں۔

ان دونوں واقعات سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ آج مغربی سوسائٹی کی صحیح تصویر کیا ہے اور وہ کس چیز کی پیاسی ہے اور کس چیز کی متلاشی ہے۔

غالباً ایک سال پیشتر میں نے ایک خبر پڑھی تھی، بادی النظر میں وہ خبر اجتماعی لحاظ سے کچھ زیادہ اہم معلوم نہیں ہوئی لیکن جب میں نے اس پر غور کیا تو مجھ کو اسکے اندر بہت سے حقائق پوشیدہ نظر آئے اس میں مغربی زندگی کے اس افسوس ناک پہلو کی طرف اشارہ تھا، جو یورپ و امریکا، ہر جگہ بہت نمایاں طریقہ پر نظر آ رہا ہے۔

خودغرضی یا روحانی بے چینی

امریکا کی ایک بلند عمارت کی بالائی منزل سے ایک صاحب نے کود کر خودکشی کر لی، پولیس کو اطلاع کی گئی، اور وہ اس شخص کے فلیٹ میں تلاشی کے لئے پہونچی وہاں ایک صاحب نظر آئے جو پلنگ پر بہت اطمینان و سکون کے ساتھ لیٹے ہوئے تھے۔ پولیس کی پوچھ گچھ کا انھوں نے جو جواب دیا وہ قابل ذکر ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے اس شخص کو کھڑکی کی طرف جاتے ہوئے اور پھر وہاں سے کودتے ہوئے دیکھا تھا لیکن میں اس وقت آرام کر رہا تھا، میں نے سوچا بلا وجہ کیوں اپنے آرام کو خراب کروں، چنانچہ میں اسی طرح لیٹا رہا، اور کتاب دیکھتا رہا۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کا محرک حد درجہ بڑھی ہوئی خودغرضی اور نفسانیت ہو لیکن معاملہ اتنا ہی نہیں ہے، درا صل یہ واقعہ ایک ایسے شخص کی روحانی بے چینی ذہنی انتشار اور نفسانی اکتاہٹ پر دلالت کرتا ہے جس کو مادی طور پر ہر طرح کی راحت و آسائش حاصل ہے، لیکن اس کی

روح کی تسکین اور قلب کی راحت کا کوئی سامان نہیں چنانچہ وہ اسی مادی دائرہ کے اندر رہتے ہوئے، اس قلبی راحت و آسائش کی خاطر (خواہ وہ اس کا نام نہ لے) ہر ممکن کوشش کرتا ہے اور جو طریقہ اور تجربات بھی سمجھ میں آتی ہے کر گزرتا ہے ایسے شخص سے اسی قسم کے افعال و حرکات کا سرزد ہونا بعید از قیاس نہیں اور اسکو صرف نفسانیت اور خود غرضی پر محمول کیا جا سکتا ہے، یورپ میں جنون کے واقعات میں ہولناک اضافہ دراصل اسی ذہنی حالت کا نتیجہ ہے۔

ذرا تصور کیجئے کہ ایک شخص ہے جس کے پاس کئی کاریں ہیں، کئی بنگلے ہیں، کافی بنک بیلنس ہے اب اگر ایسے شخص کو روحانی طور پر کوئی خلا محسوس ہوتا ہے اور وہ خلا بڑھتا ہی چلا جاتا ہے تو بتائیے کہ وہ شخص کیا کر سکتا ہے، روحانیت کا وہ انکار کر چکا، مادیت اسکو سکون عطا کرنے سے قاصر رہی، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے اسی قسم کی طفلانہ اور احمقانہ بات ظہور میں آتی ہے، جس کو دیکھ کر ہنسی بھی آتی ہے اور رونا بھی، اسکے لاشعور میں ایک نامعلوم خوف پیدا ہو جاتا ہے، مایوسی اسکے دل میں بیٹھ جاتی ہے دماغ کو جکڑ لیتی ہے اور رفتہ رفتہ اسکے سارے نظام عصبی و عقلی کو متاثر کرتی ہے۔

وہ اپنے اس سارے ساز و سامان سے اُکتانے لگتا ہے جو بہت شاندار بیش قیمت اور پر عشرت ہونے کے باوجود اس کو سکون کا ایک لمحہ اور محبت کا ایک ذرہ نہ عطا کر سکا، وہ نہیں جانتا کہ اس کا حشر کیا ہوگا، دنیا میں اس کا مشن کیا ہے وہ انسان ہے یا حیوان یا جمادات کی کوئی اعلیٰ و متحرک قسم چنانچہ وہ کبھی کتوں کے لئے ایرکنڈیشن عمارتیں بنواتا ہے کبھی اپنی جائداد کتوں کے لئے وقف کرتا ہے اس سے بھی سکون نہیں ملتا تو ہوائی جہاز سے چھلانگ لگانے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی فوٹوگرافروں اور اخبار نویسوں کو اپنے فلیٹ میں مدعو کر کے ان کے سامنے بہت اطمینان سے خودکشی کا مبارک فرض انجام دیتا ہے۔

یہ سب خیالی باتیں نہیں، مغربی تہذیب اور مغربی زندگی کے ٹھوس واقعات ہیں جو برابر پیش آتے رہتے ہیں۔ شائد کوئی مغربی خاندان اور گھرانہ اس سے مستثنیٰ ہو۔

زبردست خلا

یہ واقعات اگر ایک طرف خود غرضی اور مادیت، حرص، ہوس اور لذت پرستی کے آئینہ دار ہیں تو دوسری طرف وہ مغربی زندگی کے اس زبردست روحانی خلا کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے پوری مغربی دنیا میں مایوسی اور اکتاہٹ ……)

زہر کی طرح سرایت کر گئی ہے۔ اسکی ہر جدوجہد، ہر کوشش اور فعل اکتاہٹ کے ساتھ شروع ہوتا ہو اور اکتاہٹ اور مایوسی پر ختم ہوتا ہے، اور یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے اور جب تک مغربی تہذیب "مادی طاقت" کی پرستش کرتی رہے گی، یہ مہیب اور لامتناہی چکر برابر جاری رہے گا۔ مغرب کی روح بے چین رہے گی، تڑپتی رہے گی۔ اور اسی کے ساتھ مغرب کا انسان بھی ہمیشہ بے چین رہے گا بے قرار رہے گا، اور تباہ و برباد ہوتا رہے گا۔

تعارف و تبصرہ

(تبصرہ کے لئے کتاب بھیجنے سے پیشتر کتاب کا موضوع، اسکی ضخامت اور مصنف کا نام لکھ کر دریافت کر لیجئے کہ کتاب تبصرہ کے لئے قبول کی جاسکتی ہے یا نہیں۔ اس شرط کے بغیر موصول ہونے والی کتابوں پر تبصرہ کی ذمہ داری نہیں۔)

عظیم الشان قرآن مجید مترجم بدو ترجمہ

ناشر جناب قاری عبدالرحمٰن صاحب ناظم ادارۂ علوم شرعیہ کراچی لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط، سائز $\frac{۲۰×۲۶}{۱۶}$ (یعنی الفرقان کا دوگنا) ضخامت تقریباً ...۸ صفحات، ہدیہ مع جلد بیس روپے۔

ملنے کا پتہ:۔ ادارہ علوم شرعیہ، رحیم منزل ۶ حاجی چاندر روڈ، متصل جامع چوک، کراچی۔

اس قرآن مجید میں دو ترجمے اور دو حاشیے ہیں۔ ترجمہ اول حضرت شاہ عبدالقادرؒ۔ ترجمہ دوم شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ۔ حاشیہ اول "موضح قرآن" از حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ۔ حاشیہ دوم موضح فرقان از حضرت شیخ الہند و حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ۔ یہ دونوں ترجمے اور دونوں حاشیے جس درجہ مستند اور مفید ہیں اسکے بیان کی حاجت نہیں، عوام و خواص میں ان کی غیر معمولی مقبولیت اس کی بہت کھلی ہوئی دلیل ہے۔ جناب قاری عبدالرحمٰن صاحب نے ان چاروں مفید ترجموں اور حاشیوں کو یکجا کر کے طالبان فہم قرآن کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو بیش از بیش جزا عطا فرمائے۔

قاری صاحب موصوف نے تراجم و حواشی کی تصحیح کے سلسلہ میں ایک خاص اہتمام یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ و حاشیہ کی ایک بہت قدیم نسخے (مطبوعہ سنہ ۱۲۴۳ھ) سے مطابقت کی ہے

جس کی وجہ سے ان کے زمانے کے مطابق ایسی بہت سی غلطیوں کی اصلاح ہو گئی ہے جو آجکل کے مطبوعہ نسخوں میں عام تھیں۔

قرآن کے نام پر حدیث کے انکار کا جو فتنہ پاکستان میں روز افزوں ہے اس کی رعایت سے ناشر نے ایک خاص جدت یہ بھی کی ہے کہ ایک مشہور عالم دین یعنی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے ایک مفصل مضمون تصنیف کرا کے شروع میں شامل کیا ہے جس میں حضرت قاری صاحب نے اپنے خاص انداز میں فہم قرآن کے لیے حدیث کی حاجت اور خود قرآن سے روایات حدیث کی قبولیت کا اثبات فرمایا ہے۔ یہ مضمون بڑے سائز کے ۴۲ صفحات کا ہے۔

۱۔ تقویۃ الایمان — مولفہ شاہ اسمٰعیل شہید دہلویؒ، صفحات ۵۱۹، سائز کلاں قیمت ۸/- روپے

۲۔ خدائی وعدہ — مصنف ڈاکٹر طٰہٰ حسین۔ مترجم معراج محمد بارق۔ صفحات ۳۶۰ سائز خورد، قیمت ۳/۸

ناشر:۔ نور محمد اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ کراچی

۱۔ توحید مومن کی زندگی کی اساس اور اسلامی زندگی کا لب لباب ہے۔ توحیدی شعور جہاں کمزور پڑتا ہے، اسلام کے دعوے کے باوجود انسان صراطِ مستقیم سے ہٹنے لگتا ہے اور ایسے ایسے خیالات و اعمال ایمان کے ساتھ جمع ہونے لگتے ہیں جو توحید کے مزاج کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتے، اگلی تمام امتوں کا بگاڑ اسی بنیادی نقطے سے شروع ہوتا ہے کہ وہ توحید کی حقیقت کو بھلا بیٹھتی تھیں اور پیغمبروں کی نام لیوائی کے باوجود ان کے لیے ضرورت ہوتی تھی کہ کوئی پیغمبر آ کر انھیں توحید کی حقیقت سے آگاہ کرے ___ پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی پیغمبر کی آمد کا سوال نہیں رہا، لیکن اس اصلاحی کام کے لیے جس کی ضرورت بہرحال اس کی امت کو بھی پڑنا تھی۔ اس نے ضمانت دی کہ اس کی امت ہی میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو حقیقت توحید کے حامل ہوں گے اور امت کے افکار و اعمال کو توحید کے معیار پر پرکھ کر بلا خوف لومۃ لائم بتاتے رہیں گے کہ کہاں کہاں توحید سے انحراف ہو رہا ہے اور امت کے

دامن پر کہاں کہاں شرک و بدعت کی گرد جم گئی ہے۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہید دہلوی نور اللہ مرقدہٗ اُمتِ محمدیہ کے انھیں بزرگوں میں تھے کہ ایک طرف تو انھوں نے مسلم دشمن طاقتوں کے خلاف شمشیر اٹھائی اور اپنی زندگی کا آخری سانس بھی شمشیر کے سائے میں پورا کیا۔ دوسری طرف اپنی زبان و قلم کی تمام طاقت سے اُمتِ مسلمہ کے اس اندرونی بگاڑ کے خلاف جہاد کیا جس کی وجہ سے توحید مضمحل ہو رہی تھی اور عامۃ المسلمین کی زندگی شرک و بدعت کے سانچوں میں ڈھلتی جا رہی تھی —— خدا ہی جانتا ہو کہ ان کی اس بے تابہ جد و جہد سے کتنوں کو راہ ہدایت نصیب ہوئی اور کتنوں کی آنکھیں کھلیں۔ اللہ کے اس بندہ کا فیض آج تک چل رہا ہے اور پتہ نہیں کب تک چلتا رہے گا، اس کے قلم سے نکلی ہوئی "تقویۃ الایمان" آج بھی شرک و توحید اور بدعت و سنت کے خطِ امتیاز پر روشنی کے مینار کا کام دے رہی ہے۔ اور ایسی مقبولیت اہلِ حق کے دلوں میں اس کی ڈالی گئی ہے کہ ایڈیشن پر ایڈیشن نکلتے چلے آتے ہیں اور خدا کرے کہ نکلتے ہی چلے جائیں۔

یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر ہر مسلمان اس کا لازماً مطالعہ کرے۔ شرک و توحید کی جامع و مانع حقیقت اچھے اچھوں کو نہیں معلوم ہے، یہ کتاب شرک و توحید کی پوری پوری حقیقت آیاتِ کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ کے ذریعہ سے کھول کر سامنے رکھ دیتی ہے۔ یہ موضوع اس کے پہلے باب کا ہے، دوسرے باب کا موضوع بدعت و سنت کا بیان ہے اس میں عقائد و ایمانیات سے لے کر رسوم و عادات تک کے ان تمام گوشوں میں بدعت و سنت کی حقیقت اچھی طرح کو بیان کیا گیا ہے جہاں کم شعوری اور دوسری قوموں کے اختلاط کی وجہ سے عام مسلمان عموماً بدعت کی راہوں پر پڑتے رہے ہیں۔

اس کتاب کی بعض عبارتوں پر شروع ہی سے اعتراضات ہوتے رہے ہیں، ان میں سے بعض کا جواب خود مصنف علیہ الرحمہ ہی کے قلم سے اور بعض کا دوسروں کے قلم سے کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے۔ کتاب کے موضوع اور مقصد سے مناسبت رکھنے والے چند چھوٹے چھوٹے رسالے اور بھی (جو دوسروں کے لکھے ہوئے ہیں) آخر میں شامل کیے گئے ہیں۔ اور اس طرح یہ کتاب مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی صفائی کا ایک مکمل گلدستہ بن گئی ہے —— کتابت و طباعت کا معیار ناشر کے حسنِ معیار کے مطابق ہے۔

دیہاتی معالج | دو حصوں میں۔ شائع کردہ ہمدرد (وقف) لیبوریٹریز، دہلی۔
قیمت حصہ اوّل -/۳ صفحات ۱۳۰۔ قیمت حصہ دوم ۲/۵۰ صفحات ۲۳۲

ہمارے دیہاتوں میں علاج معالجہ کی شہری سہولتیں ابھی تک مفقود ہیں، اور تعلیمی وتمدنی پسماندگی کی وجہ سے حفظانِ صحت کے اصولوں سے بھی ناواقفیت ہے۔ ہمدرد (وقف) لیبوریٹریز نے اسی حقیقت کے پیشِ نظر یہ کتاب تیار کی ہے۔ جس کے حصہ اوّل میں حفظانِ صحت کے عام اصول خاص طور سے دیہاتی زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے بیان کئے گئے ہیں۔ نیز کوئی پونے دو سو کے قریب دیہات میں پائی جانے والی جڑی بوٹیوں اور دوسری چیزوں کے دوائی خواص بتائے گئے ہیں، کہ یہ چیزیں کس کس مرض اور کس طبّی ضرورت میں کام آسکتی ہیں ——— حصہ دوم کا تعلق تدابیرِ علاج سے ہے۔ اوّلاً اُن اتفاقی حادثات کے سلسلہ میں طبّی تدابیر بتائی گئی ہیں جو دیہاتی زندگی میں پیش آسکتے ہیں۔ اسکے بعد بچوں، عورتوں اور مردوں کے تمام عمومی اور خصوصی امراض وعوارض کے علاج اور طبّی امداد کا طریقہ، زیادہ تر اُنھیں جڑی بوٹیوں اور اُنھیں چیزوں کے ذریعہ بتایا گیا ہے جن کے خواص حصہ اوّل میں بیان ہوئے ہیں۔

کتاب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ شروع سے آخر تک مصوّر ہے، جڑی بوٹیوں اور دیگر دوائی اشیاء، حادثات، امراض کی محسوس علامات اور عملی طبّی تدابیر غرض جس جس چیز کی ممکن ہوئی ہے تصویر دی گئی ہے۔ عورتوں کے مخصوص امراض وعوارض سے متعلق ہمارا خیال ہے کہ بعض تصاویر میں اخلاقی احتیاط نہیں ملحوظ رکھی گئی۔ بعض تصویریں بالکل بے ضرورت عُریانی کا مصداق ہیں۔

کتابت وطباعت اور کاغذ کے لحاظ سے کتابت کا معیار بہت اعلیٰ ہے۔ اہلِ دیہات کے علاوہ شہری لوگ بھی اس سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

دہلی اور اسکے اطراف | از مولانا حکیم سید عبدالحیؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء)
ناشر: کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی ۔ و ۔ مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، بادشاہ باغ لکھنؤ۔ صفحات ۱۷۲ ۔ مجلد قیمت -/۲

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے والد ماجد مرحوم مولانا حکیم سید عبدالحیؒ علمی، ادبی اور دینی

توں کی ایک معروف شخصیت ہیں، اردو ادب میں گلِ رعنا اور مشاہیرِ ہند پر عربی میں نزہۃ الخواطر
ی قابلِ فخر تصنیفات ہیں، موصوف کی عمر ۲۶ سال کی تھی کہ (۱۳۱۲ھ میں) اپنے وطن رائے بریلی
، دہلی، پانی پت اور سہارنپور وغیرہ کے علماء و مشائخ اور آثارِ اسلامی کی زیارت کے سفر پر
ے، یہ اسی سفر کا روزنامچہ ہے جو مرحوم کے قلمی مسودات میں سے نکل کر پہلے ماہنامہ معارف اعظم گڈھ
، بالاقساط شائع ہوا اور اب ۲۰ سال بعد مستقل کتاب کی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔

مولانا سید عبدالحیؒ نے کوئی دو ہفتے دہلی میں گزارے، کچھ کچھ وقت پانی پت اور سرہند
ں، چند دن دیوبند میں، پھر سہارنپور اور گنگوہ میں، علیٰ ہذا کلیر، نگینہ اور نجیب آباد وغیرہ
تے ہوئے قریب ڈیڑھ ماہ بعد وطن مراجعت فرمائی۔ اس دوران میں مرحوم نے جو کچھ دیکھا
ن بزرگوں سے ملے، اُن سے جو کچھ سنا اور جو کچھ کہا، سفر میں جو کچھ اچھی بری گزری بے تکلفی کے
اتھ سب کچھ قلمبند کرتے چلے گئے۔

اس سفری روزنامچہ کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مولانا عبدالحیؒ ۲۶ سال کی عمر میں کس قدر
تہ کار، صاحبِ علم و نظر اور آثارِ بزرگی کے حامل ہو چکے تھے۔ مرحوم کے ان اوصاف نے
س سفرنامہ کو بڑے کام کی چیز بنا دیا ہے۔ دہلی میں اُن دنوں مولانا سید نذیر حسین صاحب
اہلِ حدیث) بقیدِ حیات تھے۔ مولانا سید عبدالحی صاحب دہلی کے دورانِ قیام میں اکثر و بیشتر
ن کے حلقۂ درس میں حاضر ہوتے رہے اور بے لاگ طریقہ پر اپنے تأثرات قلمبند کرتے رہے
ہ تأثرات پڑھنے کی چیز ہیں۔ اکابر کے مزارات اور تاریخی عمارتوں کی سیر کرتے ہوئے وہ
نہایت مفید معلومات بہم پہنچاتے اور حسبِ موقعہ تأثرات کا اظہار فرماتے ہیں۔ ان تأثرات میں
یسے ایسے دلآویز ٹکڑے بھی ملتے ہیں۔ لال قلعہ کی سیر میں دربارِ خاص کا ذکر کرتے ہوئے لکھا
ہے۔

"بڑے ظرف تھے ان کے جو اس میں رہتے تھے اور پانچ وقت خدا کے سامنے سجدہ کرتے تھے۔ تف ہے فرعون پر جس نے صرف مصر کی آن گڑھ بے جوڑ عمارتوں پہ خدائی کا دعویٰ کیا، آفریں ہے شاہجہاں پر، جس نے تختِ طاؤس پر چار کروڑ روپیہ صرف کرکے بنایا اور اس پر بیٹھتے ہی خدا کے سامنے نہایت عاجزی فروتی

لی راہ میں سر جھکا دیا۔ یعنی دو رکعت نماز ادا کی " (ص۲۷)

دیوبند پہنچے تو اُس وقت کے بزرگوں میں حاجی محمد عابد صاحب، مولانا ذوالفقار علی صاحب شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب وغیرہ سے ملاقاتیں رہیں۔ گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کی خدمت میں بھی حاضری دی۔ مولانا کی شخصیت اور زندگی کے جتنے پہلو اُن کے سامنے آئے سب بے تکلفی سے قلبند کر دیئے ہیں۔ آخر میں لکھتے ہیں:۔

"اس میں شک نہیں کہ مولوی صاحب بقیۃ السلف ہیں، اُن کا وجود مغتنمات میں سے ہے، اس تورّع و استقامت کا دوسرا شیخ اُن کے سوا اس زمانہ عالم آشوب میں نظر نہیں آتا۔ علم الٰہی میں جو کوئی ہو اس کی خبر نہیں "

(ص۱۳۷)

اس سفر میں بجنور کے ایک گاؤں میں پہنچ کر مولانا عبدالحی صاحب حضرت سید احمد شہیدؒ کے ایک ایسے مرید سے بھی ملے ہیں جو جہاد میں سید صاحبؒ کے ساتھ رہے تھے۔ اُن کی زبانی سید صاحب اور آپ کے رفقاء کے واقعات و حالات پڑھنے کی چیز ہیں۔

اعلام القرآن

از: مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی (مدیر صدق) صفحات ۲۰۸ کتابت، طباعت، اور کاغذ بہتر، قیمت ۲/۲۵

ملنے کا پتہ:۔ صدق بک ایجنسی کچہری روڈ لکھنؤ (۲) دارالمصنفین شبلی منزل اعظم گڈھ۔

محترم مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی ایک مدت سے گویا قرآن کی خدمت کے لئے وقف ہو چکے ہیں۔ انگریزی اور اُردو کی مستقل تفسیروں کے علاوہ ادھر چند سال کے اندر قرآن کے مختلف علوم پر اُنکے قلم سے کئی چھوٹی چھوٹی کتابیں تیار ہو چکی ہیں۔ ایک کتاب ارض القرآن (یا جغرافیہ قرآنی) کے نام سے اُن مقامات کی مختصر جغرافی تحقیق و تفصیل پر ہے جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ ایک الحیوانات فی القرآن (یا حیوانات قرآنی) نام کی ہے جس میں ان تمام حیوانات کے سلسلے میں ضروری معلومات بہم پہونچائی گئی ہیں جو کسی مناسبت سے قرآن میں مذکور ہوئے ہیں۔ اسی طرح پیش نظر کتاب قرآن میں مذکور انسانی اور غیر انسانی اشخاص و اعلام کی

گویا ایک مختصر ڈکشنری ہے جس میں ان اشخاص و اعلام سے متعلق خود قرآن سے اور قرآن کے باہر صحف سابقہ، تفاسیر اور کتب تاریخ سے اخذ کردہ تعارفی معلومات کو یکجا کر دیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی بھی نشاندہی کی گئی ہے کہ یہ لفظ قرآن میں کتنی جگہ، کس کس مقام پر اور کس کس موقع سے آیا ہے۔ کتاب کا دائرہ صرف معروف معنی میں اعلام تک محدود نہیں ہے، بلکہ کسی بھی عنوان سے خواہ وہ علم کا عنوان ہو یا اسم مفرد کا یا مرکب کا اگر کسی متعین شخص یا اشخاص کا ذکر آیا ہے تو اس عنوان کو اعلام ہی میں شمار کر لیا گیا ہو مثلاً آل ابراہیم یا الذی تولی کبرہ منھم یا اختلف ـــــ کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کے طالبعلموں کے لیے یہ بڑی کارآمد کتاب ہے۔

امام احمد بن حنبل

از جناب نصر اللہ خاں عزیز، صفحات ۱۱۰، قیمت ۱/۵۰
ملنے کا پتہ:۔ مکتبۂ تعمیر انسانیت، موچی دروازہ۔ لاہور

حضرت امام احمد بن حنبلؒ جو فقہ کے چار اسکولوں میں سے ایک اسکول کے امام ہیں، اپنی غیر معمولی عزیمت و استقامت علی الحق کی بنا پر اسلامی تاریخ میں وہ مقام پا گئے ہیں جو کم ہی لوگوں کے حصہ میں آیا، اور کم ہی لوگوں کے حصے میں آتا ہے۔ ان کی محبت و عظمت ایک طرح سے اہلسنت کا شعار بن گئی ہے۔ ان کے تذکرہ میں ایک خاص لذت و دلآویزی ہے، چنانچہ اہل قلم اکثر ان کے تذکرہ سے انبساط روح و کیفیت قلب کا سامان کرتے رہے ہیں۔ جناب نصر اللہ خاں عزیز نے بھی اسی داعیہ کے ماتحت امام رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں یہ کتابچہ مرتب کیا ہے جس سے مختصر طور پر آپ کے سوانح حیات، اخلاق و عادات، ذوق و مزاج اور ایک صاحب عزیمت کی حیثیت سے آپ کا مقام سامنے آجاتا ہے۔

اذکار آزاد

مرتبہ مولانا سید عباس حامی مدراسی۔ ناشر شیخ محمد قمر الدین تاجر کتب۔ گوجر گلی موچی گیٹ۔ لاہور۔ صفحات ۲۰۸، مجلد قیمت ۳/۸

کتاب پر سنہ طباعت درج نہیں ہو لیکن پیش لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۳۶۵ھ کی یعنی مولانا آزاد کے دور حیات کی مرتب شدہ ہے۔ اس میں مولانا آزاد مرحوم کے الہلال و البلاغ کے ان بہت سے مضامین کے اقتباسات چار عنوانات کے ماتحت جمع کر دیئے گئے ہیں۔

جو بحیثیت اسلامی فکر اور دینی دعوت پر مشتمل تھے۔ مرتب کا مقصد اس کاوش سے یہ تھا کہ مولانا آزاد کو اب بھی جو لوگ، الہلال والے مولانا آزاد سمجھتے ہیں اُن کے سامنے اصل حقیقت آجائے اور وہ لوگ کوشش کریں کہ مولانا پھر اپنے پچھلے موقف کی طرف واپس جاویں۔ اس مقصد پر نظر اب بیکار ہے کہ مولانا ترک و اختیار کی دنیا ہی میں اب نہیں۔ البتہ اور لوگوں کے لیے یہ مجموعہ بہت مفید ہو سکتا ہے۔

وہ چار عنوانات جن کے تحت الہلال و البلاغ کے پچاسوں اقتباسات جمع کر دیے گئے ہیں۔ یہ ہیں۔

مقاصد الہلال اور مسلمانوں کے لیے شاہراہ عمل۔ مسئلہ تجدید و احیاء دین اور مسئلہ قیام جماعت، حزب اللہ کا قیام۔ اسلام کیا ہے۔

رکعات تراویح (جدید ایڈیشن)

از مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی۔ شائع کردہ مجلس علمی وابستہ مفتاح العلوم، مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ۔

صفحات ۲۳۴، درمیانی سائز، کتابت و طباعت اور کاغذ عمدہ۔ قیمت ۲/۵۰

چند سال ہوئے کہ رکعات تراویح کے نام سے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے ایک مختصر رسالہ اہلحدیث کے اس دعوے کی تردید میں تصنیف فرمایا تھا کہ تراویح کی رکعتوں کا مسنون عدد آٹھ ہے۔ اس رسالہ کو اہلحدیث حلقوں میں بڑی اہمیت دی گئی اور بعض کافی موٹی کتابیں تک اس کی رد میں لکھی گئیں۔ اور پھر ان کا بڑا عظیم الشان استقبال اہلحدیث حلقوں میں ہوا۔ سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ جو کتاب اس رسالہ کے مقابلہ میں آئی اس کا نام تھا انوار مصابیح اس کتاب کے تیور اس قدر جارحانہ تھے کہ ہمیں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھنا پڑا تھا کہ خدا نہ کرے کہ کوئی حنفی بھی اسی زبان میں جواب دینے کے لیے کھڑا ہو جائے ——— افسوس یہی ہو کر رہا۔

"رکعات تراویح" کا یہ جدید ایڈیشن جو ہمارے سامنے ہے اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ متن کے طور پر اصل کتاب کی عبارت ہے اور حاشیہ پر انوار مصابیح کا جواب ہے۔ یہ حاشیے مولانا عبدالباری صاحب قاسمی مدرس مفتاح العلوم کے قلم سے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نفس جواب کے لحاظ سے کتاب مجموعی طور پر بہت کامیاب ہے۔ اور بعض مباحث علمی موشگافیوں کے لحاظ سے دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ جواب کی کامیابی پر ہی قناعت نہیں کی گئی ہے بلکہ لہجہ میں ترکی

ہر ترکی جواب کا بھی التزام کیا گیا ہو۔ افسوس ہے کہ ہم اس سے کسی طرح اغماض نہیں کر سکتے۔ علماء کے مابین علمی مباحث کا یہ لہجہ کسی بھی طرح قابلِ تحسین نہیں، بلکہ ہم تو یہ بھی عرض کریں گے یہ وقت رکعات تراویح کے مسئلہ پر لڑنے کا نہیں۔ یہ وقت تو پوری یکسوئی کے ساتھ ان فتنوں سے لڑنے کا ہے جو دین کی بنیادیں ہی ہلائے دے رہے ہیں۔ اہلِ دین اور اہلِ کتاب وسنت کی ان فروعی معرکہ آرائیوں سے ان فتنوں کو جتنی تقویت ملتی ہے وہ کچھ بیان کی محتاج نہیں، کاش مقلدین اور غیر مقلدین اس پر غور کریں اور اس میدانِ جدال کو خیرباد کہہ دیں۔

بہرحال جن حضرات کو ان مباحث سے دلچسپی ہو ان کے لیے یہ کتاب یقیناً دلچسپ ثابت ہوگی۔ خصوصاً احناف جو رکعات تراویح کے باب میں اپنے مسلک پر اہلحدیث حضرات کے اعتراضات کا جواب چاہتے ہوں اُن کے لیے یہ کتاب یقیناً کارآمد ہے ——— واضح رہے کہ ابھی کتاب کا ایک حصہ باقی ہے۔ یہ صرف حصۂ اول ہے۔

تفسیری رسائل

از مولانا حمید الدین فراہیؒ، ناشر: دائرۂ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر (ضلع اعظم گڈھ)

قرآن پاک جس قدر آسان ہے اسی قدر مشکل بھی ہے، عام نصیحت و موعظت کے نقطۂ نظر سے پڑھیے تو اس کی ایک ایک آیت یہ فائدہ دیتی چلی جائے گی۔ لیکن طالبعلمانہ نقطۂ نظر سے غور کرنے لگیے تو مطالب کی بلندیاں ہر کس و ناکس کا حصہ نہیں۔ مولانا حمید الدین فراہیؒ نے اپنے کو تدبر قرآن کے لیے وقف کیا تھا اور اس کے تمام شرائط اپنے اندر جمع کرنے کی کوشش کی تھی اس کے نتیجہ میں اللہ نے اُن کو فہم قرآن کا بہت ہی خاص حصہ نصیب فرمایا، اُن کا ایک خاص مذاق ہے جس کے ماتحت اُن کے ہاں بعض تفردات بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان کے نتائج فکر کے مطالعہ سے قرآن میں گہری بصیرت حاصل ہوتی ہے ——— افسوس کہ مولانا مرحوم پورے قرآن کی تفسیر نہیں کر سکے۔ البتہ بعض متفرق سورتوں کی تفسیریں انھوں نے لکھیں، جو قریب قریب سب عربی میں تھیں۔ اور ان کا اردو ترجمہ مولانا کے فاضل تلمیذ مولانا امین احسن اصلاحی نے کیا۔ یہی تفسیری رسالے اس وقت ہمارے سامنے ہیں جن کی تعداد چودہ ۱۴ ہے۔

ان کی تفصیل مع قیمت حسب ذیل ہے۔

تفسیر بسم اللہ و سورۂ فاتحہ ۳۸/۔ تفسیر سورۂ ذاریات ۴۳/۔ تفسیر سورۂ تحریم ۶۲/۔ تفسیر سورۂ قیامہ ۵۰/۔ تفسیر سورۂ مرسلات ۵۰/۔ تفسیر سورۂ عبس ۶۲/۔ تفسیر سورۂ والشمس ۴۴/۔ تفسیر سورۂ والتین ۶۲/۔ تفسیر سورۂ والعصر ۵۰/۔ تفسیر سورۂ فیل ۸۱/۔ تفسیر سورۂ کوثر ۹۱/۔ تفسیر سورۂ کافرون ۳۸/۔ تفسیر سورۂ لہب ۶۲/۔ تفسیر سورۂ اخلاص ۳۸/۔

ان میں سے صرف آخری رسالہ مصنف ہی کے قلم سے اردو میں ہے۔ باقی سب مولانا امین احسن صاحب کا ترجمہ ہیں ترجمہ کی خوبی پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، مترجم نہ صرف اردو کے بہترین انشاپرداز بلکہ مولانا فراہی کے تفسیری معارف کے حامل بھی ہیں، چنانچہ ترجمہ میں اصل کا لطف ہے۔

موخرالذکر دو رسالے پہلی بار شائع ہوئے ہیں، باقی سب کی دوسری اشاعت ہے کتابت، طباعت اور کاغذ کا معیار اچھا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے شرائط داخلہ

(۱) دارالعلوم دیوبند میں داخل ہونے والے طالب علم (خواہ قدیم ہوں یا جدید) کو ضروری ہوگا کہ وہ اپنے سرپرست کی جس کو وہ فارم داخلہ میں سرپرست درج کرے گا تحریری تصدیق پیش کرے جس میں اس کی وطنیت اور اخلاق و کردار و تعلیم وغیرہ کا ذکر ہو اور ہر طریقہ کی ذمہ داری کی صراحت ہو۔

(۲) جو طلبہ مغربی بنگال یا آسام سے آئیں وہ مذکورہ بالا تصدیق نامہ کے ساتھ کسی مجسٹریٹ یا اپنے حلقہ کے ممبر اسمبلی یا ممبر پارلیمنٹ یا تھانہ سے اپنے ہندستانی ہونے کی تصدیق بھی لائیں۔ مجسٹریٹ یا تھانہ کی تصدیق مہر شدہ ہونا ضروری ہے اور ممبران مذکور کی تصدیق ان کے لیٹر فارم پر ہونی چاہیے۔

(۳) ہر طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ حسب معمول قدیم اپنا نام و پتہ فارم داخلہ میں صحیح درج کرے۔ نام یا ولدیت یا سکونت کا اندراج غلط ثابت ہونے پر مستوجب اخراج ہوگا۔

مہتمم دارالعلوم دیوبند

بقیہ نگاہِ اوّلیں

مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ
عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ
زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ
آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ
أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ
أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ
أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ
أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ
غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ
أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ
عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ
بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ
مِنْ زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ
جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُونَ ٥

(سورۂ نور آیات ۳۰-۳۱)

مگر وہ کہ جو ظاہر ہی ہو۔ اور ڈالا کریں
اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر اور
نہ ظاہر کریں اپنی زیبائش مگر اپنے شوہروں
کے آگے یا اپنے باپ، یا خاوند کے باپ،
یا اپنے بیٹوں کے یا دوسری عورت سے)
اپنے شوہر کے بیٹوں کے یا اپنے بھائی کے
یا بھتیجوں کے، یا بھانجوں کے، یا اپنی
عورتوں اور باندیوں کے یا ایسے خادم
مردوں کے آگے جنہیں (عورتوں سے)
غرض نہیں، یا اُن بچوں کے آگے جو
عورتوں کے (جسمانی) اسرار سے واقف
نہیں۔ اور کہو، کہ نہ ماریں زمین پر اپنے
پاؤں کہ پتہ چل جائے اُن کی پوشیدہ
زیبائش کا۔ اور رجوع کرو سب کے سب
اللہ کی طرف اے ایمان والو تاکہ تمہیں
فلاح ملے۔

ان دو آیتوں میں بہت زیادہ نہیں، تھوڑا سا غور کر کے دیکھ لیجیے کہ اسلام حقیقی اسلام کا فتویٰ رقص و سرود اور ڈرامہ و مصوری کے باب میں کیا نکلتا ہے؟ اِن آیتوں میں جن قدروں کو تمدن کی بنیاد میں پیوست کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ ان اعلیٰ اسلامی قدروں کا کس طرح کوئی جوڑ آپ کی مجوزہ تہذیبی سرگرمیوں کے ساتھ بیٹھتا ہے؟ —— اگر یہ اشارہ ناکافی ہو تو ہم شرح کی خدمت انجام دینے کے لئے بھی حاضر ہیں!۔

جبل پور کی قیامت

(از مرتّب)

[اس دفعہ کی "نگاہِ اوّلین" کی مستحق دراصل وہ قیامتِ صغریٰ تھی جو جبل پور اور اس کے ڈیڑھ دو سو میل کے گرد و نواح پر گزر گئی، لیکن گذشتہ شمارہ کی گفتگو کے سلسلہ میں ایک قابلِ توجہ بات سامنے آگئی تو تسلسل کے خیال سے مناسب معلوم ہوا کہ............ نگاہِ اوّلین میں اسی سلسلہ کو برقرار رکھ جبل پور پر مستقلاً لکھا جائے۔ — مرتّب۔]

جبل پور، ساگر اور ان کے گرد و نواح میں جو کچھ ہوا اس کی تفصیل ہم سب کے علم میں آچکی، اب اس کو دوہرانے کا محل نہیں۔ ان تفصیلات میں جانا اخبارات کا موضوع تھا۔ ہمارا موضوع اس سلسلہ میں بس چند ضروری باتیں ہیں — جن میں سے بعض شاید مسلمانوں کے لئے تلخ ہوں اور بعض دوسروں کیلئے۔

۱۔ اس دنیا میں اگر بدون اذنِ خداوندی کچھ نہیں ہوتا اور جو کچھ ہوتا ہے وہ حکمت کے ماتحت ہوتا ہے تو جبل پور کا یہ دلدوز حادثہ ہمیں اس قرآنی آگاہی کی یاد دلاتا ہے جو مسلمانوں کو دی گئی تھی کہ:-

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ	اس ابتلاء (سزا) سے ڈرو جو تم میں کے
الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً	خطاکاروں ہی تک محدود نہیں رہے گی
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ	اور جانے رہو کہ اللہ بڑا سخت پکڑ والا
الْعِقَابِ۔	ہے۔

جبل پور کے دو ... مسلمان نوجوانوں نے ایک غیر مسلم دوشیزہ کے دامن عصمت پر بہیمانہ دست درازی کی، اور اسکے نتیجہ میں اس نے فرطِ غیرت سے اپنا وجود نذرِ آتش کر دیا، قانون کی رو سے ان اوباشوں کے اس فعل کی سزا ان کے کسی قریبی سے قریبی عزیز کو بھی نہیں دی جا سکتی تھی لیکن مسلمان جن کو عصمتوں کا محافظ بنا کر خدا نے اپنی اس زمین پر کھڑا کیا تھا، اور جن نے زنا کاری کے متعلق آگاہ کیا تھا کہ :-

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنیٰ اِنَّہٗ کَانَ	قریب بھی نہ جاؤ زنا کے، کہ یہ بہت ہی
فَاحِشَۃً وَّمَقْتًا وَسَآءَ سَبِیْلًا	شرمناک، اللہ کے لئے ناقابل برداشت

اور برا انجام راہ ہے۔

اور ایسی عبرت ناک سزا اسلئے مقرر کی تھی جس کی نظیر کسی مذہب اور تہذیب میں نہیں پائی جاتی۔ اور نام نہاد مہذبوں کے نزدیک وہ آج تک قابل طعن ہے ____ اس ستار عیوب مالک الملک کو شاید یہ بہیمانہ حرکت زنا غضبناک کر گئی جو بذات خود ہی انتہائی پاپ تھی کہ ساتھ ساتھ ایک معصوم جان کی دردناک موت اور اسکے گھر والوں کے نالہائے دلفگار کا باعث بھی بن گئی۔

کیا یہ کچھ عجب ہے کہ پروردگار عالم کی یہی غضبناکی مدھیہ پردیش کے خونیں سانحہ کی تہ میں کام کر رہی ہو؟ اور اسکی حکمت نقشی بنی ہو کہ ہم پر کچھ دیر کے لئے ایسا بے پناہ تازیانہ عبرت برسائے کہ ہم از سر نو جان لیں کہ ایک مسلمان سے ارتکاب زنا اس کی بارگاہ میں ناقابل برداشت ہے، اور اس کا انجام بہت ہی برا ہے، ہم جان لیں کہ دوسری قوموں کی طرح ہمارے ہاں بھی زانیوں کی کثرت ہوتے ہوئے رحمت خداوندی کسی حال ہماری طرف متوجہ نہیں ہو سکتی، ہم سمجھ لیں اور اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہر وہ راستہ جو بدکرداری کی طرف لے جاتا ہے، ہر وہ دلچسپی جس میں جنسی بدکاری کے دواعی پوشیدہ ہیں، اور ہر وہ ہمارا اختیاری ماحول جس میں جنس زدگی کی ترغیبات پائی جاتی ہیں ہمارے لئے شجر ممنوعہ کا حکم رکھتا ہے ____ اے کاش ہم اس تازیانہ خداوندی سے سبق لیں!

۲- یہ تو خدا اور اسکے بندوں کا آپس کا معاملہ ہے۔ رہا اس دنیا میں بسنے والے انسانوں کا معاملہ

توکسی بھی قانون اور انصاف کے کسی بھی معروف پیمانے سے ناپا جائے۔ ایک لڑکی کی عصمت دری کا واقعہ، خواہ وہ اسکی غم انگیز موت اور اسکے اعزہ کے کیسے ہی درد و الم کا باعث کیوں نہ ہوا ہو، ہرگز اس بات کو جائز نہیں ٹھہراتا کہ مجرم جس فرقہ سے تعلق رکھتا ہو اس فرقہ ہی کے خلاف ہلہ بول دیا جائے۔ بستیاں کی بستیاں مع زندہ انسانوں کے پھونک دی جائیں اور قتل و غارتگری کے وہ منظر پیش کر دیے جائیں کہ پتھروں کے دل بھی پگھل جائیں۔ وہ اگر ایک لڑکی کی عصمت دری تھی تو یہ مادرِ انسانیت کی عصمت دری ہے! وہ اگر من کھر کا پاپ تھا تو اس حیوانی پاپ کی پوری پوری تول کے لئے دنیا کے کسی باٹ کا نام لینا کافی نہیں ہے۔!! ــــــ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ بدکاری کا واقعہ اخلاقی اور قانونی اعتبارات ایک سنگین جرم تھا، لیکن اس بات کے کہنے میں ذرہ برابر بے انصافی اور جنبہ داری نہیں ہے کہ اس ظلم کے مقابلہ میں وہ جرم کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ کسی بھی انصاف پسند کے لئے اس کا ادنیٰ جواز نہیں ہو کہ دونوں واقعوں کو مذمت کی ترازو میں برابر سرابر دکھائے، یا اس جرم کا ذکر کرکے اس ظلم کو ہلکا دکھانے کی کوشش کرے۔ ہمیں اس ملک کی مذہبی اکثریت اور حکمراں جماعت کے ضمیر پر انتہائی افسوس ہے کہ اس بے پناہ ظلم و ستم کی مذمت یا اس پر اظہار ندامت کرتے ہوئے اس بدکاری کے واقعہ کا ذکر کچھ اس طرح کیا جاتا ہے کہ جیسے یہ بہیمانہ مظالم اسی واقعہ کا ردّ عمل ہوں[ف]۔ اور ان کے پیدا کرنے میں اس کو ہی کچھ نہ کچھ حصہ ہی کی سہی (قانونی نہ سہی عادتی ہی سہی) وجہ جواز نکلتی ہو۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ نہ یہ ردِّ عمل تھا، نہ ہو سکتا تھا اور نہ کبھی ایسے واقعات پر اس طرح کا ردّ عمل آج تک ہوا ہے۔ یہ ایک بالکل الگ چیز تھی، کچھ پہلے سے بنے ہوئے، عرصے سے پکتے ہوئے منصوبے تھے جن کو بروئے کار لانے کے لئے اس واقعہ کو نہایت چابکدستی سے بہانہ بنایا گیا ــــ اور پھر ہوا اس سرزمین ہند پر ایک خونیں تماشہ جس میں منصوبہ کے ہر شریک ہی نے بقدر امکان حصہ لیا ــــ

۴۔ ہمارے نزدیک اس مدّتوں یاد رہنے والے خونیں حادثہ کی تمامتر ذمہ داری اس ملک کی برسر اقتدار پارٹی اور اسکی مرکزی اور ریاستی حکومتوں پر ہے۔ بارہ سال سے اکثریت کے فرقہ پرستوں کو ان خداوندانِ ملک کی طرف سے ایسی کھلی چھوٹ ملی ہوئی ہے کہ ان کے معاملہ میں قطعاً یہ نہیں معلوم

[ف] جہاں تک اربابِ حکومت کا تعلق ہے ان کے بعض ابتدائی بیانات کا یہی رنگ تھا۔ لیکن ان سطروں کی کتابت کے بعد جو بیانات آئے ہیں ان کا تقاضہ ہے کہ حکمراں جماعت کو اب اس زمرہ سے نکال دیا جائے۔ ح۔

ہوتا کہ یہاں کوئی غیر فرقہ پرست حکومت ہے۔ یہ پبلک جلسوں میں کھڑے ہو کر مسلمانوں کے خلاف مستقل زہر اگلتے ہیں، ہندوؤں کے دل مسلمانوں کے خلاف بغض و نفرت سے بھرتے ہیں، مسلمانوں کی طرف روئے سخن کر کے اس طرح احکامات سناتے ہیں جس سے ہر ہندو کو خیال ہو کہ مسلمان یہاں اُن کے قومی غلام کی حیثیت سے رہتے ہیں، اور ہر ہندو کا حق ہے کہ وہ اُن کو ان احکام کی نافرمانی کی سزا دے۔ ایسی تقریریں کھلے عام ہوتی ہیں، بے گنتی ہوتی ہیں، لیکن ہم نے آج تک نہیں سُنا کہ کسی ریاستی یا مرکزی حکومت نے اس کا نوٹس لیا ہو ـــــ اسی طرح ان مسلم دشمنوں کی زہر افشانیوں اور ریشہ دوانیوں کی بدولت رہ رہ کر فرقہ وارانہ کشت و خون کا چکر کبھی کسی ریاست میں کبھی کسی ریاست میں چلتا رہتا ہے، جن میں صاف طور پر اقلیت مظلوم ہوتی ہے، لیکن نہ صرف ان تخریبی عناصر کی گرفت کوئی حکومت نہیں کرتی بلکہ ان کی کہیں کھلی کہیں چھپی مددگار پولیس اور اس کے افسران تک کی خلاف منصب حرکتوں کا کوئی نوٹس نہیں لیا جاتا۔ پچھلے ہی سال ہولی کی برکت سے متعدد ریاستوں میں جو مار دھاڑ ہوئی اس میں اسی مدھیہ پردیش کی راجدھانی (بھوپال) کو بھی بہت بڑا حصہ ملا تھا۔ مدھیہ پردیش کی اسی حکومت نے جو آج وہاں ہے اس سلسلہ میں جس قدر دھاندلی اور انصاف و ذمہ داری کے تقاضوں سے جس حقارت کے ساتھ روگردانی کی وہ ایسی بے غبار حقیقت ہے کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کانگریس پارٹی سے وابستگی کے باوجود جبل پور کی بحث کے دوران بھری پارلیمنٹ میں اس گزری ہوئی کہانی کا ذکر کیا۔

سوال یہ ہے کہ جب ریاستی حکومتوں کے یہ ڈھنگ ہوں گے۔ اور مرکزی حکومت یا کانگریس ہائی کمانڈ ریاستی حکومتوں کے اس مجرمانہ رویہ کے خلاف کسی شکایت فریاد اور کسی احتجاج کا کوئی نوٹس نہیں لے گی تو پھر ہندوستان کی مسلم اقلیت کسی کے بھی ہاتھوں اور کسی کی بھی سازشوں سے تباہ ہوتی ہو، اسکی ذمہ داری کس پر ہو گی؟ قیام امن کی ذمہ داری کس پر ہے؟ نقض امن کے اسباب کا سدباب اور اسکی نگرانی کس کا منصبی فریضہ ہے؟ انصاف اور دادرسی کے لئے کون جوابدہ ہے؟ اگر یہ سب اپنی اپنی جگہوں پر ریاستی حکومتوں کی اور مجموعی طور پر مرکزی حکومت کی ذمہ داریاں ہیں تو پھر ان مسلسل بارہ سالہ کوتاہیوں، چشم پوشیوں اور فرض ناشناسیوں کی موجودگی میں بالکل جھوٹ ہے، یہ کہنا کہ ہمارا سب کچھ پنڈت نہرو اور اُن کی حکومت کے ہاتھوں محفوظ ہے۔ خدا کے لئے ذرا

کھلنے دو پنڈت جی کی آنکھیں۔ ہماری کم سے کم توقع کے مطابق انھوں نے آج بارہ سال بعد انگڑائی لی ہے۔ اب تم انھیں غلط فہمی میں مبتلا کرکے پھر سے غافل کر دینے کی کوشش مت کرو۔ ذرا انھیں پوری طرح بیدار ہو جانے دو۔ پھر البتہ تم توقع کر سکتے ہو اور مستقبل قریب میں یہ کہنے کے قابل ہو سکتے ہو کہ پنڈت جی اور اُن کی حکومت کے سایہ میں مسلمان ہر طرح بخیر و عافیت ہیں۔

پنڈت جی سے توقعات یقیناً بجا ہیں۔ وہ اقلیتوں کے حق میں سب سے زیادہ غنیمت انسان ہیں، لیکن ابتک تو انھیں شاید پوری طرح خبر ہی نہیں تھی۔ آج جبلپور نے انھیں پہلی بار بتھایا ہے کہ اُن کے راج سنگھاسن کے نیچے ایک اقلیت پر کیا بیت رہی ہے۔ اب اگر اتفاق سے ہماری قسمت بھی بارہ برس بعد پھرنے کو آرہی ہو اور پنڈت جی کی یہ چونک اور یہ بیداری جبلپور کے مسئلہ میں آخر تک رہ جائے اور بحیثیت وزیر اعظم ـــــ اور ہر دلعزیز وزیر اعظم ـــــ کے وہ حکومت کی سطح اور بحیثیت کانگریس کے عظیم لیڈر کے عوامی سطح پر اپنی حکومت اور اپنی پارٹی کی متحدہ طاقت سے اس بے لگام فرقہ پرستی کے خلاف کھلی جنگ کا آغاز کریں تو یقیناً وہ تمام اشیرباد وں کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ اور پوری توقع کی جاسکتی ہے کہ ملک کو فرقہ پرستی کے شکنجے سے نجات مل جائے۔

۴ کانگریس الکشن کی مصلحت کے فریب میں آزادی کے بعد سے ابتک بہت ہی خسارے کا سودا کرتی رہی ہو۔ وہ اکثریت کی نامناسب رضاجوئی کرکے چاہتی ہے کہ اسکے ووٹوں پر اس کا اجارہ رہے۔ لیکن اس طرز عمل کے ذریعہ وہ اکثریت میں ایسی ذہنیت پیدا کرتی ہے کہ پھر اسکی رضاجوئی بغیر کھلی فرقہ پرستی کے ممکن نہیں۔ چنانچہ پنچ سارے اصولوں کو داؤں پر لگا دیئے گئے۔ باوجود وہ چونکہ کھلی فرقہ پرستی نہیں اختیار کرسکتی اس لئے اس کے ڈالے ہوئے بیج کا پھل جن سنگھ کی جھولی میں گر رہا ہے، اور کانگریس اپنی ساری رضاجوئیوں کے باوجود اکثریت کے اندر سکڑتی اور جن سنگھ بڑھتی چلی جارہی ہے۔ دوسری طرف مسلمان جو اس ملک کی سب سے بڑی اقلیت اور ایک پاسنگ ہیں، وہ قدرتی طور پر کانگریس کی ان نامناسب رضاجوئیوں سے جو اُن کے خلاف پڑتی ہیں، شاکی ہوتے ہیں اور کانگریس میں پنڈت نہرو جیسا لعل لگانے کے باوجود دوسری پارٹیوں کا رُخ کرتے ہیں ـــــ افسوس اتنی سیدھی بات کانگریس کے نیتاؤں کی سمجھ میں نہیں آتی، اور یہ ناسمجھی کانگریس کے ساتھ ملک کو بھی لئے ڈوب رہی ہے۔

کاش جبلپور کے مظلوموں کا خون اسی کام آجائے کہ کانگریس ہوش میں آئے۔

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ملکیت و دیگر امور سے متعلق وزارت اطلاعات و نشریات کا مطلوبہ اعلان

فارم ۴۔ ملاحظہ ہو رول نمبر ۸

مقام اشاعت ... ... لکھنؤ

وقفہ اشاعت ... ... ماہانہ

پرنٹر پبلشر ایڈیٹر اور مالک کا نام ... ... محمد منظور نعمانی

قومیت ... ... ہندستانی

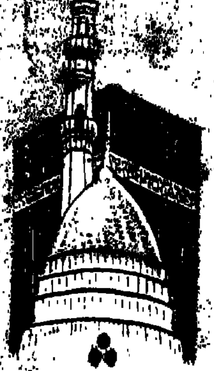
پتہ ... ... کچہری روڈ، لکھنؤ

میں محمد منظور نعمانی بذریعہ ہذا اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین کی حد تک بالکل صحیح ہیں۔

دستخط محمد منظور نعمانی

یکم مارچ ۱۹۶۹ء

ALFURQAN (Regd. No. A-353) LUCKNOW.



ہندوستان کا سب سے پہلا

سفرنامۂ حجاز

(۱۱ — ۱۰) ہ ۲۸

درویش صفت رئیس تلمیذ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

مولانا الحاج رفیع الدین صاحب مرادآبادیؒ کا سفرنامۂ حرمین سنہ ۱۲۰۱-۱۲۰۳ھ

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

خاص اشاعت

شوال سنہ ۱۳۸۰ھ

مدیر مسئول
محمد منظور نعمانی
و مرتب
عتیق الرحمن سنبھلی

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

جلد ۲۸ شمارہ ۱۰و۱۱

سنہ ۱۳۸۰ھ شوال ذیقعدہ سنہ ۱۹۶۱ء اپریل مئی

خاص اشاعت

ہندوستان کا سب سے پہلا

سفرنامۂ حجاز

از

مولانا حاجی رفیع الدین صاحب فاروقی مرادآبادیؒ

ترجمہ

از، مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہی

قیمت ایک روپیہ

سالانہ چندہ :- ہندوستان سے 5/- پاکستان سے 6/- غیر ممالک سے 10 sh

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ :- سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ، لاہور

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

بغیر کسی اعلان اور بلا کسی پروگرام کے الفرقان کی یہ ایک خاص اشاعت حاضر ہے۔ الفرقان کے خاص قلمی معاون مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہی دامت عنایاتہم نے گذشتہ ماہ مطلع فرمایا تھا کہ وہ الفرقان کے لئے ایک غیر مطبوعہ (قلمی) سفرنامہ حجاز کا ترجمہ فرما رہے ہیں جو قریباً پچاس صفحے کا ہوگا اور وسط مارچ تک پہنچ جائے گا۔ اس اطلاع پر ہمارا پروگرام یہ تھا کہ اسکی دو قسطیں کرکے اپریل اور مئی کی اشاعتوں میں شائع کر دیا جائے گا لیکن مسودہ موصول ہوا تو قریب سو صفحے کی ضخامت کا نکلا۔ اسکو اگر عام شماروں میں بالاقساط شائع کیا جاتا تو کم سے کم چار اشاعتیں درکار ہوتیں اور موسم حج گزر جانے کے بعد یہ سلسلہ تمام ہوتا۔ اس لئے فوری طور پر طے کیا گیا کہ جتنے صفحات پر بھی جائے اسے الفرقان کی ایک ہی اشاعت میں دیدیا جائے چنانچہ قریب دو چند ضخامت کی یہ اشاعت پوری کی پوری اسی سفرنامہ کی نذر ہے۔ اور حق یہ ہو کہ یہ سفرنامہ اسی قابل تھا جیسا کہ ناظرین اسکے مطالعہ سے محسوس فرمائیں گے۔

سفرنامہ کے تعارف میں کچھ کہنے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ یہ کام مولانا فریدی صاحب نے باحسن وجوہ انجام دیدیا ہے۔ اب یہ ہدیہ ہے ادارہ الفرقان اور فاضل مترجم کی طرف سے عام ناظرین کی خدمت میں عموماً، اور ان خوش نصیبوں کی خدمت میں خصوصاً، جو امسال عازم حج ہو رہے ہیں۔ انشاء اللہ وہ اپنے ایک پیشرو کی اس روداد سفر کو اس راہ میں بہت ہی لذت آمیز اور نشاط انگیز پائیں گے۔ اور امید ہے کہ ارکان ادارہ الفرقان اور مولانا فریدی زاد مجدہم کو بھی اپنی بہترین دعاؤں میں یاد فرمائیں گے۔

اس موقع پر اس کا اظہار بھی مناسب ہے گا (اگرچہ مولانا فریدی زاد مجدہم کے ذوقِ اخفاء پر کچھ شاق گزرے، اور اس لئے ہم ان سے معذرت خواہ ہیں) کہ امسال مولانا موصوف بھی عازم حرمین ہیں اور امید ہے کہ الفرقان کے اس نمبر کی اشاعت کے ساتھ ہی ساتھ ان کا جہاز بھی ساحل بمبئی سے لنگر اٹھائے گا۔ خوب ہے اس سفرنامہ کے ترجمے اور اسکی اشاعت کا یہ موقع! خدا انھیں اس سفر مقدس کی برکتوں سے مالا مال فرمائے۔

اعلان:- (۱) یہ خاص اشاعت اپریل اور مئی کے حساب میں ہے، لہذا اسکے بعد رسالہ جون میں شائع ہوگا، جون سے پہلے اب کسی مزید اشاعت کا انتظار نہ کیا جائے۔ (۲) فروری کے شمارہ میں ۸ صفحے کم گئے تھے۔ ارادہ تھا کہ اپریل کے رسالہ میں اس کسر کو پورا کر دیا جائے گا۔ گر سفرنامہ کی خصوصی اشاعت کی بنا پر اس دو ماہی اشاعت کے اپنے و اجبی صفحات میں بھی کمی رہ گئی۔ انشاء اللہ یہ سب کمی جون کی اشاعت میں پوری کر دی جائے گی۔ (منیجر)

مرادآباد سے حجاز مقدس تک

سفرنامہ

مولانا حاجی رفیع الدین صاحب فاروقی مرادآبادیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا حاجی رفیع الدین فاروقیؒ مرادآباد کے صاحب تصانیف بزرگ گزرے ہیں۔[1] خاندانی وجاہت کے لحاظ سے بھی اُن کی نمایاں شخصیت تھی، وہ نواب عظمت اللہ خاں فاروقی حاکم مرادآباد کے پوتے تھے ـــ ذاتی اوصاف وکمالات کی حیثیت سے بھی بلند پایہ تھے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے براہ راست شاگرد تھے، حضرت مولانا خیر الدین سورتیؒ سے بھی سند حدیث حاصل کی تھی۔ اپنے زمانہ کے بہت سے مشائخ سے ملاقات کی اور استفادہ کیا ـــ اور تذکرۃ المشائخ میں ان مشائخ کے حالات تحریر کئے ہیں۔ یہ کتاب اب کمیاب بلکہ نایاب ہے۔ ابھی تک کسی کتب خانے میں اس کی موجودگی کا علم نہیں ہو سکا۔ صاحب انوار العارفین نے امروہہ، مرادآباد اور دہلی کے مشائخ کا ذکر کرتے ہوئے، تذکرۃ المشائخ کا جگہ جگہ حوالہ دیا ہے اور اس سے اقتباسات بھی لئے ہیں ـــ حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ[2] جب کبھی مرادآباد

---

[1] صوفی محمد حسین چشتی مرادآبادیؒ آپ کا ذکر خیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

از رؤسا و بزرگان این شہر مرادآباد بودہ اند (انوار العارفین ص ۴۲۲)

[2] چنانچہ خود تحریر فرماتے ہیں ـــ (مرزا مظہر جانجاناںؒ) بافقیر بسیار مہربانی وشفقت می فرمودند وہرگاہ مرادآباد آمدے غریب خانہ را بقدوم خود مشرف میساختے ویکبار ہم اینجا اقامت فرمودہ۔

(انوار العارفین بحوالہ تذکرۃ المشائخ ص ۴۲۵)

تشریف لاتے اِن کے مکان کو اپنے قدوم سے ضرور مشرف فرماتے تھے اور ایک مرتبہ ان کے ہی مکان پر انھوں نے قیام فرمایا تھا۔

منجملہ دیگر تصنیفات و تالیفات کے آپ کا سفرنامہ بھی تاریخی، جغرافیائی اور ادبی حیثیت سے ایک شاہکار ہے ـــ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے یہ سفرنامہ کہیں طبع نہیں ہوا ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ پروفیسر خلیق احمد نظامی سلمہ سے مجھے دستیاب ہوا ـــ اس نسخے کے کچھ اوراق کہیں کہیں سے کرم خوردہ ہوگئے ہیں۔ میں نے اس نسخے کا اچھی طرح مطالعہ کرنے کے بعد رضا لائبریری رامپور کے نسخے سے ان ناقص اوراق کی عبارتوں کا پتہ چلایا اور دیگر بعض مقاماتِ کتاب کی مطابقت بھی کی ـــ میں اس کتاب میں سے تاریخ حرمین اور چند حکایات و واقعات کو چھوڑ کر اس کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔

سفرنامے میں اپنے چشم دید واقعات اور حالات قلمبند کرنے کے علاوہ ان کتابوں سے بھی مدد لی گئی ہے۔

(۱) مناسک شیخ عبدالحق دہلویؒ (۲) منسک شیخ محمد ہاشم سندھیؒ (۳) رسالہ شیخ حسین محمد دیار بکریؒ (۴) تاریخ مکہ (علامہ قطب الدینؒ (۵) مناسک مولانا جامیؒ (۶) تاریخ مصر (علامہ جلال الدین سیوطیؒ) (۷) وفاء الوفاء (سمہودیؒ) (۸) سفرنامہ مصر (شیخ ابراہیم مدنیؒ) (۹) عمدۃ الاخبار تالیف احمد بن عبدالحمید الہاشمی الندمیؒ۔

نواب خاندان کے اس مرادآبادی درویش نے بڑے عاشقانہ انداز میں سفرِ حرمین کیا ہے، سفرنامے کے لفظ لفظ سے کیف و سرشاری آشکارا ہے۔ صاف پتہ چلتا ہے کہ حاجی صاحبؒ کا دل کیفِ عبدیت اور عشقِ رسولؐ سے لبریز ہے، اُن کی عبارت حریم کعبہ و گنجانۂ طیبہ سے گہرے ربط و تعلق کی آئینہ دار ہے ـــ اس سفرنامے میں اپنے زمانے کے اکابر حرمین کے مختصر حالات بھی درج ہیں۔ یہ سفرنامہ اس حیثیت سے بھی ممتاز ہے کہ اس کے مؤلف نے فارسی زبان میں بطرزِ سادہ بغیر عبارت آرائی کے وضاحت کے ساتھ اپنے سفری معلومات اس میں تحریر کئے ہیں۔

میں اپنے اس دعویٰ میں شاید مبالغہ کرنے والا نہ ہوں کہ ہندوستان میں سفرنامۂ حج کی داغ بیل مراد آباد کے اسی بزرگ نے ڈالی ہے جو مدرسہ ولی اللہی کا فیض یافتہ اور جید عالم، محدث، فقیہ اور مورخ و ادیب تھا، اس سے پہلے کا کوئی سفرنامۂ حج و زیارت کسی ہندوستانی کا اس تفصیل کے ساتھ اب تک میری نظر سے نہیں گزرا۔

میرے پیش نظر نسخے پر اس سفرنامہ کا نام سوانح الحرمین ہے، رامپور کے نسخے پر آداب الحرمین لکھا ہوا ہے اور نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اس کا نام حالات الحرمین لکھا ہے۔

اب میں براہ راست صاحب سفرؒ کی زبان سے انؒ کے حالات سفر سنوا دیتا ہوں مگر اس سے پہلے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ انؒ کے مختصر سوانح حیات لکھ دوں۔ جو کچھ حالات مل سکے ہیں وہ یہ ہیں۔

مختصر سوانح حیات

شیخ رفیع الدین فاروقی ابن فرید الدین بن نواب عظمت اللہ خاں مراد آبادی سنہ ۱۱۶۳ھ میں مراد آباد کے اندر پیدا ہوئے۔ اپنے شہر کے علماء سے ابتدائی تعلیم حاصل کر کے دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی خدمت میں پہنچے اور مدتوں ان سے فیض حاصل کیا پھر مراد آباد آئے اور مدت تک یہاں درس دیا اور مجلس افادہ کو گرم رکھا، پھر حرمین شریفین کا سفر سنہ ۱۲۰۱ھ میں کیا اور دو سال دو ماہ دو ہفتے کے بعد سنہ ۱۲۰۳ھ میں مراد آباد واپس آئے۔ شاہ غلام غوث قادری لاہوریؒ سے بیعت تھے۔

سفر حج کے سلسلے میں جب سورت پہنچے تو وہاں مولانا خیر الدین محدث سورتیؒ سے بھی سند حدیث حاصل کی، حرمین شریفین میں بھی وہاں کے محدثین، اکابر علماء سے مستفیض ہوئے۔ ۱۵ ذی الحجہ سنہ ۱۲۲۳ھ کو بمرض استسقاء ۶۰ سال کی عمر میں انتقال کیا، قبر مراد آباد میں ہے۔ علاوہ سفرنامۂ حرمین آپ کی تصنیفات و تالیفات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) قصر الآمال بذکر الحال والمآل (۲) سلوۃ الکئیب بذکر الحبیب (سیرت نبویؐ) (۳) شرح الاربعین (۴) کنز الحساب (۵) تذکرۃ المشائخ (۶) تذکرۃ الملوک

(۷) تاریخ الافاغنہ (۸) کتاب الاذکار (۹) ترجمہ معین العلم (۱۰) شرح غنیۃ الطالبین (۱۱) افادات عزیزیہ (جس کو اسولہ داجوبہ بھی کہا جاتا ہے حاجی صاحب مرادآبادیؒ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے علوم تفسیر و حدیث کے متعلق اہم استفسارات کرتے رہتے تھے ان استفسارات کے جوابات کا مجموعہ یہ کتاب ہے ـــ دارالعلوم ندوہ کے کتب خانے میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے) ـــ

[ماخوذ از نزہۃ الخواطر جلد ۷، انوارالعارفین، اتحاف النبلاء]

سوانح الحرمین ـ نواب رفیع الدین خاں صاحب

پیش لفظ

بعد حمد و صلوٰۃ ـــــــ محرر سطور رفیع الدین کہتا ہے کہ مجھ کو عنفوانِ سن شعور سے تمنائے زیارت حرمین تھی اور شوقِ دیدار غالب تھا۔ بشارات واشارات، حصولِ مطلب کے سلسلے میں پاتا تھا لیکن کچھ موانع درپیش تھے اور علائق سدِ راہ ـــ اس بنا پر یہ آرزو دل کی دل ہی میں رہتی تھی ـــــ ایک مدت کے بعد حبیب خدائے بے نیاز کا ارادہ متوجہ ہوا تو رفتہ رفتہ موانع، برطرف اور علائق، منقطع ہوتے چلے گئے اور اس دارِ فانی سے وابستگی کے اسباب برہم اور "موجبات افسردگی و دل سردی" فراہم ہو گئے ـــ دیدۂ بصیرت کو خوابِ غفلت سے بیداری حاصل ہوئی اور مستلذات فانیہ کی جانب سے توجہ ہٹ گئی ـــ اب اپنے حال پر غور کیا تو محسوس ہوا کہ عمرِ عزیز، طلبِ آمال و امانیٔ دنیا میں ضائع ہو چکی ہے، بارِ گناہ کے پہاڑ گردن پر آ پڑے ہیں اور آفتابِ عمر، لبِ بام آ گیا ہے۔

رباعی

یک نیمۂ عمر در مطالب بگذشت ـــ یک نیمہ بہ تشویر و خجالت بگذشت
عمریکہ از و سے جہانے آزرد ـــ بنگر بچہ حیلہ و چہ حالت بگذشت

نہ تمتعت ز دنیا نہ ز دیں نصیب، مظہر ـــ بفنونِ بے کمالی چہ قدر کمال داری

(مرزا مظہر جانجاناںؒ)

بعد شدتِ حسرت و حیرت اور بعد ندامت و پشیمانی اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا

کہ دل کو آمادہ کیا جائے کہ بروز الٰہ کے وادی غربت میں قدم رکھا جائے اور شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین سیدابرار محمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ کی طرف توجہ کی جائے اور اپنے درد کی دوا اُن کے دارالشفائے رحمت کاملہ و شفاعت شاملہ سے چاہی جائے ــــــ اس قصد کے بعد "ہواجسِ نفسانی" اور "تسویلاتِ شیطانی" مزاحمت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور سفر کی مشکلات کو سامنے لاکھڑا کیا ــــ لیکن اللہ کی اعانت و نصرت سے یہ بات پیدا ہوگئی کہ جب دل میں زادِ راہ کا خطرہ آتا تھا تو کہتا تھا کہ جو شخص خانۂ ارحم الراحمین اور روضۂ جناب رحمۃ للعالمین کی جانب متوجہ ہو اس کو اسبابِ ظاہر پر نظر رکھنا اور مسبب الاسباب سے غافل رہنا، انتہائی کوتاہ نظری ہے۔

ع فانّ الزاد اقبح کلّ شئی اذکان الوفود علی الکریم

(جب آدمی ایک کریم کے دربار میں حاضر ہو رہا ہو، تو زادِ راہ کی فکر سے بُری کوئی چیز نہیں)

جب نظر، ضعفِ بدن پر پڑتی تھی تو کہتا تھا کہ کچھ غم نہیں ہے ۔ (اور یہ آیت یاد آتی تھی)

ــــ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ــــ الآیۃ

(جو شخص اپنے گھر سے اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرکے نکلا، اس کا اجر اللہ کے ذمہ واجب ہوگیا۔)

ع چو حکمِ ضرورت بود کار بر وے
بریزند بارے بر اں خاک کوئے

جب سفر کے رنج و مصائب کا ہراس ہوتا تھا تو دل میں خود کو مخاطب کرکے کہتا تھا، یاد کر! تو نے سعیِ باطل میں عمر بھر کس قدر خونِ جگر پیا ہے اور کس قدر رنج جھیلے ہیں، اور آخر کار پیشانی حاصل کی اور شربتِ ناکامی نوش کیا ہے ــــ شاید اسی مقدس سفر کے رنج و مصائب سے ان گناہوں کا کفارہ ہو جائے ــــ حدیث شریف میں آیا ہے۔ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ ــــ (جنت کی راہ میں ناگواریاں ہیں اور دوزخ کے آگے سبز باغ)

در بیاباں گر بہ طوفِ کعبہ خواہی زد قدم
سرزنشہا گر کند خارِ مغیلاں غم مخور

جب مہلت طلبی اس بات کی طالب ہوتی تھی کہ ابھی کچھ اور توقف کرو پھر چلے جانا تو میں جواب میں کہتا تھا۔

صد ہزاراں وعدے دریں سودا مرا امروز شد
نیست صبرم بعد ازیں کار وزرا فردا کنم

خواہم از سودائے پابوسش نہم سر در جہاں یا بپائش سر نہم یا سر دریں سودا کنم

آرزوئے جنت الماوی بدر کردم ز سر
جنتم ایں بس کہ بر خاکِ درش ماوی کنم

للہ الحمد کہ کریم کارساز نے دستگیری فرمائی اور قیدِ ایں و آں سے رہا کر کے نفس و شیطان کے ہاتھ میں سے نکالا اور اپنے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اب داعیۂ شوق باعث ہے اس امر کا کہ جو کچھ سوانح سفر اور منازل و مراحلِ بحر و بر کا مشاہدہ و معائنہ کروں اور جن مواضع متبرکہ اور اماکن مشرفہ کی زیارت کروں اور جن علماء اور صلحاء عصر کی ملاقات سے فائز ہوں یہ سب کوائف و حالات نیز دیگر عجائب حکایات اور نوادر روایات اور فوائد متفرقہ کہ کسی معتبر و ثقہ سے سُنے یا کسی کتاب میں دیکھے ہوں ان کو قیدِ کتابت میں لے آؤں ——— غرض اس تحریر سے یہ ہے کہ اس فقیر بے نام و نشان کی یہ ایک نشانی برائے یاراں و عزیزاں باقی رہ جائے اور ان دونوں عظیم الشان آستانوں کے شوق کی محرک ہو ——— زادھما اللہ شرفاً و تعظیما ——— اور اگر بمقتضائے بخت ناساز اس فقیر کو ان مواطنِ نور و سرور (حرمین) سے دوری پیش آجائے تو ان اوراق کے مطالعہ سے ان حالات کو یاد کر کے فراقِ حرمین میں آہ و زاری کر لیا کرے۔

حضرت واہب جل جلالہ سے التجا یہ ہے کہ وہ آخر عمر تک مجاورتِ حرم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا موقع عنایت فرمائے اور اگر اس کے علم قدیم میں اس بار وطن کی طرف رجوع کرنا مقدر ہو تو پھر دوبارہ توفیقِ معاودت و مجاورتِ مدینہ طیبہ نصیب فرمائے ——— واللہ علی کلِّ شئیٍ قدیر ——— وصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ وسلم تسلیماً کثیراً ———

آغازِ سفر و منازل سفرِ خشکی

بقصدِ سفرِ حرمین شریفین۔ اپنے وطنِ مالوف، بلدۂ مرادآباد ـــ عمرۃُ اللہ وحما ساکنیھا عن الآفات والفساد ـــ سے صبح شنبہ ۱۰ محرم ۱۲۰۱ھ[1] کو زادِ توکل، راحلۂ عزیمت اور بدرقۂ توفیق کے ساتھ نکلا اور سنبھل پہونچا۔ یہاں سے سات منزلیں طے کرکے بندرابن کے متصل لشکر پٹیل سیندھیہ میں اترا۔ صبح کو اس جگہ سے کوچ کرکے دو منزل پر ۲۰ محرم کو ڈیگ[2] پہونچا اور عماراتِ سورجمل جاٹ کو جو نمونۂ ارم عاد ہیں دیکھا۔ سورجمل کے عہد حکومت میں بھی جب کہ یہ شہر بہت آباد تھا اور یہ عمارتیں تعمیر ہو رہی ہیں میں نے اس شہر کو دیکھا تھا۔ اس وقت ویرانیٔ شہر اور خرابیٔ عمارت اولوالابصار کے لئے محل عبرت ہے۔ وَكَمْ[3] أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ (الی) وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ (سورۂ قصص)

پردہ داری می کند بر طاقِ کسریٰ عنکبوت
چغد نوبت می زند بر قلعۂ افراسیاب

مکن طولِ امل اندر عمارت عرض من بشنو
بنا را قصر می گویند باید مختصر باشد

میں نے اس مقام کو تین مرتبہ تین مختلف حالتوں میں دیکھا ہے، پہلی مرتبہ اب سے تیس سال

---

[1] سفرِ ناخیر ۱۲۰۱ھ یہ عبارت عربی تاریخ آغاز سفر کا پتہ دے رہی ہے جس کو خود حاجی رفیع الدین مرادآبادیؒ نے اپنے سفرنامے میں اسی موقع پر درج کیا ہے۔ [2] ڈیگ بھرت پور سے آٹھ کوس پر واقع ہے۔ اس کے چاروں طرف پختہ شہر پناہ قلعہ کی شکل کی بنی ہوئی ہے۔ اس میں کئی بھون ہیں جن میں ایک کیشو بھون ہے جس میں ۲۵۰ فوارے لگے ہوئے ہیں۔ یہ مکانات سنگِ مرمر، سنگِ سرخ، سنگِ موسیٰ اور سنگِ زرد سے بنے ہوئے ہیں۔ (جغرافیہ راجپوتانہ) [3] ہم نے کتنی ہی بستیوں کے ایسے باشندوں کو ہلاک کر دیا جو اپنی گذران میں حد سے گزر گئے تھے۔ اُن کے یہ مکان ہیں جو خالی پڑے ہیں۔ ان کے بعد یہاں کوئی نہیں رہا مگر تھوڑے اور ہم ہی ان کی میراث و ترکہ کو قبضے میں لانے والے۔

پہلے، دوسری مرتبہ عہد بخت خاں میں تیسری مرتبہ اس سال ــــ

جمعہ کے دن ۲ صفر ۱۲۱۱ھ کو ٹونک سے چل کر بہوساور کے راستے سے چھ منزل کے بعد نئے شہر[1] میں پہونچا۔ اس شہر کو راجہ مادھو سنگھ کچھواہہ نے بنایا ہے۔ یہ نیا شہر ایسے مقام پر ہے کہ اس کے ہر چہار طرف دشوار گزار پہاڑ محیط ہیں اور بجز چند متعین راستوں کے کہ محکم و مضبوط دروازے ان پر بنائے گئے ہیں کوئی اور راستہ نہیں رکھتا۔ ــــ چشمہائے آب، پہاڑوں سے نکل کر شہر میں جاری ہیں۔ اس شہر سے دو تین میل کے فاصلے پر قلعہ رنتھمبور ہے جو کہ ہندوستان کے مشہور اور مضبوط قلعوں میں سے ہے۔

۱۰؍ صفر کو دریائے چنبل کو عبور کر کے چار منزل کے بعد ۱۳؍ صفر کو کوٹہ پہونچے جو کہ ریاست ہاڑوتی کا صدر مقام ہے۔ اس ریاست کے راجہ راجپوتانِ ہاڑہ میں سے ہیں ــــ یہ سرزمین مضافاتِ صوبہ اجمیر سے ہے اور یہ شہر دریائے چنبل کے کنارے ایک پہاڑ پر واقع ہے۔ یہ پہاڑ تمام کا تمام مثلِ زمین مسطح و ہموار ہے، نشیب و فراز کچھ نہیں رکھتا، المختصر خوبیٔ فضا میں کوٹہ اس نواح کے اندر بے نظیر ہے ــــ یہاں حکام، غیر مسلم ہیں اور سلطنتِ اسلام یہاں ضعیف ہے۔ جو مسلمانِ قدیم سے ان شہروں میں ساکن ہیں وہ بجز نام کے اسلام کا کوئی نشان نہیں رکھتے۔ ایک معتبر شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ یہاں ایک بت خانہ ہے، ایک معین دن مردمِ شہر اس بت خانے میں پرستش کے لئے جاتے ہیں اور بتوں سے طلبِ حاجت کرتے ہیں۔ ایک دن قاضیٔ شہر بھی وہاں برائے پرستش گیا تھا ــــ پناہ بخدا!

دریائے چنبل پہاڑ کو کاٹ کر زیرِ شہر بہتا ہے اور دوسرے چشمے بھی ہر طرف جاری ہیں۔ یہاں سے ایک میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے جو اَدَھر سلا کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں پہاڑ کا ایک ٹکڑا ہے جو لمبائی میں کم و بیش تیس چالیس گز اور موٹائی میں نو دس گز ہے ــــ یہ پہاڑ کا ٹکڑا دریا کی طرف کو مثلِ سائبان معلق ہے اور اس کا وسط پہاڑ کے ایک اور ٹکڑے سے جو کہ دریا کے کنارے ہے، پیوستہ ہے۔

---

[1] اس نئے شہر سے مراد بوندی ہے۔ شہر بوندی کا ایک حصہ پرانا اور ایک نیا کہلاتا ہے۔ نئی بوندی شہر پناہ کے اندر ہے۔ (جغرافیہ راجپوتانہ)

مراد آباد سے کوٹہ تک ۳۴۲ کوس اور انیس منزلیں طے ہوئیں۔ راہ آگرہ کے مقابلے میں یہ راستہ دو دن کی راہ کے بقدر کم تھا ـــــ ۱۰ صفر کو بروز شنبہ کوٹہ سے کوچ ہوا۔ ـــــ دو منزل پر مکندرا[1] جو عجیب کوہستانی سلسلہ ہے ـ نظر آیا ـ سلسلۂ مکندرہ کوٹہ سے دو روزہ[2] راہ کے فاصلے پر ہے۔

آگے کو نو منزلیں طے کر کے ۲۵ صفر کو اُجین پہونچے ـ اُجین ایک قدیم شہر ہے، صوبہ مالوہ کا صدر مقام اور راجہ بکرماجیت کا تخت گاہ ہے۔ اس راجہ کی جود و سخاوت اور شجاعت کی حکایات ہندوستان میں مشہور ہیں اور بکرمی تاریخ جو کہ معمولِ اہلِ ہند ہے اس راجہ کے عہد سے ہے اور اب اس کو ۱۸۴۳ سال شمسی گذر چکے ہیں ـــــ اس زمانے میں یہ شہر زیرِ تصرف رؤسائے مرہٹہ ہے۔ شہر اجین بہت زیادہ آباد ہے۔ عمارات شہر سہ منزل، چہار منزل بلکہ اس سے بھی زیادہ منزل کی ہیں ـــــ قبر مولانا مغیث الدینؒ، جو کہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء دہلویؒ کے مرید تھے، اس شہر میں کنارِ دریا پہ واقع ہے، وہ ایک مصفا اور دلکش مقام ہے۔ یُزَارُ وَ یُتَبَرَّکُ ـــــ

تین روز اُجین میں قیام کیا اور ربیع الاوّل کی چاند رات کو جمعہ کے دن اِندور پہونچنا ہوا جو کہ اجین سے دو منزل پہ ہے اور سولہ کوس کا فاصلہ رکھتا ہے۔

اندور اندور بہت بڑی آبادی ہے اور بڑی منڈی ہے۔ بندرگاہ سورت و دیگر بندرگاہوں کا مال یہاں لایا جاتا ہے اور یہاں سے دیگر بلادِ ہندوستان کو لے جاتے ہیں۔ ہندوستان کی اشیا یہیں سے بندرگاہوں کو جاتی ہیں ـــــ شہر برہان پور، کہ قافلے اس راستے سے جاتے ہیں ـ اندور سے سات روز کے راستے پر ہے۔ اور سورت، برہان پور سے پندرہ دن کی راہ ہے ـــــ اور جس راہ سے تاجر آتے جاتے ہیں اس راہ سے شہر بھڑوچ ـ جو کہ گجرات کے عمدہ بندرگاہوں میں سے ہے اور جس کے نیچے سے دریائے نربدا بہتا

---

[1] سلسلہ کوہ مکندرا جو ہاڑوتی اجنبٹی اور مالوہ کے درمیان واقع ہے اور اوسط درجے کی بلندی سے کچھ اونچا ہے گوشۂ جنوب مشرق سے گوشۂ شمال مغرب کی طرف چلا گیا ہے۔ (جغرافیہ راجپوتانہ)

ہو اسمندر میں گرجاتا ہے ــــــ ایک سو بیس کوس ہے ـ اور بہروچ سے سورت پچیس کوس ہے ـ لیکن بجز تجار کے کہ یہاں کے زمینداروں سے میل ملاقات رکھتے ہیں ـــ دوسروں کی آمد و رفت اس راہ سے بغیر رفاقت تجار مشکل ہے ـ اگرچہ بسبب کوہستان کی دشوار گزار گھاٹیوں کے اس راستے میں بہت تاخیر ہوتی ہے لیکن بآرام و امن تمام طے ہوجاتا ہے ـ یہ راستہ اپنی نصف مسافت تک حد صوبہ مالوہ ہے اور اسکے بعد صوبہ گجرات ہے ــــــ ان ترجیحات کی بنا پر جو اندور کے لوگوں نے بیان کیں یہ راہ اختیار کی گئی ـ

اندور سے دوشنبہ کے دن ۳ ربیع الاول کو بسمت بہروچ روانہ ہوئے ـ سات منزل طے کر کے تیس کوس پر راج گڈھ میں اترے ــــــ مانڈو، جو کہ عرصہ تک تخت گاہ سلاطین غوریہ رہ چکا ہے اور جن کے حالات، تاریخ فرشتہ میں مرقوم ہیں ــــــ یہاں سے چار کوس رہ گیا ہے ـ شہر مانڈو ویران ہے، تھوڑی سی آبادی ہے اور وہ بھی شہر سے باہر ـ کہتے ہیں کہ وہاں سلاطین مذکورہ کی عمارات عظیمہ کے آثار اب بھی محل عبرت بینندگان ہیں ـ

آں قصر کہ با چرخ ہمی زد پہلو　　بر در گہ او شہاں نہادندے رو

دیدیم کہ بر کنگرہ اش فاختہ　　بنشستہ ہمی گفت کہ کو کو کو کو

دریائے چنبل کوہستان مانڈو سے نکلا ہے ـ مانڈو سے چند کوس کے فاصلے پر دھار ہے جو مشہور شہر ہے ــــــ راج گڈھ میں دو دن قیام رہا ـ ۱۶ ربیع الاول کو کوچ ہوا ـ پچاس کوس تک ویرانہ سامنے آیا، دشوار گزار کوہستان، اور جنگل ہی جنگل ہے ـ اسی قسم کے علاقے کے متعلق کسی شاعر نے کہا ہے :-

ـــہ　تیہے بغایت پُر خطر خالی ز راہ و راہ بر
لے در دے از جنے اثنے درشے از انسے نشاں

مگر بعض جگہ بانس کے چند گھر نظر آئے ــــــ یہاں کے باشندے اگرچہ صورتاً آدمی ہیں لیکن سیرت حیوان رکھتے ہیں ـــ اُن کی زبان سمجھی نہیں جاتی ــــــ ان پہاڑوں میں چند جگہ، لوہے، ابرق اور مردار سنگ وغیرہ کی کان دیکھی گئی ـ

شنبہ ۲۰ ربیع الثانی ـــ دبوی (؟)، جو بہروچ سے تیس کوس کے فاصلے پر ایک قصبہ ہے،

پہونچے ـــــــ ۱۰ ربیع الثانی کو وہاں سے کوچ کرکے ۱۱ ربیع الثانی کو بھروچ آگئے ـــــــ ۱۲ ربیع الثانی کو نربدا پار کرکے انکلیسر میں رہے یہاں پر شیخ حلیم کا مزار ہے، وہاں حاضر ہوئے شیخ حلیمؒ، معاصر جہانگیر تھے۔ ان بزرگ کے خوارق، یہاں کے باشندوں کی زبان پر تواتر کے ساتھ ہیں ـــ انکلیسر سے چل کر ۱۴ اور ۱۵ کی درمیانی شب میں دریائے تاپتی کو عبور کرکے سورت کے بیرونی حصے میں رات گزاری ـــــــ ۱۵ ربیع الثانی کو اندرون شہر میں مدرسہ خواجہ دیوانہ علیہ الرحمہ کے اندر اُترنے کا اتفاق ہوا۔

خواجہ دیوانہ رحمۃ اللہ علیہ خواجہ دیوانہؒ دو واسطوں سے خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ کے خلیفہ ہیں۔ وہ توران سے اس دیار میں آئے ہیں اور اُن کے فیض ظاہر و باطن سے ایک عالم مستفیض ہوا ہے، انھوں نے ۱۰۲۶ھ میں وفات پائی ہے اور اب تک انوارِ ولایت اُن کے مزار، اُن کی مسجد اور مدرسے سے ظاہر ہیں ـــ قاصدانِ حرمین شریفین کا ورودگاہ اکثر و بیشتر یہی جگہ ہے۔

شہر سورت شہر سورت پیش از زمان خواجہ دیوانہؒ ایک ویرانہ گاؤں تھا خواجہ مذکور نے ولایت سے آکر یہاں سکونت اختیار کی اور آبادی شروع ہوگئی اور رفتہ رفتہ موجودہ ترقی کو پہونچ گیا ـــــــ اس سے پہلے شہر نادیر (غالباً راندیر) بندرگاہ تھا، جو کہ سورت کے سامنے تاپتی کے اس طرف ایک قدیم شہر ہے۔ نادیر (راندیر) کے مقابر میں ایک تابعی کی قبر بھی ہے، لیکن اس قبر کی جگہ متعین نہیں ہے۔ دیگر بزرگوں کے مزارات بہت سے ہیں ـــ اُس کی مسجد اب سے نو سو سال پہلے تعمیر ہوئی ہے ـــ لیکن اب نادیر (پہلے کے مقابلے میں) ویران ہو گیا ہے، تھوڑی آبادی رکھتا ہے، البتہ سورت میں بہت رونق ہے اور وہ آبادی سے معمور ہے، تمام ملک ہندوستان، چین، فرنگ، عربستان اور ایران کے اَمتعہ و نفائس اور اُن کے علاوہ جو اشیاء درکار ہوں یہاں حاصل ہوجاتی ہیں عزتِ اسلام اور رونقِ مساجد جو سورت میں دیکھی گئی وہ اس زمانے میں شاید تمام ہندوستان میں نہ ہوگی ـــــــ غالباً یہ برکات، مجاورت دہسائگی حرمین شریفین کی بنا پر ہیں اور اسی بنا پر سورت کو باب مکہ کہتے ہیں۔

مولانا خیر الدین محدث سورتی رح [لہ]

سورت میں پہونچنے کے دن مجمع کمالات ظاہر و باطن مولوی خیر الدین صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ وابقاہٗ کی خدمت میں پہونچا اور ان کے حلقۂ درس حدیث میں حدیث پڑھی ـــــ اُن کی ذات بڑی متبرک اور مغتنمات روزگار ہے ـــــ اس زمانہ کے لوگوں کے لئے اُن کا وجود باعث افتخار ہے ـــ انھوں نے دُو بار سفر حرمین کیا ہے۔ تقریباً پچاس سال سے درس حدیث وافادہ طالبانِ راہ حق میں مشغول ہیں بہت سوں نے ان کی خدمت میں علوم ظاہر و باطن حاصل کئے ہیں ـــ زائرین حرمین شریفین کے لئے اُن کی ذات عالی ملجا و ملاذ ہے ـــــ اللہ تعالےٰ نے اُن کو اس قدر عزت عنایت فرمائی ہے کہ شریف مکہ اور تمام حکام دکن، تعظیم و توقیر کے ساتھ ان کو مکاتیب لکھتے ہیں اور ان کے مراسلات کو احترام تمام کے ساتھ وصول کرتے ہیں اسکے باوجود ان پر تواضع و انکسار اس قدر غالب ہے کہ بارہا دیکھا گیا ہے کہ مہمانوں اور فقراء کے لئے کھانا خود لاتے ہیں اور ان کے سامنے لاکر اپنے ہاتھوں سے رکھتے ہیں ـ محتاجوں کی حاجت روائی کے لئے سعی بلیغ فرماتے ہیں۔ اور بہ نفس نفیس پیادہ یا سواری سے اس شخص کے مکان تک تشریف لے جاتے ہیں جس کے ذریعے سے کسی کی حاجت کو پورا کرنا ہوتا ہے اور حتی الامکان صاحب حاجت کی مہم کو انجام دیتے ہیں۔ اقامت سورت کے زمانے میں مَیں نے چند پارے صحیح بخاری کے اور صحاح کی ہر کتاب کا کچھ کچھ حصہ جلدی جلدی ان سے پڑھکر اجازت حاصل کی۔ چونکہ موسم کشتی قریب آگیا تھا اس لئے اس سے زیادہ پڑھنا میسر نہ آیا۔

کشتی پر سوار ہونے کے ایام میں فقیر کو ان سے کچھ عرض معروض کرنا تھا ـ بعد نماز ظہر خدمت اقدس میں آیا عشاء تک مجلس کا سلسلہ رہا فقیر کی طرف متوجہ رہے اور بات چیت فرماتے رہے، لیکن

لہ مولانا خیر الدین محدث بن محمد زاہد بن حسن محمد زبیری۔ زبیر بن عبد المطلب، عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں تھے۔ سورت میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو و نما پائی ـ مولانا عبد الغفورؒ اور شیخ محمد بن عبد الرزاق حسینی اُچیؒ سے علم حاصل کیا اور طریقۂ نقشبندیہ، شیخ نور اللہؒ سے پھر شیخ نصر اللہؒ سے حاصل کیا۔ حرمین شریفین کو حج و زیارت کے لئے گئے اور شیخ محمد حیات سندھیؒ سے علم حدیث حاصل کرکے پھر سورت کو لوٹ آئے اور پچاس سال سورت میں درس حدیث دیا شواہد التجدید، ارشاد الطالبین اور رسائل سلوک ان کے مصنفات ہیں۔ ۱۰ رجب ۱۲۰۶ھ کو وفات پائی اور سورت ہی میں دفن ہوئے ـــ (نزہۃ الخواطر جلد ۲)

ے اس دن اپنے مافی الضمیر کا اظہار نہ ہو سکا۔ جب مجلس سے اٹھا تو یہ شعر آپ نے پڑھا۔

ے آسمان سجدہ کند بہرِ زمینے کہ درو

یک دو کس یک دو نفس بہرِ خدا بنشیند

اس شعر نے ایک عجیب تاثیر دل میں پیدا کی۔ صبح کو پھر خدمت عالی میں گیا اور جو کچھ عرض کرنا تھا میں نے عرض کیا اور جو کچھ انھیں فرمانا تھا انھوں نے ارشاد فرمایا — جو کچھ بتایا کی اجازت بھی عطا فرمائی اور کلاہِ مبارک اپنے سر سے اُتار کر فقیر کے سر پر رکھی اس وقت یہ مولوی صاحب کی زبان سے سُنے :۔

نسبتِ پاکاں طلب کن در پئے ایشاں مرو غرقِ دریا میشود فرعون، موسیٰ پیشوا است

بحرفِ صوت میسر نگردد آزادی بہ بین اسیرِ قفس طوطیانِ گویا را

ایک عجیب انکشاف جن دنوں فقیر وارد امین تھا، ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ آپ حج کو جا رہے ہیں مدینہ منورہ بھی جانا اور اسکی زیارت کی سعادت بھی حاصل کرنا، اس قول سے مجھے سخت تعجب ہوا اور اپنے دل میں کہا کہ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اس قدر سفر کرے اور بغیر حصول زیارت مدینہ منورہ گھر کو لوٹ آئے — اُس دوست نے کہا کہ اس شہر میں بہت سے اشخاص ایسے ہیں جنھوں نے حج تو کیا ہے لیکن بغیر مدینہ منورہ حاضر ہوئے گھر کو واپس ہو گئے ہیں — میں نے ایک دن تعجب کے ساتھ اس بات کو مولوی صاحب سے ذکر کیا تو انھوں نے اس قسم کا ایک واقعہ سنایا — اور ساتھ ہی ساتھ فرمایا کہ خود مکہ میں ایسے لوگ ساکن ہیں کہ وہ معمر ہو گئے ہیں اور حج اسلام کبھی نہیں کیا ہے — ان کو امور معاش میں اس قدر مشغولیت ہے کہ ایام حج میں، ادائے مناسک حج کی فرصت ہی نہیں پاتے ہیں —

وما التوفیق إلا من عند الله العزیز الحکیم —

ذاتی تجربہ اور بعد وصول مکہ معظمہ میں نے خود دیکھا کہ ایک ہندوستانی فقیر جو میری کشتی میں سوار تھا، مکہ میں آیا، حج میں ابھی ڈیڑھ ماہ باقی تھا وہ فقیر دو روز مکہ معظمہ میں رہا اور

بے صبری کرکے جدے کو لوٹ گیا ہر چند اس کو ملامت کی گئی لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا ــــ اُس نے کہا کہ مکہ میں نے دیکھ ہی لیا اور طواف بھی کر لیا اب میرو یہاں کیا کام رہ گیا؟ انھیں دنوں کشتیاں سورت کی طرف روانہ ہو رہی تھیں وہ ایک کشتی میں بیٹھ کر چلتا بنا۔

مولانا خیرالدین محدث سورتیؒ کے صاحبزادے

محدث سورتی کے دو صاحبزادے ہیں بڑے صاحبزادے مولوی محمد صالح ہیں جن کا عرف قاضی میاں ہے، یہ "مجمع محاسنِ اخلاص و مکارمِ شیم" اور اپنے باپ کے خلف الصدق ہیں۔ علوم و فنون کی تحصیل کی ہے اور کتب علوم دینیہ پر عبور حاصل کیا ہے۔ اس سال کہ فقیر وارد سورت ہوا ہے انھوں نے ایک کشتی بنائی ہے جس کا نام سفینۃ الرسول ہے۔ وہ اسی میں سوار ہو کر سفر حج کے لئے روانہ ہوئے ــــ مولوی صاحب کی فرطِ شفقت و محبت اور خود صاحبزادے کی محبت و الفت باعث اس امر کا ہوا کہ آتے جاتے اسی سفینۃ الرسول پر سوار ہوا اور اول سے آخر تک اُن کے ساتھ ساتھ رہا صاحبزادے کے اخلاص کا مظاہرہ ہر روز زیادہ ہی ہوتا رہا۔

دوسرے صاحبزادے کا نام نظام الدین ہے۔ یہ ابھی تحصیلِ علوم کر رہے ہیں اور صفات حمیدہ میں اپنے بڑے بھائی کے مشابہ ہیں۔

محدث سورتیؒ کی تصنیفات

مولوی صاحب کے چند رسالے آدابِ طریقت، تربیت سالکان اور اذکار و اشغال میں ہیں۔

مولانا غلام محمد اور مولانا ولی اللہ سورتیؒ

مولوی ولی اللہ در اصل احمد آباد گجرات کے رہنے والے ہیں ــــ ان کے والد مولانا مولوی غلام محمدؒ تمام علوم میں ایک متبحر عالم اور مولانا نظام الدین لکھنوی (فرنگی محلی) کے شاگرد تھے ــــ مولانا غلام محمد نے عارف باللہ شیخ عبدالرزاق بانسوی قدس سرہٗ سے استفادۂ علم باطن کیا تھا۔ فن قرأت میں یگانۂ عصر تھے۔ انھوں نے مرادآباد میں چند روز اقامت کی ہے بالآخر برہان پور میں آکر قیام پذیر ہو گئے تھے۔ آخر ایام زندگی تک اُن کے علوم ظاہر و باطن کے فیض سے خلق کثیر مستفیض ہوئی۔ اس کمالِ ظاہر و باطن اور رجوع خلق کے باوجود اپنا شغلۂ قدیم جو کہ باندگی (کپڑا بننا) تھا ترک

نہیں کیا، اور اپنی اور اپنے اہل وعیال کی گذر اوقات اسی پیشے سے کرتے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔
مولوی ولی اللہ بعد تکمیل تحصیل علم اپنے والد ماجد کے ساتھ دو مرتبہ سفر حرمین میں گئے اور مدینہ منورہ میں شیخ ابو الحسن سے حدیث کی سند لی اور سورت میں آکر پائے ہمت کو دامن قناعت میں لپیٹ کر یہیں کی سکونت اختیار کر لی، افادۂ طلبا علم میں مشغول رہتے ہیں اور استقامت و توکل کے ساتھ موصوف ہیں۔[1]

ایک عجیب واقعہ مولوی ولی اللہ سے میں نے یہ واقعہ سنا کہ پٹن گجرات میں ایک شخص تھا محمد راسخ نام۔ وہ صالح اور کامل انسان تھا۔ صنعت پارچہ بافی اس کا پیشہ تھا اور اسی سے اپنی گذر اوقات کرتا تھا اس شخص کی عادت تھی کہ جب آوازِ اذان کان میں آتی تو فوراً کام چھوڑ دیتا تھا اور مسجد کی طرف چلا جاتا تھا، ایک دن ایسا ہوا کہ وہ اپنے کام میں مشغول تھا اور صرف ایک تار نلی میں باقی رہ گیا تھا کہ آوازِ اذان کان میں آئی۔ اس نے سوچا کہ ایک تار کو معطل نہ چھوڑوں چنانچہ اس کو نمٹا کر پھر کھڑا ہوا جب مسجد میں آیا اور وضو کے لئے پانی حاصل کرنے کے لئے کنوئیں میں ڈول ڈالا تو ڈول بجائے پانی کے زر سرخ سے بھرا ہوا نکلا۔ اس نے سمجھا کہ یہ میرے اوپر عتاب ہوا ہے یعنی میں نے طلب دنیا میں نماز کی طرف جھپٹنے میں تاخیر کر دی اس لئے مجھے دنیا دی جا رہی ہے۔ فوراً استغفار کیا اور درگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے اللہ مجھے یہی باقندگی بہت ہے میں اور کچھ نہیں چاہتا آئندہ نماز میں تاخیر نہ کروں گا اسکے بعد ڈول کنوئیں میں ڈالا تو حسب معمول پانی سے بھرا ہوا برآمد ہوا۔

شیخ علی متقیؒ کی احتیاط (مولانا) مولوی ولی اللہ نے یہ بھی سنایا کہ شیخ علی متقیؒ باب لقمہ میں احتیاط بلیغ کرتے تھے اور اپنی کمائی کا نانِ خشک کھاتے تھے۔ اتفاقاً ان کا گذر گجرات میں ہوا اور شیخ وجیہ الدین گجراتی سے جو کہ خود متقی علماء میں سے تھے۔ ملاقات کے لئے گئے۔ شیخ وجیہ الدین اس وقت کھچڑی تناول فرما رہے تھے۔ انھوں نے شیخ علی متقی کو کھانے پر بلایا، شیخ علی متقی سے ایک قسم کا انکار ظاہر ہوا اس پر شیخ وجیہ الدین نے

---

[1] مولانا ولی اللہ سورتیؒ نے ۸ جمادی الاولیٰ ۱۱۳۸ھ میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۶)

فرمایا کہ "وجیہ الدین کی کھچڑی تمھاری خشک روٹی سے (کسی طرح) کم نہیں ہوگی"۔ یہ سُن کر شیخ علی متقیؒ نے کھچڑی کھانی شروع کر دی اور اس کھانے کی برکت سے اپنے باطن میں پہلے سے زیادہ نورانیت پائی — جب ایک مقدار کھا چکے تو شیخ وجیہ الدین نے ازراہِ خوش مزاجی فرمایا" جناب بس کیجئے اسی قدر کھچڑی کھانا کافی ہے"۔

شیخ محمد طاہرؒ کی خدمت میں اکبر بادشاہ کی ایک حاضری (مولانا) مولوی ولی اللہ نے ایک واقعہ یہ بھی سُنایا کہ جب اکبر بادشاہ نے گجرات کو فتح کیا اور پٹن میں شیخ محمد طاہرؒ سے — جو کہ علوم ظاہر و باطن میں اکابر عہد سے تھے اور شیخ علی متقیؒ سے مرید تھے اور مجمع البحار وغیرہ کتابوں کے مصنف تھے — ملاقات کے لئے آیا اور ان سے کہا کہ کوئی خدمت ہو تو فرمائیے شیخ محمد طاہرؒ نے فرمایا کہ میری آرزو صرف یہ ہے کہ اگر میری اولاد میں سے کوئی تمھارے پاس یا تمھارے فرزندوں میں سے کسی کے پاس آئے تو اس کو دربار میں جگہ نہ دی جائے بلکہ نکال باہر کیا جائے — پھر تھوڑے سے توقف کے بعد فرمایا کہ میرے اس کہنے سے کوئی فائدہ نہیں وہ دربار میں جائیں گے اور تم جگہ دو گے — آخر اُن کے پوتوں میں سے ایک شخص اورنگ زیب عالمگیرؒ کے پاس آئے اور شیخ الاسلام کے لقب سے ملقب ہوئے اور جاہ عظیم پایا۔[1]

شیخ محمد سمانؒ مولانا مولوی ولی اللہ نے ان خصوصیات کو بھی بیان کیا جو شیخ محمد سمان مدنیؒ سے اُن کو تھیں — شیخ محمد سمان مذکور قادری تھے — مدینہ منورہ میں مسندِ افاضہ و افادہ پر فائز رہ کر طالبین کو فائدہ پہونچاتے تھے۔ ایک مدت تک سالکانِ طریقت ان کی طرف کوچ کر کے جاتے تھے، چند سال ہوئے کہ وہ انتقال کر گئے ہیں رحمۃ اللہ علیہ وعلی سائر عباد اللہ الصالحین۔

بوہرہ قوم بوہرہ ایک قوم ہے بڑی تعداد میں — اُن کی اصل صوبہ گجرات ہے۔

---

[1] دراصل ان سے پہلے ان کے والد ماجد قاضی عبدالوہاب، عالمگیرؒ کی خدمت میں باریاب ہو کر مفتی عسکر پھر صدر قاضی ہوئے (یاد ایام تاریخ گجرات مولفہ مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی رائے بریلوی مرحوم)

یہ سب کے سب تاجر اور اہل حرفہ ہیں۔ ان کا لقب بوہرہ غالباً اسی تجارت کے مشغلے کی وجہ سے پڑا ہے اس لئے کہ ہندی میں بیوہار تجارت کو کہتے ہیں ــــ بوہروں کے دو فرقے ہیں ایک شیعہ اسماعیلیہ (ان کے عقائد وغیرہ تفصیل سے بیان کئے ہیں جن کو بخوف طوالت حذف کیا جاتا ہے، فریدی) یہ فرقہ جماعت خورد کہلاتا ہے۔ اجین، سرونج وغیرہ میں یہ لوگ آباد ہیں۔

دوسرے اہل سنت وجماعت ہیں اس جماعت کو جماعت کلاں کہتے ہیں اور یہ لوگ پٹن گجرات اور احمد آباد میں ساکن ہیں اور ان میں کی جماعت کثیر بندرگاہ سورت، جدہ اور حرمین شریفین میں تجارت وصنعت وحرفت میں مشغول ہے ــــ یہ لوگ فضائل دینیہ سے متصف ہیں اور ان کی رسوم وعادات بسبب ان اکابر علماء کی تاکید کے جو اس قوم میں گزرے ہیں، موافق سنت ہیں ــــ شیخ محمد طاہر پٹنیؒ مذکور، سنی بوہروں میں سے تھے۔ سابق زمانے میں دونوں قسم کے بوہرے آپس میں خلط ملط تھے اور کوئی امتیازی خط درمیان میں نہیں تھا۔ شیخ محمد طاہرؒ نے پٹن میں اور سید محمد جعفرؒ نے (جو کہ عالم وبزرگ تھے) احمد آباد میں باشارۂ نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں فرقوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا۔ اور اس سلسلے میں بڑی جد وجہد کی، یہاں تک کہ دونوں فرقے ایک دوسرے سے ممتاز ہوگئے۔

بزبان مولوی ولی اللہ اس قوم کی عجیب عجیب حکایتیں سنی تھیں اور ان کی تصدیق محمد بن جمال الدین سے ہوئی جو اسی قوم کے ہیں اور سفر سمندر میں شریک کشتی بھی تھے ــــ ان حکایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شیخ محمد طاہرؒ کے وقت میں پٹن میں ایک درویش وارد ہوا، وہاں کے ساکنین میں سے کسی نے اسکے ساتھ کچھ بدسلوکی کی، اس درویش نے بددعا کی اور کہا خداوندا اس قوم کی روزی سفر میں مقدر کرنا۔ جب یہ خبر شیخ محمد طاہرؒ کو پہونچی اور انھوں نے جان لیا کہ دعائے درویش محل قبولیت تک پہونچ گئی ہوگی تو انھوں نے دعا کی، خداوندا اس قوم کی روزی سفر حرمین میں مقدر کرنا وہ دن ہے اور آج کا دن ہے، اس قوم میں یہ رواج ہے کہ تولد پسر کے بعد سے جس طرح دوسری قوم کے والدین تقریب ختنہ اور تقریب نکاح کی فکر میں رہتے ہیں یہ لوگ بچے کو حرمین شریفین پہونچانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ بچہ بارہ تیرہ برس کا ہوا اور انھوں نے اسے پٹن سے مکہ معظمہ بھیجا ــــ ہر سال ان کے چند بچے

حرمین جاتے ہیں اور وہاں پہونچ کر قوم کے بڑے آدمیوں میں سے کسی ایک کے پاس خواہ وہ قربا میں سے ہو یا اجنبی ہو ــــ بطور خدمت گزاری رہتے ہیں اور خدمتگاروں کی طرح اسکی خدمت بجالاتے ہیں ــ اس زمانہ خدمت گزاری میں زبان عربی اور تجارت کے معاملات سے واقف ہوجاتے ہیں۔ پھر اگر اس خادم بچے کا باپ غریب ہے، تو بچے میں آثار رشد معائنہ کرنے کے بعد وہ مخدوم رئیس اپنے مال میں سے ایک رقم اس کو بطور قرض دیتا ہے تاکہ وہ اس کو راس المال قرار دے کر خود تجارت کرے۔ وہ جتنے سال میں قرض کی ادائگی کا وعدہ کرتا ہے ادا کر دیتا ہے اور اپنے منافع کو راس المال بنا لیتا ہے۔ اور اگر بچے کا باپ مالدار ہے تو وہ حسب استطاعت کچھ مال زر ہمراہ بھیجتا ہے اور وہ روپیہ مخدوم کے حوالے رہتا ہے اس کے منافع میں سے ۱/۴ مخدوم کو حق التعلیم کے طور پر ملتا ہے باقی بچے کا ہوتا ہے۔ خدمت مخدوم میں دوسرے بچوں کی طرح یہ مالدار کا لڑکا بھی مشغول رہتا ہے بعد ازاں دس سال، بیس سال یا تیس سال کے اندر جب بھی یہ اپنے سرمایہ کو پہونچا لیتے ہیں گھر واپس آتے ہیں اور شادی کرتے ہیں پھر اگر چاہیں تو ہندوستان میں دوکان کریں، اور چاہیں تو عربستان جائیں وہاں تجارت کریں ــــ اسی وجہ سے اس قوم میں کوئی بھی ایسا نہیں الا من شاء اللہ ــــ کہ اس نے مکرر حج نہ کیا ہو اور زبان عربی نہ جانتا ہو (اسکے بعد بوہروں کی دعوت طعام کا ذکر کیا ہے جو ہفتے میں یا عشرے میں ایک مرتبہ کی جاتی ہے اور سال بھر میں اس کا حساب ہوجاتا ہے۔ فریدی)۔

مولانا سید عبداللہ تجرد سورت میں ایک عالم متقی سید عبداللہ ہیں ان کا اصل وطن لاہور ہے انھوں نے برہان پور میں مولوی غلام محمد صاحب مذکور سے تحصیل وتکمیل کی ہے۔ حرمین شریفین کی زیارت کے بعد کچھ اوپر تیس سال سے سورت میں بطریق توکل مقیم اور افاضۂ علوم دینیہ میں مشغول ہیں۔ چند سال سے نابینا ہوگئے ہیں لیکن چونکہ تمام فنون میں متبحر عالم ہیں اس لئے اب بھی درس میں خلل نہیں آیا ہے۔ فن فارسی میں بہت قدرت رکھتے ہیں خود بھی عربی و فارسی زبان میں فکر سخن کرتے ہیں ــــ تجرد تخلص ہے ــ چند شعر دوسرے شعرا کے آپ کی زبان سے سنے تھے (ان میں سے دو شعر یہ ہیں)

جاں بلب از ضعف نتواند رسید   ما بزور ناتوانی زندہ ایم

ہ عقیق و لعل دگر، اشکِ لعل گوں دِگر است
دگر دِگر بود اے دِلستاں، جگر جِگر است

مندرجۂ ذیل دو شعر آپ کے نتائجِ فکر سے ہیں۔

ازژدیم، تجرد مَطلب جمعیت ۔۔۔ گل شد آشفتہ ازاں روز کہ زر پیدا کرد

جو تجھ میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں ۔۔۔ خورشید کیا ہے اس کی فلک کو خبر نہیں

سورت سے جانے کے بعد میں مولوی صاحب (سید عبد اللہ تجرّد) کی خدمت میں پہونچا۔ بہت دیر تک بیٹھا رہا اور ان کے فوائدِ صحبت سے مستفیض ہوا۔ فقیر کی مفارقت پر بہت کچھ اظہار ملال فرمایا۔

سورت میں مزارات و مقابر

سورت میں سادات عیدروس کے مقابر ہیں ان حضرات کی اصل عدنِ یمن ہے ان کے اجداد میں اکابر اولیا گزرے ہیں جن کے فضائل مشہور و معروف ہیں۔ ان کو سادات باعلوی[1] بھی کہتے ہیں ابو.. کی طرف منسوب کر کے ۔۔۔ عیدروسیوں کے طریقے کا خلاصہ' احیاء العلوم (غزالیؒ) پڑھا کرنا ہے اور اس کو بطور وظیفہ پڑھنا ۔۔۔ یہ لوگ عدن سے احمدآباد گجرات آئے ہیں وہاں سورت، سورت میں اس خاندان کی تعظیم و توقیر تمام عوام و خواص کرتے ہیں۔ اس وقت سید محمد بن سید عبد اللہ بن سید زین العابدین ۔۔۔ حسنِ اخلاق میں یادگارِ اسلاف ہیں۔

مزار خواجہ محمد دہدارؒ

خواجہ محمد دہدارؒ[2]، خواجہ دیوانہؒ کے معاصر تھے بسنہ ۱۰۲۲ھ میں وفات ہوئی۔ خورد و برد (۱۰۲۲) تاریخ وفات ہے۔ نفحات الانس مولفہ مولا

---

[1] دراصل باعلوی علوی کی طرف نسبتہ ہے۔ جیسا کہ بانفیہ محمد نفیہ کی طرف نسبت کر کے کہا جاتا ہے باعلوی، حسینی جعفری ہیں۔

[2] مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ کے تربیت یافتہ تھے۔ تان سین زمیندار کا مرثیہ ان ہی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا۔ (یادِ ایام تاریخ گجرات مولفہ حکیم سید عبد الحیؒ)

پر آپ کا حاشیہ ہے جو بہت سے حقائق و معارف پر مشتمل ہے۔ فقیر نے اس حاشیے کا کچھ حصہ مطالعہ کیا ہے۔۔۔ (مولانا) مولوی خیر الدین صاحب (محدث) فرماتے تھے کہ ان بزرگ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک تھا۔ اپنی وفات کے وقت وصیت کی کہ جب مجھے قبر میں رکھیں تو موئے مقدس کو میری آنکھ میں رکھ دیں، چنانچہ وہ موئے مبارک ان کی آنکھ میں رکھ دیا گیا۔۔۔ مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ ان بزرگ کے مزار کی زیارت کے لئے جاؤ، وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک کا ایک جزء (موئے مبارک) دفن ہے"۔ جب احقر اُن کی قبر پر گیا تو انشراح قلب ہوا اور وہ حضوری جو ثمرۂ صحبت اہل اللہ ہے محسوس کی۔۔۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

نا ندیر میں قبر معلّم حسن

نا دیر (راندیر) میں بیرونِ شہر، معلّم حسن کی قبر ہے وہ معلّم بتا سی کے نام سے مشہور ہیں، درحقیقت یہ نیا س (چاہ آب جہاز) کی تصحیف (بگاڑ) ہے۔ یہ بزرگ کاملین میں سے تھے ان کا واقعہ جیسا کہ ثقاتِ سورت و نا ندیر سے سُنا گیا ہے یہ ہے ۔۔۔ واللہ اعلم بصحتہا۔۔۔ کہ یہ ایک جہاز میں تھے کہ اتفاقاً نیاس میں پانی ختم ہو گیا لوگوں نے اِن سے اس کا ذکر کیا انھوں نے فرمایا کہ سمندر کا کھاری پانی نیاس میں بھر کر اس کو مقفل کر دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا صبح کو معلّم حسن کو فرشِ خواب پر مردہ پایا گیا۔ لوگوں کو فقدانِ آب نے تو سراسیمہ کر ہی دیا تھا موتِ معلّم اسکے اوپر اور طرہ ہو گئی، ناگاہ معلّم حسن کے سرہانے سے ایک رقعہ اُن کے قلم کا لکھا ہوا بایں مضمون پایا گیا۔ میری اجلِ موعود قریب پہونچ گئی ہے تم لوگ نیاس سے پانی حاصل کرو اور مجھ کو صندوق میں رکھ کر سمندر میں ڈال دینا اور صندوق کے پیچھے پیچھے جہاز چلانا جہاں صندوق پانی میں ڈوبے وہیں لنگر کر لینا۔۔۔ ادھر نیاس کو کھولا تو اس میں میٹھا پانی پایا۔ معلّم حسن کو بعد تجہیز و تکفین و نماز، صندوق میں رکھ کر پانی میں ڈال دیا۔۔۔ رات کو ایک فانوس صندوق پر رکھتے تھے اور اسکی روشنی میں چلتے تھے بعد چند دن کے صندوق پانی میں نیچے کو چلا گیا۔ اس جگہ لنگر کیا گیا جب دیکھا تو وہ جگہ بارہ نادیر۔۔۔ تھی۔۔۔ جہاز سے چھوٹی کشتی میں سوار ہو کر نادیر آئے۔ نادیر پہنچنے سے پہلے صندوق گھاٹ کنارے پر ظاہر ہو گیا تھا وہاں سے نکال کر معلّم حسن کو دفن کیا گیا۔۔۔

ان کی زیارت پر بھی گیا ان کی قبر کی لوح پر یہ مرقوم تھا۔ "توفی فی سنۃ احد
رین وسبعا ۃ۔ (سنہ ھ)

ذرت کے کچھ اور حالات

سمندر، سورت سے بارہ کوس ہے اور اس جگہ کو بارہ کہتے ہیں
دریائے تاپتی برہان پور کے متصل پہاڑوں سے نکلا ہے،
سورت کے نیچے سے ہوتا ہوا سمندر میں گر جاتا ہے ــــ بڑے بڑے جہاز بارہ پر رہتے ہیں
رت تک نہیں آسکتے مگر موسم برسات میں جب کہ امواج سمندر طوفان خیز ہو جاتی ہیں،
شدت تلاطم سے لنگر ٹوٹ جاتے ہیں ــــ جہازوں کو تاپتی کے اندر داخل کر کے متصل
لاتے ہیں تاکہ صدمات امواج سے محفوظ رہیں ــــ ایک دو سفر کے بعد جب کہ جہازوں کے
نی حصّے پر رنگ وروغن کرنا ہوتا ہے تو اس وقت بھی جہازوں کو نزدیک شہر لا کر خشکی پر
ے ہیں۔ نئے جہاز بھی تاپتی کے کنارے تیار ہوتے ہیں جب تیار ہو جاتے ہیں تو مد آب
وقت دریائے تاپتی میں ڈال دیتے ہیں ــــ یہ جہازوں کا دریا سے خشکی میں اور خشکی سے
یا میں لانا ایسا عجیب پُر صنعت کام ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، اس کو بیان نہیں کیا
جا سکتا ــــ ان ایام میں جب کہ فقیر سورت میں وارد ہوا ہے دو نئے جہاز تیار ہوئے
، ان کا سمندر میں پہونچانا اپنی آنکھوں سے دیکھا اور عجائب قدرت حق کا معائنہ کیا۔
(دریا کے ذریعے) سورت میں رات دن میں دو بار سمندر کا مد آتا ہے اور بالائے شہر
ے پہونچتا ہے۔ اور دریا کا پانی میٹھا رہتا ہے ــــ مگر موسم گرما میں دو ماہ جب کہ آب تاپتی
ہوتا ہے اور آب شور کا غلبہ ہو جاتا ہے ــــ اس زمانے میں لامحالہ آب شور ہی شہر تک
نچتا ہے دو ماہ تک دریا کا پانی کھاری ہوتا ہے مردم شہران دنوں آب دریا کا پینا موقوف
دیتے ہیں اور میٹھے کنوؤں کا پانی (جو کہ بیرون شہر ہیں) استعمال کرتے ہیں ــــ بلکہ زیادہ تر
ب باراں کا استعمال کرتے ہیں ــــ بڑی بڑی مسجدوں میں اور اغنیاء کے گھروں میں
زمین سر پوش حوضیں ہوتی ہیں اور اس کو تانکہ؟ کہتے ہیں ــــ آب باراں، موسم برسات
چھتوں سے (نلوں کے ذریعے) ان برکوں (حوضوں) میں جمع ہو جاتا ہے اور اہل شہر کو
م سال کفایت کرتا ہے ــــ مگر بعض برکے دوسری برسات آنے سے پہلے ہی خالی ہو جاتے ہیں۔

مساجد میں اور گھروں میں ٹانکہ بنانے کی یہ رسم تمام صوبۂ گجرات کے امصار و بلاد میں رائج ہے۔

سورت کی عمارتیں

شہر سورت کی عمارات (زیادہ تر) چار منزلی ہوتی ہیں اور بود و باش اکثر بالائی طبقات میں ہوتی ہے نیچے کے طبقے میں سامان رکھتے ہیں۔ بالاخانے بہت ہی خوشنما اور پُر زینت بناتے ہیں ـــ عمارتوں کا دار و مدار چوب ساج پر ہے جس کو ساگون کہتے ہیں۔ چھوٹی بڑی کشتیاں بھی چوب ساج ہی سے بنائی جاتی ہیں۔ اس لکڑی میں یہ خاصیت ہے کہ پانی اور دیمک کے ضرر سے محفوظ رہتی ہے۔

فن جہاز رانی

فقیر نے اس فن کی کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور اس فن کے جزئیات اس سفر میں شیخ محمود معلم سے سیکھے اور شیخ محمود نے علم حساب مجھ سے سیکھا ہے ـــ درحقیقت علم جہاز رانی متممات نعم الٰہی میں سے ہے ـــ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں تسخیر بحر اور جریان کشتی کا احسان بندوں پر ظاہر فرمایا ہے ـــ اگر وہ اس علم کا الہام نہ فرماتا تو لوگوں کو سفر سمندر ممکن نہ تھا ـــ فرماتا ہے:۔ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ الآیہ[۵۱] ـــ نیز فرماتا ہے:۔ وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ۔ الآیہ[۵۲] ـــ اس علم کی بنا محض اس ظن و تخمین پر ہے جو کثرت تجربہ سے بمرتبۂ یقین پہونچ گیا ہو ـــ ہرچند کہ بادی النظر میں یہ علم مشکل نظر آتا ہے لیکن اگر کوئی شخص چند بار سفر سمندر کرے اور فن ہیئت و حساب سے واقف ہو تو اس علم کو بخوبی جان سکتا ہے ـــ اس کی مثال فقیر کے زعم میں بارہا خشکی میں سامنے آتی ہے کہ ایک ریگستانی زمین ہے یا لق و دق جنگل درپیش ہے اور نشان راہ کچھ نہیں ہے نہ کوئی جادہ ہے ـــ مسافر اس جگہ حیران و سراسیمہ ہو جاتا ہے ناگاہ ایک تجربہ کار آدمی جو بارہا اس راستے سے گزر چکا ہے، پہونچتا ہے اور بلا تامل سیدھا ایک طرف کو چلتا ہے اور

---

۵۱ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے فائدے کے لئے ستارے بنائے تاکہ اُن کے ذریعے ظلمات بر و بحر میں راستہ پاؤ۔

۵۲ اور اللہ کی نشانیوں میں کشتیاں بھی ہیں، سمندر میں پہاڑوں کی طرح۔

منزلِ مقصود پر پہونچا دیتا ہے۔ واللہ اعلم۔

فرنگیوں کی فن جہاز رانی میں مہارت

(اس زمانے میں) جہاز رانی درحقیقت فرنگیوں کا کام ہے۔ ہوا کتنی ہی تیز چلے وہ بادبانوں کو کھول دیتے ہیں اور جہازوں کو تیز چلاتے ہیں۔ وہ بالکل اس چابک سوار کی مانند ہیں جو سرکش گھوڑے پر بے خوف و خطر سوار ہو جاتا ہے۔ ان فرنگیوں کی اس بارے میں جو حکایتیں سُنی جاتی ہیں اُن سے تعجب ہوتا ہے اور مبالغے پر محمول کی جاتی ہیں۔ ایک ہمارے ہندوستان کے ملاح ہیں کہ وہ علم جہاز رانی میں کیسے ہی بے بدل ہوں لیکن تیز ہوا چلنے پر ان کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں اور بادبانوں کو کم کر دیتے ہیں۔

سورت سے روانگی

۹ جمادی الثانیہ بروز پنجشنبہ ـــ سورت سے نکل کر سفینۃ الرسول نامی کشتی پر سوار ہوئے ـــ ۱۲ کو لنگر اٹھایا گیا ـــ ۱۶ کو لنگر گاہ سے نکلے ـــ ہماری کشتی دوسری کشتیوں کے مقابلے میں چھوٹی تھی اس میں ۱۶۲ آدمی سوار تھے ـــ مولوی صاحب (مولانا خیر الدین محدث) فرماتے تھے کہ دوسرے سفر حج میں بوقت مراجعت ہم جس کشتی میں سوار ہوئے تھے وہ اتنی بڑی تھی کہ اس میں گیارہ سو آدمی، چالیس گھوڑے سوار تھے اور ایک لاکھ من بوجھ لدا ہوا تھا۔

مچھلیاں

بعد چند روز کے ایک آبنوس مچھلی شکار کی گئی اس کا یہ نام ہوا ـــ آبنوس روہو کلاں کی مانند ہوتی ہے خوش رنگ اور خوش ذائقہ ـــ مچھلیوں کی بہت سی قسمیں ہیں، ایک مچھلی سقوطرہ کے قریب نظر آئی جو قامت و جثہ میں گائے کے بچے کے برابر تھی، بڑے بڑے جسم والی مچھلیوں کے قصے سُنا کرتا تھا وہ مچھلیاں مجھے نظر نہ آئیں تو معلم سے دریافت کیا انھوں نے کہا کہ اس سمندر میں بڑی مچھلیاں کم نظر آتی ہیں، دریائے چین میں ساٹھ ساٹھ ستر ستر ہاتھ کی مچھلیاں ہوتی ہیں ـــ ایک ساتھی نے جو ہماری کشتی میں تھا اور اس نے بہت سے سمندری سفر کئے تھے مجھ سے کہا کہ میں نے ہاتھی کے جسم کے برابر مچھلیاں اس سمندر میں دیکھی ہیں۔

سقوطرہ

۱۰ رجب ـــ دوشنبہ ـــ جزیرۂ سقوطرہ نمودار ہوا ـــ سقوطرہ میں آبادی ہے، جب اہل کشتی کو پانی کی ضرورت لاحق ہوتی ہے وہاں جا کر آب شیریں لے لیتے ہیں

اور کبھی اہل سقوطرہ بھی کشتی پر سوار ہوکر مرکب کے قریب پانی لے کر آجاتے ہیں۔

۱۱ رجب کو جزیرہ ہائے شامی صبح کے وقت ظاہر ہوئے۔

۱۳ رجب کو دو بڑی پہاڑیاں ابوالجوزا نام کی نمایاں ہوئیں۔

ان ایام میں چند روز ہوا کم چلی اس لئے بیشتر اوقات کشتی کھڑی رہی لوگ اس حال کو دیکھ کر اور قلت آب کی وجہ سے بیتاب و مضطرب رہے۔ ایک روپے کے آٹھ آبخورے پانی خریدتے تھے۔ اس وقت فقیر کے دل میں گزرا کہ محتکر[1] طعام کے لئے تو وعید آئی ہے۔ محتکر آب کا حال خدا جانے کیا ہوگا؟۔

۱۴ رجب کو بادِ مراد چلی ـــــ ۱۵ رکو ہوا پھر ساکن ہوگئی اور یک روزہ راہ پانچ دن میں طے ہوئی ـــــ ۱۹ رجب کو سہ پہر کے وقت برابر جبل کاکی پہونچ کر متوجہ عدن ہوئے عدن، کاکی سے قریب ہے، لیکن سستی ہوا کی وجہ سے تھوڑی سی مسافت چار روز میں قطع ہوئی ـــ (بالآخر) ۲۳ رجب بروز شنبہ دوپہر کو کوہ عدن نمودار ہوا۔

عدن عدن بلاد یمن میں مشہور شہر ہے اور سادات عیدروس کی اصل جگہ ہے اور اُن کے قدیم مشائخ کے مزارات یہیں ہیں ـــ بوقت شب مخا کی طرف متوجہ ہوئے جو عدن سے ایک سو بیس کوس ہے ـــ چونکہ ہوا موافق تھی اس لئے ۲۴ رجب کو دوپہر کے وقت باب المندب پہونچے۔ یہ ایک پہاڑی ہے اندرون سمندر ـــ یہاں سے مخا پچیس کوس ہے ـــ باب المندب کے شمال میں تھوڑے فاصلے پر ایک پہاڑی سلسلہ ساحل یمن سے متعلق ہے اس کو باب صغیر کہتے ہیں اور سمت جنوب میں دور تک ساحل حبش ہے اس کو باب کبیر کہتے ہیں۔ عوام دونوں کو باب سکندر کہتے ہیں حالانکہ یہ شہرت غلط ہے باب سکندر نواحی روم میں ہے۔ چونکہ اس مقام میں پانی کی گہرائی کم ہے اور پانی کے نیچے پتھر ہیں جن سے کشتی کو مستقل خطرہ رہتا ہے اس لئے معلم اس جگہ سے گذرتے وقت بہت احتیاط ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور خیال رکھتے ہیں کہ مقررہ گذرگاہ سے کشتی دائیں بائیں کو تھوڑی سی منحرف نہ ہونے پائے ـــ اللہ کا شکر ہے کہ باب صغیر سے سلامت

---

[1] ذخیرہ اندوز۔

کے ساتھ گزر گئے اور شام کے وقت مخا سے بارہ کوس کے فاصلے پر لنگر کیا۔ صبح کو روانہ ہو کر وقت شام بندرگاہ مخا پر کشتی نے لنگر کیا۔ مخا سے جدہ چھ سو کوس ہے کل مسافت سورت سے جدہ تک دو ہزار چار سو کوس ہے۔

ملاحوں کے کرتب

عجائب سفر سمندر میں سے ملاحوں کا حال بھی ہے کہ وہ اس طرح کا کام انجام دیتے ہیں کہ ایک نٹ بھی اس طرح انجام نہ دے سکے۔ جس وقت بھی معلم کہتا ہے اگرچہ شب تاریک ہو، رسیوں کے ذریعے بالائے چوب کشتی۔ جس کا ارتفاع بہت ہے۔ چڑھ جاتے ہیں۔ وہ کبھی بادبان کھولتے ہیں کبھی طے کرتے ہیں۔ اور بہت سے کام پھرتیلے پن سے اس طرح کرتے ہیں کہ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہر کام میں خصوصاً لنگر کے اٹھاتے وقت اپنے محاورے اور لہجے میں کچھ الفاظ بولتے ہیں جو زیادہ تر عربی فقرے ہوتے ہیں۔ نعت و درود پر مشتمل ——— ہر چند وہ کلمات ان کی زبان پر تصحیف پا گئے ہیں اور ان میں سے اکثر مہمل ہو گئے ہیں، لیکن نعت سے متعلق ہوتے ہیں اور لہجہ ایسا ہوتا ہے کہ دل میں درد پیدا ہوتا ہے۔

بحری سفر کے مصائب

محنت و تعب اگرچہ سفر خشکی میں بھی کم نہیں ہے لیکن یہ سفر خشکی بار بار ہوتا ہے اس لئے اس کی مشقت برداشت ہو جاتی ہے۔ سفر دریا میں تنگیٔ جا۔ جوع و عطش کی تکالیف اور خوفِ غرق یہ سب کچھ ہوتے ہیں۔ یہ چیزیں نازو نعمت میں پلے ہوئے لوگوں کو۔ جو کہ قوت شکیبائی نہیں رکھتے اور گھبراہٹ جن کی طبیعت پر غالب ہے۔ تنگدل کر دیتی ہیں ۔۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ باتیں ہر بار اور ہر شخص پر گذریں۔ علاوہ ازیں ایک شخص ایسا ہے کہ اس پر جو کچھ گذرتا ہے اس کو مطابق واقعہ بیان کر دیتا ہے دوسرا شخص مبالغے کے ساتھ اصل واقعہ پر اضافے کر کے بیان کرتا ہے۔ سب سے بڑی مشقت سفر بحری میں یہ ہے کہ کشتی کی روانی ہوا پر موقوف ہے اور ہوا پر سوائے خدا کے کسی کو اختیار نہیں ہے۔

ع قضا کشتی آنجا کہ خواہد برد وگر ناخدا جامہ بر تن درد

اس موقع پر آدمی کو اپنی عاجزی و بیچارگی اور قدرت قادر حقیقی جل جلالہ واضح

ہو جاتی ہے۔ اور یقین سے جان لیتا ہے کہ فاعل و موثر حقیقی بجز خدائے تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہے اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں کئی جگہ تسخیر کشتی کا بندوں پر احسان جتایا ہے فرماتا ہے ـــ رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ـــــــــ (بنی اسرائیل)

مگر حقیقت تو یہ ہے کہ بہ قصدِ زیارت حرمین شریفین جو مصیبت بھی جھیلی جائے گی، موجب اجرِ عظیم ہو گی ـــــ مولوی صاحب (مولانا خیر الدین سورتی) فرماتے تھے کہ ہر چند اس سفر میں مصیبت ہو لیکن اس مصرع کا مضمون اس راہ پر صادق ہے۔

ع: یک قدم بر نفسِ خود نہ یاب قدم در کوئے دوست

حدیث شریف میں آیا ہے حُفَّتِ الجنۃ بالمکارہ ـــــ (جنت خلاف طبیعت امور اور مشقتوں سے ڈھانپ دی گئی ہو ـــــ فقیر کے نزدیک دو قسم کے آدمی لذت سفر حرمین پاتے ہیں۔ بشرطیکہ جاذبہ شوق نے سفر پر آمادہ کیا ہو۔

(۱) صاحبِ استطاعت جو کہ بقدر ضرورت سامان رکھتا ہو۔

(۲) فقیرِ صابر جو کہ ہر حال میں تقدیر ازلی پر نظر رکھتا ہو، اور جب کھانے پینے کو نہ ہو تو صبر اس کو اپنی جگہ پر قائم رکھے ـــــ اور جو شخص کہ ان دو حال سے خالی ہو اور اس کو محض گردش آب و دانہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا رہی ہو یا اس کی نیت میں ریا و سمعہ (دکھاوے، سناوے) کا شائبہ ہو تو دیکھا گیا ہے کہ ایسے شخص سے سختی کی وجہ سے گھبراہٹ اور پریشانی ظاہر ہو جاتی ہے اور ایک طاعت کا ارادہ اس کے لئے بہت سی معاصی کا باعث بن جاتا ہے ـــ اعاذنا اللہ تعالیٰ ممّا لا یرضاہ۔

لہ تمہارا پروردگار وہ ہے جو رواں کرتا ہے تمہارے لئے کشتیوں کو تاکہ تم سمندر میں طلب معیشت کرو اس کے فضل سے بیشک وہ تم پر مہربان ہے اور جب تم کو سمندر میں سختی پہونچی ہے تو جن کو تم پہلے پکارتے تھے سب گم ہو جاتے ہیں۔ مگر خدا۔ یعنی ایسے وقت میں تم سوائے خدا تمام معبودانِ باطل کو بھول جاتے ہو۔

اس سفر میں اپنا حال

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد رسول اللہ وآلہٖ واصحابہ ——— یہ فقیر اس سفر میں انواع نعمت واحسانِ حضرتِ باری سے مالا مال ہے ——— مجھے کچھ بھی مصیبت نہیں پہونچی ——— تمام اوقات واحوال میں عافیت ورفاہیت کے ساتھ رہا اور راحت سے وقت گذرا مگر ایک دن جب کہ کشتی ستوطرہ سے گذر رہی تھی تشنگی کی تکلیف محسوس ہوئی۔ ناز ظہر میں تھا کہ حال امام المسلمین حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما جو کربلا میں ہوا تھا یاد آیا، فوراً میرے دل کو تسلی ہوئی اور پیاس سے تسکین پائی۔ پھر اس کیفیت نے کبھی عود نہیں کیا۔

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

جس وقت امتدادِ مدت کا اندیشہ اور خوفِ فوت موسم حج آتشِ شوق کو تیز تر کرتا ہے تو سوائے تفویض ورضا کے کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ یہ شعر ہمارے کس قدر مناسب حال ہے۔

بوصلش تا رسم صد بار از پا افگند شوقم
کہ نو پر وازم و شاخے بلندے آشیاں دارم

ہم اس کے حکم پر راضی رہیں اسی میں ہماری راحت ہے۔ جو اس کی عادت ڈال لے گا اس کا دل راحت میں رہے گا اور جو شخص راضی برضا نہ ہوگا وہ وردِ قضا سے رنجیدہ ہوگا۔

رُباعی

اے در خمِ چوگانِ قضا ہمچو گو — چپ بخور و راست برو ہیچ مگو
آنکس کہ ترا فگندہ اندر تگ و پو — او داند و او داند و او داند و او

جذبۂ رضا وتسلیم طریقت میں اصلِ قوی ہے جس کسی کو یہ دولت عطا کر دی جان لو کہ اسے دوجہان کی راحت وخوشی عطا کر دی ——— جو اندوہ وغم جہان میں کسی کو پہونچتا ہے (یعنی غم واندوہ کی کیفیت طاری ہوتی ہے) سمجھو کہ رضا وتسلیم کے نہونے کی وجہ سے ہے۔

رفیقِ ناموافق

اس سفر کی اذیتوں میں سے ایک رفیقِ ناموافق بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ فقیر کو اس مسافرت میں یاران ومصاحبان موافق کی

مصاحبت میسر ہوئی ———

اصل بات یہ ہے کہ دنیاوی اسفار میں تو منافع دنیوی کے حصول کے لئے ایک دوسرے کی رعایت کرتے ہیں کسی کی زیادتی دیکھتے ہیں تو اس پر صبر کرتے ہیں لیکن اس سفر میں چونکہ یہ توقعات (منافع دُنیوی) نہیں ہوتیں اس لئے ساتھی کی ذراسی تقصیر سے جو اس سے واقع ہو جائے بلکہ بغیر تقصیر ہی کے ـ کسی خارجی اذیت سے متاثر ہو کر ـ شکایت سے آگے بڑھ کر قطع تعلق تک نوبت پہونچ جاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نا اتفاقی اور بد اخلاقی سے اپنی پناہ میں رکھے ۔

کتب اخلاق میں لکھا ہے کہ حسن اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی کسی کے ساتھ بدی کرے تو اس کا نیکی سے بدلہ دے ۔ اگر یہ نہیں کر سکتا تو تحمل و بُردباری کو اپنا شعار بنائے کبھی ایسا نہ کرے کہ منھ در منھ ملامت کے لئے زبان کھولے یا پیٹھ پیچھے شکایت کرنے لگے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ـــ ایک حکیم سے دریافت کیا گیا کہ کسی شخص کو کس طرح جانا جاسکتا ہے کہ وہ بد خلق ہے اس نے کہا کہ جب وہ ایسے شخص کی شکایت کرے جس نے اس کے ساتھ برائی کی ہو ـــ

ے زخوش معاملگی شمع دودمان خودم | رسد بغیر زمن سود و در زیان خودم

(حکیم)

کچھ لوگ کشتی سے اُتر گئے ایک سو سے زیادہ آدمی مخا و حدیدہ میں قلت آب سے تنگ آکر اُتر گئے اور کم و بیش ایک سو آدمی مع کارکنان کشتی باقی رہے ـــ

مُخّا ۲۶ رجب کو سیر و زیارت مُخّا کے لئے گئے ـــ اور دکالۃ المدینہ نامی رباط میں اُترے ـ اس رباط کے بانی نے اس کے کرایے کو وقف مدینہ منورہ کر دیا ہے ۔ مُخّا یمن کے بندرگاہوں میں مشہور اور بڑا بندرگاہ ہے ـــ یہ ایک مختصر سا شہر ہے ، اسکی عمارتیں سہ منزلہ اور چہار منزلہ ہیں ـ ایک حصار رکھتا ہے ۔ یہاں کے مشہور مزارات یہ ہیں (۱) مزار شیخ صندل ، اندرون شہر (۲) مزار شیخ جوہر ، بیرون شہر نخلستان میں

مگر ان دونوں بزرگوں کا کچھ حال نہ معلوم ہو سکا۔

یہاں کا بادشاہ سید حسنی ہے شرفائے مکہ کے بنی اعمام سے ہے۔ اس کو امام کہتے اور امیر المومنین کے ساتھ ملقب کرتے ہیں۔ امام حال کے سکّے میں یہ لفظ ہیں امیر المومنین المنصور باللہ۔

زیدیہ بادشاہ اور اکثر عوام و رعایائے یمن، مذہب زیدیہ رکھتے ہیں اور اکثر ساکنین امصار و بنادر شافعی ہیں اور مردم سندھ جو کہ اس ملک میں توطن اختیار کئے ہوئے ہیں حنفی ہیں اور امام مسجد، شافعی ہے۔ بادشاہ اور تمام زیدی، شافعی اور حنفی اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ زیدیوں کے بعض مسائل مجملاً تو پہلے سے معلوم تھے۔ یہاں اتنا ٹھہرنا نہ ہوا کہ کسی عالم سے تفصیل معلوم کر لی جاتی۔

یہاں عوام تو عوام، خواص بھی عُریاں ہو کر غسل کرتے ہیں ذرا شرم نہیں کرتے۔

مخا سے روانگی ۲۰ رجب۔ کشتی میں واپس آئے۔ مخا سے جدہ تک دو سمندری راستے ہیں ایک بحر کبیر یعنی وسط بحر یمن سے جو بہت گہرا ہے۔ اگر باد مراد چلے تو سات آٹھ دن میں منزل مقصود پر پہنچ جاتے ہیں۔ اور باد مخالف ہو تو کشتی اُلٹے پاؤں واپس جاتی ہے۔ دوسرا راستہ بحر صغیر ہے۔ متصل ساحل یمن، اس کا پانی اس قدر عمیق نہیں ہے، اس راستے میں زیر آب پتھر ہیں اور جہاز کو ان سے ہر وقت خطرہ ہے، اگر ہوا موافق ہو تو پندرہ سولہ دن میں جدّہ پہونچتے ہیں۔ مگر کشتی کے رجوع کرنے کا خوف نہیں ہے۔ اس لئے کہ دن کو چلتے ہیں اور شام کو منازلِ معینہ میں کہ اُن کو مرسا کہتے ہیں لنگر کر لیتے ہیں، اگر ہوا مخالف ہو تو ٹھہر جاتے ہیں اور اگر پانی کی ضرورت ہو تو ان قریوں سے جو کنارے پر ہیں پانی لے لیتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ساحل پر اُتر کر خشکی کے راستے چلیں، مگر اس میں مسافت اور رنج راہ بہت ہے۔ لہذا مخصوص اوقات میں بحر صغیر میں سفر کرتے ہیں۔ اس راستے میں معلّمانِ ہندوستان جہاز نہیں چلا سکتے اس لئے کہ وہ سنگہائے زیر آب اور مواضع خطر سے واقف نہیں ہوتے، مخّا سے یا حدیدہ سے معلّم عرب کو ہمراہ لیتے ہیں تاکہ وہ جدّہ تک پہونچائے۔

۲۹ رجب، بروز جمعہ، بوقت شام۔ مخّا سے لنگر اُٹھا لیا گیا اور براہ بحر صغیر روانہ ہوئے۔

جبلِ ذکر جبلِ ذکر کے قریب بادِ مخالف اس طرح چلی کہ ایک قدم آگے بڑھنا دشوار ہوا اور میٹھا پانی اس حد تک کمیاب ہوا کہ رات دن میں ایک دو گھونٹ پر اکتفا کی جاتی تھی۔ یہی حال غذا کی کمیابی کا تھا ___ بالآخر زندگی سے ناامیدی ظاہر ہوئی اور چہرۂ مرگ نمودار ہوا بہت سوں نے بے صبری کی بنا پر آب شور پینا شروع کیا اور اذیت جھیلی ___ کہتے ہیں کہ اکثر و بیشتر جبلِ ذکر کے قریب بادِ ناموافق کی وجہ سے کشتیوں کو ٹھہرنا ہی پڑتا ہے اور یہ حال موجبِ ذکر و دعا ہوجاتا ہے اسی وجہ سے اس پہاڑ کا نام جبلِ ذکر پڑ گیا ہے۔ اس حال میں سب چھوٹوں بڑوں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی اور جناب رحمۃ للعالمین کا توسل کیا ___ خدا خدا کرکے بادِ مراد چلی اور اس مہلکہ سے نجات پائی۔ جو چھوٹی کشتی حدیدہ گئی تھی وہ واپس آئی اور ساحل سے پانی لے آئے پیاسے سیراب ہوگئے۔

حدیدہ روز جمعہ ۲۱ر شعبان ___ حدیدہ پہونچ گئے ___ حدیدہ یمن کی بندرگاہوں میں سے ایک بندرگاہ ہے ___ الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ ___

۲۳ر شعبان کو یہاں سے روانہ ہوئے ___ اگرچہ موسم سفر سمندر ختم ہوگیا ہے، ایام برسات نزدیک آگئے ہیں ہوا بہت مخالف ہے اور کشتی کی رفتار بھی سست ہے لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ ہم کو حج بیت الحرام اور زیارت روضۂ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم ___ نصیب کراکے ہم پر فضل فرمائے گا۔

ایک ساحلی قریہ بروز چہار شنبہ ___ ۲۶ر شعبان کو جس جگہ لنگر ہوا تھا ساحل پر ایک قریہ تھا فقیر وہاں گیا تھا وہاں چند گھر خس پوش دیکھے کہ ان کی دیواریں لکڑی کی اور چھتیں پھوس کی تھیں ___ زراعت نہیں تھی بس چند درخت کھجور کے اور کچھ ایک قسم کے جھیر کے درخت پائے گئے جن کے پتوں سے بوریے بن لیتے ہیں ___ ان لوگوں کی اور دیگر ان لوگوں کی جو ساحلی قریوں میں رہتے ہیں، اکثر غذا مچھلی ہے ___ اناج دوسری جگہ سے لاتے ہیں ___ ان لوگوں کا حب وطن ان مقامات پر سکونت کا سبب بنا ہوا ہے ___ اس قریہ میں عیسیٰ بن احمد زیلعی کا مزار ہے اس کی زیارت کی گئی۔ لوگوں نے ان کے بہت سے

مناقب بیان کئے۔

کامران

جمعہ ۵ شعبان ـــــ کامران پہونچے۔ یہ ایک جزیرہ ہے اندرون سمندر ـــــ ساحلِ یمن سے تھوڑے فاصلے پر حدیدہ ولحیہ کے آدھر پر ـــــ پہلے کامران بندرگاہ تھا اب ویران ہوگیا اور لحیہ بندرگاہ قرار پاگیا ـــــ یہاں ایک قلعہ ہے بہت مختصر اس میں حاکم لحیہ کا تھانیدار رہتا ہے اور قلعہ سے بہت دور آبادی ہے۔ یہاں اب چند خس پوش مکانات رہ گئے ہیں۔ ایک بڑی مسجد بھی ہے جو انہدام کی طرف مائل ہے ـــــ آبادی سے باہر نخیل میں آبِ شیریں کے کنویں ہیں۔ اہلِ مراکب یہیں سے پانی لیتے ہیں تاکہ سفر جدہ میں لوٹتے وقت تک کام آئے۔ اس جگہ نہ زراعت ہے، نہ مویشی، نہ گھاس ـــــ گذر اوقات کا ذریعہ میٹھے پانی کی اُجرت ہے۔ جس کو نخیل سے لاکر جہازوں اور کشتیوں میں پہونچاتے ہیں۔ یہاں کے باشندے وقتِ ضرورت سوارِ کشتی ہوکر اناج اور دیگر ضروریات یمن سے لاتے ہیں۔ یہاں ایک قسم کا نمک ہوتا ہے جس کو ملح کامرانی کہتے ہیں۔ اسکی کان' مقابل کامران ایک ساحل پر ہے۔ یہ نمک اہلِ کشتی کو اناج کے تبادلے میں دیتے ہیں ـــــ صبح کے وقت بقصدِ غسل نیز پانی لینے اور کپڑے دھونے کے لئے اس بستی میں جانا ہوا ـــــ ان لوگوں کی معیشت کا حال دیکھ کر دل میں دُکھ پیدا ہوا، اور اللہ کا یہ احسان یاد آیا کہ اس نے ہمارے شہروں میں طرح طرح کی نعمتوں کے دروازے کھول دئے ہیں۔ میں نے یہاں کے ایک باشندے سے کہا کہ تم اپنی زندگی کس طرح بسر کرتے ہو؟ تو اس نے عربی میں جواب دیا جس کا خلاصہ یہ ہے ـــــ کہ کیا یہ میٹھا پانی اور مچھلیاں اور کچھ کھجوریں اللہ کی طرف سے ہمارے لئے نعمت نہیں؟ ـــــ میرے دل میں یہ گزرا کہ دیکھو لطیف خبیر و رزاق قدیر نے اس دریائے شور میں اپنے بندوں کے لئے آبِ شیریں پیدا کر دیا تاکہ جہاز والے یہاں سے میٹھا پانی حاصل کریں، پھر ایک جماعت کو یہاں لاکر ٹھہرا دیا تاکہ وہ لوگ پانی لاکر اہلِ جہاز کو دیں ـــــ اس تدبیر سے فریقین کی حاجت کو پورا کیا ہے ـــــ اس جزیرے کے قریب مروارید برآمد ہوتا ہے لیکن مروارید بصرہ زیادہ اچھا ہوتا ہے ـــــ یوں بیان کرتے ہیں کہ گرمیوں کے چار مہینے موتی نکالنے کا زمانہ ہے۔

فقیر کو یہ جگہ (کامران) بہت پسند آئی۔ اس شخص کے رہنے کے لئے جو کہ

ع۔ لبِ جاں بلب آمد کہ بر و کس نگرنیست

کا مصداق ہو۔ اس سے بہتر گوشۂ تنہائی نہ ہوگا ــــ لیکن ہماری منزلِ مقصود آگے ہے۔

جزائر اس سمندر میں چھوٹے بڑے ویران جزیرے دائیں بائیں بہت سے نمودار ہوئے۔ کہتے ہیں کہ مخا سے جدہ تک تین سو سے کچھ اوپر جزیرے ہیں۔

بعضے جزیرے پہلے نہیں تھے، چند سال سے ظاہر ہوئے ہیں۔ بعضے بڑے تھے اب چھوٹے ہو گئے میں نے ایک دن معلّم سے حوالِ جزائر کو دریافت کیا، اس نے کہا کہ جزیرے شمار سے باہر ہیں بحرِ ہند و بحرِ عرب کے دو بڑے جزیروں کا ذکر کرنے کے بعد اس نے جزائر جاوہ کا ذکر بھی کیا جزائر جاوہ کے باشندے سب شافعی المسلک مسلمان ہیں، وہ حجاج کی بہت تعظیم کرتے ہیں ان جزائر میں چند مستقل حاکم حکومت کرتے ہیں۔ یہاں کے لوگ سب دیندار اور شجاعت میں بے مثل ہیں، چار پانچ جاوی جو بقصدِ حج آئے ہیں، اس کشتی میں بھی سوار ہیں ــــ ان کی زبان بالکل سمجھ میں نہیں آتی، البتہ ان کے ایک آدمی سے کہ وہ کچھ عربی زبان سے واقف ہے اس ملک جاوا کے کچھ حالات معلوم ہوئے۔

شاہ احمد اللہ جو کہ مخدوم زادگانِ امیٹھی میں سے ہیں، انھوں نے شروع میں عزّت و جاہ کے ساتھ ضلع لکھنؤ، مرادآباد اور دکن میں اوقات بسر کئے، تیس سال سے زائد ہو گئے کہ انھوں نے بہت کچھ سیاحی (جزائر وغیرہ کی) کی ہے، چند سال سے وہ احمدآباد، گجرات اور پٹن میں رہتے ہیں اور بہت سے اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ عالیہ سے متصف ہیں، امسال مکہ معظمہ آئے تھے وہاں ان کو مجھ سے پچھلے تعارف کی بنا پر موانست حاصل ہوئی انھوں نے بھی جزیروں کے عجائب و غرائب مجھے سنائے۔

فسبحان الذی من آیاتہ خلق السموات والارض واختلاف السنتکم والوانکم ان فی ذلک لآیات للعالمین ــــــــ

عبدالرحمن فرانسیسی ہماری کشتی کے ایک معلّم عبدالرحمن فرانسیسی ہیں وہ اپنے علم میں مہارت کاملہ رکھتے ہیں ــ چند سال ہوئے کہ مسلمان ہو گئے ہیں

میں نے ایک دن اُن سے ملک فرنگ کے حالات دریافت کئے انھوں نے وہاں کے بہت سے عجائب وغرائب نقل کئے ۔۔۔ اور کہا کہ اب سے قریب چالیس سال کے گذرے کہ فرانس کے رئیسوں میں سے ایک شخص کو تمام دنیا کے سمندروں کے سیر کی ہوس دامنگیر ہوئی۔ چنانچہ وہ جہاز پر سوار ہو کر ملکِ فرانس سے روانہ ہوا اور انگلستان، پرتگال، استنبول، مغرب، ہند وحبش، دکن وبنگالہ کے بندرگاہوں سے گزرتا ہوا چین میں جا پہونچا اور وہاں سے بسمت شمال روانہ ہوا، اور اس جگہ تک پہونچا جہاں چار پانچ ماہ آفتاب نظر نہیں آتا ۔۔۔ رفتہ رفتہ سات سال کی مدت میں تمام ہفادِ ربعِ مسکوں کی سیر کر کے اپنے ملک کو واپس ہوا۔ اور اسکے بعد تمام احوالِ سفر، خصوصیات ہر بندرگاہ اور راہ ہر جانب کو ایک کتاب میں جمع کیا پھر چین اور آرام سے گھر بیٹھا، اب وہ کتاب جہاز رانوں کا دستور العمل ہے۔

بندرگاہ لحیہ

۷ رمضان ۔۔۔ کامران سے روانہ ہوئے ظہر کے وقت بندرگاہ لحیہ پہنچ کر لنگر ہوا، یہاں معلم وغیرہ اربابِ کار کو موسم سفر کا اختتام دیکھ کر کشتی کے جدے تک پہونچنے سے ناامیدی ہوگئی اور سب کی ہمتیں پست ہوگئیں۔ مالکِ کشتی کا ارادہ ہوا کہ اموال کو فروخت کر کے کشتی کو سورت واپس بھیجدیں اور پھر کشتی لحیہ میں سوار ہوں چنانچہ اسی قصد سے شہر کو گئے بھی مگر چونکہ تدبیر، تقدیر سے مطابق نہ تھی، بیع اموال، موافقِ مطلوب ہوئی ناچار واپس آ کر متوکلاً علی اللہ ۸ رمضان کو اسی کشتی میں روانہ ہوئے۔

۹ رمضان ۔۔۔ مقابل بندرگاہ جاذان پہونچے، اس جگہ تک حد زمین یمن تھی ۔۔۔ یہاں زیادہ تر حکومت شریف مکہ ہے ۔۔۔ تندی بادِ مخالف کی وجہ سے بحر الٰہی تمام تھوڑا سا فاصلہ طے ہوجاتا ہے اور سوائے مرسا کے جو مواضع معینہ ہیں کسی جگہ اس راستے میں لنگر نہیں کرتے ہیں اس لئے کہ تندی باد سے اور زورِ امواج سے اگر رسن لنگر ٹوٹ جائے تو ہوا بے اختیار جس قدر چاہے گی واپس لیجائے گی ۔۔۔ مرسا میں موج پست ہوتی ہے اور مرکب کو صدمہ نہیں پہونچتا ہے۔

۱۱ رمضان کو بسبب تیزی ہوا و شدتِ تلاطم امواج کشتی عجیب حرکت و اضطراب میں رہی۔ موجیں کثرت سے درونِ کشتی آتی تھیں۔ بہت سے آدمیوں کے حواس میں اختلال آگیا

اور جس دن سوار ہوئے تھے اُس دن کی طرح سر گھومنے لگے اور متلی لاحق ہوئی۔ ۱۳ر کو اُس مرسا میں جو کہ جزیرہ کمتس کے کنارے ہے لنگر ہوا۔ دن کے آخری حصہ میں چھوٹی کشتی میں بیٹھ کر اس جزیرے میں پہونچے، یہ ایک پہاڑ ہے اس کا دور کمتر ہے اور ارتفاع زیادہ ہے۔ دامن کوہ کے ایک طرف ایک قطعہ زمین ہے ہموار اور سنگریزے ہیں۔ اس جگہ ایسے درخت تھے جن کے پتے جھاؤ کے مشابہ تھے۔ یہاں عجیب عجیب رنگوں کے پتھر اور گھونگے دیکھے گئے۔ اس سرزمین میں مقابر بھی بہت نظر آئے۔ شام تک یہاں توقف کیا۔ بعد افطار کشتی میں آئے۔

۱۴ر رمضان کو لنگر اُٹھایا مخالف ہوا اتنی تیز چلی کہ ایک قدم آگے بڑھنا ممکن نہ تھا، بلکہ کمتس تک پہونچنا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ ناچار مراجعت کی اور اُس مرسا میں کہ جہاں ۱۲ر کو تھے، پہونچے۔ دو روز کی رفتار ضائع ہو گئی۔ ۱۵ر رمضان کو مقام ہوا۔ ۱۶ر کو پھر کمتس پہونچے۔ جازان سے بندرگاہ کنفدا[1] ۹۶ کوس ہے، سات دن ہو گئے ہنوز اس مسافت کا نصف حصہ بھی قطع نہیں ہوا۔ اب خیال یہ ہے کہ جب کنفدا پہونچیں تو اس کشتی سے اتر جائیں اور وہاں سے چھوٹی کشتیوں میں سوار ہو کر براہ سمندر جدہ جائیں۔ جدہ، کنفدا سے ایک سو اسی[۱۸۰] کوس ہے اور ہوا موافق ہونے کی صورت میں چار دن کا راستہ ہے ورنہ براہ خشکی۔ کنفدا سے مکہ معظمہ تک نو دن کا راستہ ہے۔ روانہ ہوں گے۔ لیکن بظاہر راہ خشکی سے جانا مشکل ہے۔ اور اللہ چاہے تو ہر مشکل آسان ہے۔

خلافِ شرع رسم تمام ملک یمن و حجاز میں یہ امر خلاف شرع رائج ہو گیا ہے کہ بچوں کی ختنہ بعد بلوغ کرتے ہیں اور ختنہ میں کھال زیادہ کھینچتے ہیں۔ میں نے عبد اللہ نامی شتربان سے کہ اسکے اونٹ کو کنفدا سے کرایے پر لیا تھا اس بات کو دریافت کیا اُس نے تصدیق کی۔ میں نے کہا اس امر غیر مشروع کے تم عادی کیسے ہو گئے؟ اُس نے کہا کہ اگرچہ غیر مشروع ہے اور مخالف سنت ہے، لیکن ہمارے ملک میں یہ رسم شائع ہو گئی ہے۔

[1] قنفذہ۔

کنفدا

۸ رمضان کو ــــ کنفدا کے کنارے پہونچے یہ ایک بندرگاہ ہے، توابع جدہ سے ۔ اسکی آبادی ساحل پر ہے، گھر اور بازار سب خس پوش ہیں اور بجز ایک دو مسجدوں کے دیوار خشت و سنگ کہیں دیکھنے کو بھی نہیں ــــ یہاں گھر عرب کے طریقے پر بے تکلف بنے ہوئے ہیں، صحن کے پردے کی دیوار لکڑی کی ہے یا بوریے کی ــــ تمام سرزمین میں درخت سایہ دار یا گھاس کا نشان تک نہیں ۔ آب شیریں چند کوس سے یہاں لاتے ہیں ۔ مقابل آبادی اندرون سمندر ایک جزیرہ ہے مختصر سا اُس میں ایک قلعہ ہے جس میں ایک برج اور چند گھر ہیں ۔ امیران شریف مکہ کا قیدخانہ یہیں ہے ــــ جدہ میں اور دیگر بندرگاہوں میں نائب شریف مکہ کو وزیر اور دَولہ کہتے ہیں ــــ مکہ معظمہ یہاں سے براہ خشکی نو دن کا راستہ ہے چونکہ سورت کی کشتیوں کی واپسی کا موسم قریب پہونچ گیا ہے اور باد شمال شدت سے چل رہی ہے اس لئے کشتی کا جدے جانا موقوف ہو گیا اور صاحب کشتی اور دیگر حضرات کنفدا میں اُتر لئے ۔

بروز دوشنبہ ــــ سلخ رمضان کو ــــ فقیر بھی ایک سو دس دن سوار رہنے کے بعد کشتی سے اُتر آیا اور کرایے کے مکان میں رہنے لگا ۔

نماز عید الفطر

سہ شنبہ یکم شوال بروز عید ــــ مبارک نام وزیر کنفدا نماز عید کے لئے جنگل کو گیا ۔ ہم بھی اپنی جماعت کے ساتھ حاضر جماعت ہوئے ــــ میں چاہتا تھا کہ خطبہ آسانی سے سننے کے لئے خطیب کے پاس بیٹھنا میسر ہو جائے ۔ اتفاقاً وزیر نے مجھے بہت دور دھوپ میں بیٹھا دیکھ کر نزدیک بلا لیا اور سایے کے نیچے اپنی برابر جگہ دی ــــ قاضی نے امامت کی اور موافق مذہب شافعیؒ دونوں رکعتوں میں قبل قرأت سات سات تکبیریں کہیں ــــ بعد نماز، پسر قاضی نے خطبہ پڑھا بغایت فصیح تھا اور طویل بقدر ایک جزو کے تھا اس خطبے کے مضمون نے دل پر بہت اثر کیا ۔ بعد فراغت نماز دیکھا گیا کہ رسم معانقہ نہیں ہے بلکہ فقط ایک ہاتھ سے مصافحہ ہوتا ہے بعضے آئے اور سر وزیر کو بوسہ دیا ۔

۵ شوال ۔ بروز شنبہ ۔ شتران کرایہ پر سوار ہو کر بوقت شام کنفدا سے روانہ ہوئے

اس ملک میں یہ عادت ہے کہ دن کے آخری حصے میں سوار ہو کر تمام رات سفر کرتے ہیں، اور پیش از صبح یا بعد طلوع شمس ایسی منزلوں میں جہاں پانی ہوتا ہے اترتے ہیں۔ دن میں راستہ چلنا دشوار ہے اس لئے کہ باد سموم سے ہلاکت تک نوبت پہونچ جاتی ہے۔

یہاں دیکھا گیا ہے کہ اونٹ خود چلتا ہے اسکی مہار پکڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر پیادوں میں سے کوئی اونٹ کے آگے آگے چلتا ہے تو شتربان اس کو منع کرتا ہے کہ آگے نہ چل اونٹ راستہ بھول جائے گا۔ جب منزل آئی اگلا اونٹ بیٹھ گیا اور دوسرے اونٹ بھی اسکے بعد بیٹھ گئے۔

صبح پنجشنبہ ۱۰ ارشوال ـــ مرسا ابراہیم میں ـــ کہ ایک قریہ ہے ساحل بحر پر ـــ اترنے کا اتفاق ہوا ـــ ۱۲ ارشوال ـــ سعدیہ میں اترے ـــ یہاں پہاڑ کے نیچے ایک بڑا کنواں ہے۔ اس کا پانی اتنا میٹھا ہے کہ ملک یمن میں داخل ہونے کے دن سے اب تک ایسا پانی نہیں چکھا تھا۔

پہاڑ کے اوپر ایک قبر ہے۔ اور ایک قبے کے اندر ایک قبر ہے اور اسکے سرہانے پتھر کا کتبہ ہے۔ اسکے حروف فرسودہ ہونے کی وجہ سے اور تاریکی کے باعث پڑھے نہ جاسکے، اس قبر کو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ منازل بنی سعد (قوم سعدیہ رضی) یہیں ہیں ـــ اس سرزمین میں آبادی کا نام ونشان نہیں ہے ـــ مکہ معظمہ پہونچ کر علمائے عصر سے میں نے دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ سعدیہ اس موضع کا علم ہے۔ بنی سعد کی طرف نسبت نہیں ہے ـــ بنی سعد (قوم حلیمہ رضی) کے منازل ہوازن متصل حنین میں درمیان طائف ومکہ تھے اور حلیمہ سعدیہ رضی کی قبر، مدینہ منورہ میں جنت البقیع کے اندر ہے ـــ اسی سعدیہ میں یلملم واقع ہے جو کہ اہل یمن کا میقات ہے یہ ایک پہاڑ ہے ـــ اسی یلملم کے محاذ میں ہندوستان سے جدہ جانے والے کشتی سوار بھی احرام باندھتے ہیں ـــ دن کے آخری حصے میں اسی جگہ سے احرام باندھا گیا۔

مسجد سیدنا علی رضی یہاں سے مکہ کے راستے میں مسجد سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ ہے اسکے پاس ایک کنواں ہے۔ بعد احرام باندھنے کے فقیر پیادہ پا اس

مسجد میں آیا اور دوگانہ ادا کیا۔ بدویوں سے اس مسجد کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا یہ سیدنا علیؓ کی مسجد ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہ بتایا۔ لیکن فقیر کے دل میں یہ بات آئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب حجۃ الوداع میں مکہ معظمہ تشریف لائے، اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ یمن میں تھے ــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قصدِ حج کی خبر سن کر ھدی ساتھ لے کر یمن سے آئے اور مکہ میں آنحضرتؐ سے آکر مل گئے چونکہ انھوں نے یلملم سے احرام باندھا ہوگا اس لئے بقصدِ تبرک بعد کو اس جگہ مسجد بنادی ہے جب یہ بات مفتی عبدالملک سے کہی تو انھوں نے میری تائید کی۔

جمالِ کعبہ

سعہ یہ سے دو دن میں بوقت چاشت بروز دوشنبہ ۱۴ شوال کو مکہ معظمہ میں حاضری ہوئی، چونکہ چار کوس سے زیادہ پیادہ پا اور سر و پا برہنہ چلا تھا اور آفتاب بہت گرم تھا، سنگریزے اور ریگ راہ جل رہے تھے اس لئے بہت مشقت برداشت کی۔ لیکن دیدارِ جمالِ کعبہ سے تمام عمر کی کلفتوں کا ازالہ ہوگیا۔

؎ جمالِ کعبہ مگر عذرِ رہرواں خواہد کہ جانِ زندہ دلاں سوختہ دربیابانش

نمازِ ظہر حرم میں ادا کی ــ بعد طواف وسعی وحلق، احرام سے نکل آیا۔

اس مورد مسعود میں آنے کے وقت مشتاقانِ جمالِ مصطفویؐ کو مواضعِ اقدامِ نبویؐ کے مشاہدے سے اور آنحضرتؐ کے اس مقام پر رونق افروز ہونے کے تصور سے دل میں وہ نور اور باطن میں وہ سرور پیدا ہوتا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔

؎ تو بہر رہے کہ رفتی بہم سرِ خود آنجا بامید آنکہ روزے قدمے نہادہ باشی

طالبِ صادق پر کہ جس کی چشمِ بصیرت، کحلِ ہدایت سے سرگیں ہو اور اس کا دیدۂ باطن نورِ عنایت سے منور ہو ـــــ یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ تمام حرمین اور اس کے نواحی کے پہاڑوں، جنگلوں، وادیوں اور مکانوں میں جو کہ منظورِ نظرِ سعادت اثر رہے ہیں اور ناظرِ جمالِ بہجت مآل ہوئے ہیں ـــــ کس قدر نورانیت و روحانیت جمالِ محمدیؐ کے اثر سے نمایاں ہے۔

؎ بہر زمیں کہ نسیمے زِ زلف آوردہ است ہنوز از دمِ آں بوئے عشق می آید

خدا کا شکر ہے کہ پنجگانہ نمازیں مسجد الحرام میں ادا کی جارہی ہیں۔

مسجد الحرام میں مذاہب اربعہ کی جماعتیں

مدتوں سے اہل مکہ کی قرارداد یہ ہے کہ نماز فجر اوّل شافعی امام پڑھائے اور بعد سلام شافعی، مالکی اقامت کہے اور بعد مالکی کے حنبلی اور بعد حنبلی، حنفی ـــ ظہر، عصر اور عشاء میں مالکی ابتدا کرتا ہے اسکے بعد شافعی اسکے بعد حنفی ـــ اور مغرب میں حنفی ابتدا کرتا ہے اسکے بعد شافعی پڑھتا ہے ـــ مالکی کی مغرب اور حنبلی کی علاوہ فجر کے باقی چار نمازیں دوسروں کے تابع ہیں۔ ان وقتوں میں ان کی جماعت جُدا نہیں ہوتی ہے ـــ ان تمام نمازوں میں ایک کا سلام اور دوسرے کی اقامت متصل ہوتی ہے مگر فجر میں کہ حنفی بعد سلام حنبلی، اسفار تک تاخیر کرتا ہے اور باقی نمازیں حنفی، اوائل اوقات میں پڑھتا ہے۔ اور اکثر مصلی اس بات کے مقید نہیں ہیں کہ اپنے ہم مذہب امام ہی کی اقتدا میں نماز ادا کریں ـــ جو جماعت بھی پہلے ہوتی ہے اسکے ساتھ پڑھتے ہیں، لیکن بعض متعصب اپنے امام کے منتظر بیٹھے رہتے ہیں اس بارے میں علماء کا بھی اختلاف ہے اور مخالفِ مذہب، امام کی اقتدا میں جواز و عدم جواز کے اندر بہت سے رسالے تحریر کئے گئے ہیں، فقیر نے اُن رسائل کا مطالعہ کیا ہے ـــ خلاصہ ان رسالوں کا یہ ہے کہ صدرِ اوّل میں صحابہ و تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ کے زمانے میں اور اُن کے بعد بھی حرمین میں اور دیگر بلاد میں تعددِ جماعات نہ تھا اور تمام مسلمان ایک امام کی اقتدا کرتے تھے جس مسلک کا بھی وہ ہوتا ـــ اور اب تک نمازِ جمعہ اس مدعا پر شاہدِ عدل باقی رہ گئی ہے۔ یہ تعددِ جماعات، تفرقۂ مصلی جات اور اپنے ہم مسلک کے اقتداء کی قید ایک بدعت ہے جو صدرِ اوّل کے بعد متعصبانِ مذاہب نے اختراع کی ہے۔ طرفین کے محققین کا مختار مسلک یہ ہے کہ مخالفِ مذہب کے پیچھے بھی اقتدا جائز ہے ـــ محققین نے کہا ہے کہ امامِ مخالفِ مذہب اگر مراعاتِ مواضعِ خلاف کرتا ہے تو اسکی اقتداء بلا کراہت صحیح ہے اور اگر رعایت نہیں کرتا اور مقتدی جانتا ہے کہ اس نماز میں امام نے میرے مذہب کے خلاف، ارتکاب کیا ہے تو بعضوں نے ایسی صورت میں بھی اقتداء کو جائز رکھا ہے اور بعض نے اس صورت میں عدم جوازِ اقتداء کے قائل ہوئے ہیں ـــ فقیر نے بعض ائمہ مکہ سے سُنا کہ حرمین میں ائمہ چہار مذاہب، باب طہارت

یہ تمام مذاہب کی رعایت کرتے ہیں اور ان امور میں تنازع نہیں کرتے نہ سلطان کی طرف سے تاکید اس عادت پر مامور ہیں اور اس بارے میں مچلکے لکھ کر دیوانِ سلطان کے سپرد کئے ہیں تاکہ بالاتفاق سب کی نمازیں شائبۂ کراہت سے خالی ہوں۔ اس زمانے میں علماء وقت کی عادت یہ ہے کہ جو جماعت بھی حاضر ہو اس کے ساتھ نماز ادا کرلیتے ہیں مفتی عبدالملک حنفی سے — جو کہ اکابر علماء عصر میں سے ہیں — میں نے یہ مسئلہ دریافت کیا، انہوں نے فرمایا کہ ہم ہر جماعت کے ساتھ جس کو پہلے پالیتے ہیں نماز پڑھ لیتے ہیں — پانچوں وقت کی جماعت میں زیادہ کثرت جماعتِ حنفی میں ہوتی ہے۔ خصوصاً مغرب میں کہ گرداگرد بیت اللہ صفوف متعددہ کھڑی ہوتی ہیں — جماعتِ شافعیہ میں بھی کثرت ہوتی ہے لیکن حنفیہ کے برابر نہیں۔ اور جماعتِ مالکی میں بھی بسبب اس کے کہ تین نمازوں میں وہ ابتدا کرتے ہیں خصوصاً نماز عشاء میں — ہجوم ہوتا ہے — مصلائے حنبلی پر فقط نماز فجر ہوتی ہے اس میں دیکھا جاتا ہے کہ کم و بیش بیس آدمی ہوتے ہوں گے —

مسجد الحرام میں یہ ہجوم مردم جماعت کی نمازوں میں خصوصاً ایام حج میں بالخصوص جمعہ اور مغرب میں — جو ہوتا ہے معمورۂ عالم میں کسی جگہ نہ ہوتا ہوگا — بارہا ایسا ہوا کہ جب نظر کثرتِ مردم پر اور اس بات پر ہوئی کہ ان میں سے ہر ایک کی توجہ، بیت اللہ کی جانب ہے اور یقین سے جانا کہ اس مجمعِ عظیم میں چند اشخاص ضرور، خواص بندگانِ خدا میں سے ہوں گے تو اس جماعتِ کثیر کو وسیلہ بنایا اور درگاہِ حق سے خیرِ دارین چاہی —

عالمِ تصور

ایک رات طواف میں تھا اور ہجوم بہت تھا، میں نے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور کیا کہ آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام، طواف فرما رہے ہیں اور جماعت صحابہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف کر رہی ہے اور میں آنحضرتؐ کے طفیل میں اس مجمع کے اندر حاضر ہوں — ایک روز پیشِ دروازۂ بیت اللہ کھڑا ہوا دعا کر رہا تھا کہ قصہ روزِ فتح مکہ اپنے دل میں یاد کیا اور تصور کیا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دروازۂ بیت اللہ پر کھڑے ہیں، اور صحابۂ کرامؓ حسبِ مرتبہ و مقام، حاضرِ خدمتِ اقدس ہیں اس وقت کفارِ قریش ترساں و ہراساں حاضر ہوئے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ان کو معاف فرما دیا ہے اس کیفیت کے پیدا ہونے پر میں نے بتوسلِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت حق جل مجدہٗ کی

جناب میں اپنے لئے اور اپنے جمیع اقارب واحباب کی مغفرت اور قضاء حوائج دارین کے لئے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اس دعا کو قبول فرمائے گا۔

؎ دوستاں را کجا کُنی محروم   تو کہ با دشمناں نظر داری

دروازہ بیت اللہ پر بیشتر اوقات، فقیر، باب کعبہ پر کھڑا ہوتا تھا اور سر آستانے پر رکھ کر یہ شعر پڑھتا تھا۔

؎ جز آستانِ توام در جہاں پناہے نیست
سر مرا بجز ایں در حوالہ گاہے نیست

اور کبھی کبھی اثنائے طواف میں اور دروازہ بیت اللہ کے سامنے اور ملتزم کے قریب نظامی علیہ الرحمۃ کے ان اشعار سے لذت حاصل ہوتی تھی:۔

اے عقلِ مرا کفایت از تو   جُستن زمن و عنایت از تو
من بیدل و راہ بیم ناک است   چو راہ نما توئی چہ باک است
یک ذرہ ز کیمیائے اخلاص   گر بر مسِ من نہی شوم خاص
از خوانِ تو با نعیم تر چیست   وز حضرتِ تو کریم تر کیست؟

یارب دلِ پاک، جانِ آگاہم دہ   آہِ شب و گریۂ سحرگاہم دہ
از یادِ خود اوّل ز خودم بیخود کن   وانگہ بخود ز خود بخود راہم دہ

داخلئ بیت اللہ پنجشنبہ ۵ ذی قعدہ کو عام داخلی بیت اللہ ہوئی یہ ضعیف بھی اس سعادت سے بہرہ اندوز ہوا اور اندرون بیت اللہ اپنے لئے اور اپنے تمام اقارب واحباب، احیاء و اموات کے لئے حضرت واہب العطیات سے مغفرت و رحمت اور خیر دارین کا سوال کیا ــــ قاضی الحاجات سے امید قبولیت ہے ویسے ہی تمام اماکنِ شریفہ، مواقفِ رفیعہ اور اوقاتِ مرجوۃ الاجابۃ (وہ اوقات

؎ بمعنی تانبہ۔

جن میں قبولیت کی خاص امید ہو) میں دعا کے اندر میں نے بخل نہیں کیا تمام عزیزوں، دوستوں اور ذوی الحقوق کے لئے نام بہ نام تفصیلاً اور بغیر نام کے مجملاً دعا کی۔ واللہ المجیب ـــــ

تمام سال میں آٹھ بار بیت اللہ کے اندر مردوں کی عام داخلی ہوتی ہے۔ (۱) روز عاشورہ (۲) ۱۲ ربیع الاول۔ (۳) و (۴) دوبار رجب میں ـــــ (۵) ۱۵ شعبان (۶) و (۷) اول و آخر جمعہ رمضان۔ (۸) ۱۵ ذی قعدہ ـــــ ان ایام کے دوسرے دن عورتوں کی داخلی ہوتی ہے۔

خواب میں دیدار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے جن کا شکر اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کی رو سے لازم ہے یہ انعام خاص بھی ہے کہ ـــــ یک شنبہ کو تاریخ ۲۰ شوال ـــــ حرم میں نماز صبح کے اور مقام ابراہیم میں تلاوت قرآن کے بعد زمزم کی طرف گیا اور سقّے کو راضی کر کے کنوئیں کے اوپر آیا اور پانی پر نظر ڈالی کہ اس کو بھی عبادت شمار کیا گیا ہے ـــــ اور ڈول اپنے ہاتھ سے نکالا اور بموجب حدیث خوب چھک کر زمزم پیا اور اپنی منزل پر آیا، قیلولہ کیا ـــــ خواب میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک راستہ پر چل رہے ہیں اور میں پیچھے پیچھے چل رہا ہوں اور قصد کر رہا ہوں کہ نشان قدم مبارک پر چلوں اسی اثنا میں آنحضرتؐ نے چلنے میں جلدی کی اور ور دن پردہ تشریف لے گئے۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم دی کہ توقف فرمائیے اور میری آرزو کو پورا کیجئے ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر طلب فرمالیا، حاضر ہوا اور التماس کیا کہ میری آرزو یہ ہے کہ کف پائے مبارک کو بوسہ دوں ـــــ بمقتضائے کرم پائے مبارک کو دراز فرمایا، میں نے کف پا کو بوسہ دیا اور دونوں آنکھوں سے اس کو ملا ـــــ اسکے بعد جو عنایات فرمائیں احقر اپنے کو ان عنایات کے لائق نہیں سمجھتا تھا اور ان عنایات کا اظہار بھی مصلحت وقت نہیں۔

ع۔ شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

اسی طرح کی خواب ۱۰ رجب کو ـــــ جبکہ جہاز سقوطرہ کے قریب تھا ـــــ دیکھی تھی لیکن وہ مجمل تھی اور یہ مفصل ـــــ اور ایک بار راہ کوہستان میں یہ سعادت حاصل ہوئی تھی اور

مدینہ منورہ پہونچنے کے بعد شب چہار دہم ربیع الثانی کو بھی یہ سعادت میسر ہوئی اس میں بھی عجیب شان اور عجیب کیفیت تھی۔

منا، عرفات اور مزدلفے میں حاضری

۵ ذی الحجہ کو زمزم شریف پر غسل کرکے زیر میزاب رحمت احرام باندھا۔ ۶ ذی الحجہ کی شب میں سعی صفا و مروہ سے فراغت حاصل ہوئی۔ یوم الترویہ (۸ ذی الحجہ) میں جمعہ کے دن نماز جمعہ مسجد الحرام میں پڑھ کر منا کو روانگی ہوئی۔ بوقت عصر منا میں پہونچنا ہوا۔ تھوڑے سے حاجیوں کے علاوہ تمام حجاج اسی روز عرفات کو روانہ ہو جاتے ہیں اور منا کی شب گزاری جو کہ سنت ہے ترک کر دیتے ہیں ــــ احقر نے منا میں مسجد خیف کے اندر رات گزاری صبح کو عرفات روانہ ہوا اور بعد ادائے ظہر و عصر جمع تقدیم (در مسجد ابراہیم) متوجہ جبل رحمت ہوا اور ایک چبوترے پر متصل امام شام تک وقوف کیا، اس وقت عجیب حال مشاہدے میں آیا کہ جم غفیر، صغیر و کبیر، غنی و فقیر کا جن کا شمار سوائے علیم و خبیر کوئی نہیں جانتا ــــ اس موقف میں حاضر اور دست بدعا تھا آنکھیں گریہ و زاری میں اور دل بیقراری میں تھے۔ وہ عرصۂ قیامت کا ایک نمونہ تھا اور عرفات سے مسجد الحرام کو لوٹنا اہل قیامت کا محشر سے جنت دار السلام میں لوٹنے کے مشابہ تھا۔ بعد غروب شمس، عرفات سے روانہ ہو کر مزدلفہ میں رہا مغرب کو عشا کے ساتھ ملا کر پڑھا اور یوم النحر کی چاشت میں منا پہونچا ــــ بعد رمی و ذبح و حلق ــــ برائے طواف زیارت، حرم شریف آیا۔ بعد از طواف، داخلی خاص سے بھی مشرف ہوا ــــ اس دن شیبی، صاحب المفتاح دروازۂ کعبہ کھولتے ہیں۔ بعض لوگوں سے حق المفتاح لیتے ہیں اور ان کو اندرون بیت اللہ پہونچاتے ہیں۔ فقیر، ظہر و عصر مسجد الحرام میں پڑھ کر منا واپس آگیا اور روز نفر ۱۲ ذی الحجہ کو بعد رمی جمار، منا سے روانہ ہوا، اور محصّب میں اس جگہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی نماز عصر پڑھی ــــ محصب میں اب ایک مسجد ہے اور صحن مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محل نزول تھا، وہاں ایک علامت بنا دی ہے اس جگہ نزول و توقف سنت ہے نماز شام مسجد الحرام میں آکر پڑھی اور دو صالح آدمیوں سے بہ نیابت والدین حج کرایا،

اور خود بھی از طرف والدین اور بعض دیگر ذوی الحقوق کی طرف سے طواف ہائے مکرر ادا عمل کر گئے

نہر زبیدہ

یہ نہر ـــــ زبیدہ زوجہ ہارون رشید خلیفۂ عباسی نے بنوائی ہے اس نہر کا بڑا فیض ہے (جس کی تفصیل بھی درج کی ہے) ـــــ صاحب تاریخ مکہ نے لکھا ہے کہ اس خیر جاری پر زبیدہ نے سترہ لاکھ اشرفیاں خرچ کیں اور جب کارندوں نے اس کام کی فراغت کے بعد نہر کا حساب، بغداد میں پیش کیا زبیدہ اس وقت دجلہ کے کنارے بیٹھی تھیں حساب کے دفتر کو دریا میں یہ کہہ کر ڈال دیا۔ ترکنا الحساب لیوم الحساب ـــــ ہم نے حساب یوم الحساب کی خاطر چھوڑا ـــــ یہ بھی کہا کہ جس شخص کے پاس ہمارا کچھ رہ گیا ہو ہم نے اس کو معاف کیا اور جس کسی کا حق ہمارے اوپر باقی رہا ہو وہ آئے اور لے جائے یہ کہا اور سب کو خلعت و انعام دیا ـــــ اور یہ خیر جاری اپنے بعد یادگاری چھوڑی۔

سلاطین اسلام اور حرمین شریفین

جو کچھ سلاطین و ملوک زمانہ ماضی نے ـــــ خیرات و صدقات، تعین وظائف و اوقاف اور بنائے مدارس و مساجد نیز خانقاہات و رباطات کا انتظام حرمین شریفین میں کیا ہے ـــــ کتب تاریخ کے مطالعہ کے بعد اس انتظام سے واقف ہو کر عقل دنگ رہ جاتی ہے، تمام ملک مصر بعض توابع شام کے ساتھ بادشاہ روم کی طرف سے حرمین شریفین پر وقف ہے۔ اگرچہ وہاں کے حاکم ادائے مال واجب میں کوتاہی کرتے ہیں تاہم جو کچھ اب بھی پہونچتا ہو اور خدام دائمہ، موذنین و مدرسین اور قضاۃ و مفتیین اور دیگر ساکنین حرم پاور فرش و قنادیل میں صرف ہوتا ہے وہ ایک بڑی رقم ہے ـــــ مکہ معظمہ میں ۵۰ حنفی اماموں، ۵۰ شافعی اور اسی قدر یعنی ۱۵ مالکی اور دو ایک حنبلی اماموں کو ـــــ وظیفہ سلطان کی طرف سے معین ہے ـــــ سوائے موذنین و مکبرین و مذکورین و دیگر اہل خدمت کے اس سال صوبہ دار مصر کے وکلا نے بعد حج چند روز تک حرم شریف میں لوگوں کو وظائف تقسیم کئے ـــــ ہر روز زیر سرخ کے انبار ان وکلا کے پاس رکھے جاتے تھے اور شام تک تقسیم ہو جاتے تھے۔ اُن بدویوں اور اعراب کے وظائف بھی جو راہ شام و مدینہ و مکہ

ساکن ہیں۔ مقرر ہیں۔ تاکہ وہ حجاج کے قافلوں کو سلامتی سے پہونچادیں۔ یہ دولت سعادت تمام دُنیا کے بادشاہوں میں سے اللہ تعالیٰ نے بادشاہ روم (سلطان ترکی) کے حصے میں رکھی ہے۔ اس وقت سلطان عبدالحمید خاں شاہ روم ہیں۔ خدمت حرمین کی برکت سے اور حرمین کے باشندوں کی دعا سے ابھی تک اس بادشاہ کے خاندان کی شان و شوکت، مثل روز اوّل باقی ہے۔ ۶۹۹ھ سے لے کر جب کہ اُن کے جد اعلیٰ عثمان ترکمان نے ملک روم پر غلبہ پایا تھا۔ اب تک کہ عبدالحمید خاں بادشاہ ہیں۔ پانچسو دو (۵۰۲) سال گزر چکے ہیں مگر ارکان سلطنت میں کوئی ضعف و تزلزل واقع نہیں ہوا۔ ہمیشہ کفار سے غزوہ و جہاد کرتے رہتے ہیں اور فتح و ظفر کا جھنڈا اونچا رہتا ہے۔ اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ اعمال خیر یعنی صلوۃ و صیام اور صدقہ وغیرہ کا ثواب، حرمین میں چند در چند ہو جاتا ہے دوسرے مقامات کے مقابلے میں۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں ایک لاکھ کا ثواب ہے اور مدینہ منورہ میں دس ہزار کا۔ قطع نظر اس کے اُن لوگوں پر احسان و انعام کا اجر، جو مجاورت خدا و رسول خدا اختیار کئے ہوئے ہیں، بہت ہی بڑا ہے۔

دیگر ملوک و امراء

دیگر ملوک و امرا بھی بقدر حال، توفیق خدمت اہل حرمین رکھتے ہیں۔ مثلاً تیمور شاہ، نصیر خاں بلوچ، نظام علی خاں اور دیگر امرائے دکن اکثر یہاں صدقات بھیجتے رہتے ہیں۔ محمد علی خاں ہر سال دو لاکھ بھیجتے تھے اہل حرمین ان کے لئے دُعا گو ہیں۔ بادشاہ مغرب نے امسال برائے حرمین و دیگر شرفاء و اہل بدو۔ جو کہ حرمین سے یمن تک ساکن ہیں۔ ایک رقم کثیر بھیجی ہے جو کہ تقسیم ہوئی، فقیر نے دیکھا کہ ان مغربی درہموں پر ایک طرف الذین یکنزون الذھب والفضۃ الآیۃ آیت قرآنی نقش تھی۔

حرمین شریفین اور سلاطین ہندوستان

سلاطین ہندوستان ہر سال ایک بڑی رقم حرمین بھیجتے تھے۔ تین بڑے شاہی جہاز، حجاج کے پہونچانے کے لئے مقرر تھے ان کا خرچ سرکار بادشاہ کی طرف سے

ہوتا تھا ــــ محمد شاہ نے اپنے ایام سلطنت میں ــــ باوجود امور مملکت میں غفلت کے ــــ اس بارے میں تاکید رکھی ــــ بعد محمد شاہ کے ہمارے زمانے کے ہندوستانی بادشاہوں و امیروں میں سے کسی کو خدمت حرمین کی سعادت نصیب نہیں ہوئی، نہ یہاں کے کسی بادشاہ و امیر کا نام حرمین میں اس سلسلے میں لیا جاتا ہے ــــ جن رئیسوں نے علم صرف کا کوئی حرف نہیں پڑھا اور علم نحو میں بھی فقط منع صرف کا مسئلہ پڑھا ہے وہ روپیہ جمع کرتے رہتے ہیں اور اس کا وبال اپنے ساتھ لیجاتے ہیں آخر کار ان کا اندوختہ نصیب فرنگی و مرہٹہ ہوجاتا ہے

۵ کریماں را بدست اندر درم نیست خداوندان نعمت را کرم نیست

مکہ معظمہ میں کثرتِ رزق یہ وادی غیر ذی زرع تمام تر کوہستان ہے اس جگہ نہ میوہ دار اور سایہ دار درخت ہے، نہ کھیتی باڑی ہے حق سبحانہ نے دعائے ابراہیمی، وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ (ان کو پھلوں سے رزق دینا) کو قبول فرمایا ــــ طائف اور دیگر نواحی سے اس قدر میوہ ہر قسم کا ہر موسم میں مکہ میں آتا ہے کہ افراط کے ساتھ مل جاتا ہے خصوصاً، انگور، انار، اور تربوز و سفر جل ــــ ایک دن ایک معتمد سوداگر نے ذکر کیا کہ آج ایک سو چھتر اونٹ تربوز سے لدے ہوئے بازار مکہ میں آئے اور شام تک سب فروخت ہوگئے ایک تربوز باقی نہ رہا ــــ یہاں گیہوں مصر اور ہندوستان سے کشتی کے ذریعے چاول بھی ہندوستان اور مصر سے اور پھل حجاز، یمن اور مسقط سے آتا ہے ــــ بفضلہ تعالےٰ نرخ غلّہ امسال بہت ارزاں ہے، اہلِ مکہ کہتے ہیں کہ ایسی ارزانی سالہا سال کے بعد ہوئی ہے ایک ریال کا نو کیل گندم آتا ہے جو ہمارے شہر (مراد آباد) کے اعتبار سے ایک روپیہ کا نو سیر پختہ ہوتا ہے ــ یہاں دوسری چیزیں، کپڑا، برتن جواہرات اور اسکے علاوہ جتنی چاہیں اور جہاں سے چاہیں مل جاتی ہیں ــــ غلامان و کنیزان حبشی بھی نخاس میں فروخت ہوتے ہیں۔

منظرِ منا منا کا منظر بھی عجیب ہے نفیس نفیس کپڑوں کے تھان اور عجیب عجیب اور تحفہ تحفہ چیزیں اور عمدہ برتن اور بہترین پھل اتنے کہ کبھی خیال میں نہیں سما سکتے اور قوت متخیلہ اس کو میزانِ قیاس میں نہیں تول سکتی ــ وہاں موجود ہیں ــــ جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے :-

بوسۂ منا آو کرامت بہ ہیں — گرمیٔ بازار قیامت بہ ہیں
بسکہ زدہ نعرہ جوش وخروش — (بہا) کر بود از غلغلۂ خلق گوش
بسکہ بہم ریختہ ہمیانِ زر — گشتہ دکانہائے منا کانِ زر
اشرفیٔ سرخ کہ آتش وش است — گرمیٔ بازارش ازاں آتش است

منا اور عرفات میں، کثرتِ مردم وحیوانات خصوصاً اونٹوں کی کثرت اس حد تک پہونچ جاتی ہے کہ اُن کا شمار سوائے علام الغیوب کے کوئی نہیں جانتا جس طرف نظر کریں آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں۔

شرفائے مکہ

شرفائے مکہ، کہ چند صدیاں سے حکومت وسلطنت اس ملک کی ان کے دستِ تصرف میں ہے، سادات حسنی ہیں سب اہلِ سنت وجماعت ہیں اور ان میں سے بعض کو زیدیہ وبنی زید کہتے ہیں۔ یہ ان کے جدِ اعلیٰ کی طرف نسبت ہے جو شریف زید بن حسن تھے۔ زیدیہ مذہب سے ان شرفاء کو کچھ نسبت نہیں ہے۔ ان میں اکثر وبیشتر حنفی ہیں۔

شریف سرور

اس وقت شریف سرور بن مساعد شریفِ مکہ ہیں۔ سترہ سال ہوئے کہ انکے باپ مساعد نے وفات پائی اور ان کے بھائی احمد اُن کی جگہ بیٹھے۔ سرور شریف اس وقت خورد سالی کے عالم میں بمقتضائے شجاعتِ جبلی وجرأت خداداد، مکہ سے بھاگ کر جدہ پہونچ گئے، رفتہ رفتہ وہاں ایک فوج فراہم کی، اور چند بار چچا سے محاربہ کیا، بالآخر غالب ہوئے اور چچا کو قید کر کے مسندِ حکومت پر بیٹھ گئے۔ روز بروز ان کا اقبال ترقی پر ہے عرب کے سرداروں کو جو اُن کے آباؤ اجداد سے لڑتے رہتے تھے۔ مطیع کر لیا ہے اور اس وقت سے اس وقت تک کہ سترہ سال گذر چکے ہیں بتائید وتوفیق الٰہی، عدل وانصاف کو اپنا دستور العمل بنائے ہوئے ہیں۔

لہ دراصل شرفائے مکہ کا نسبی تعلق زید بن حسن بن علیؓ سے نہیں ہے وہ موسیٰ الجون ابن عبداللہ ابن حسن مثنیٰ بن حسن کی اولاد ہیں۔

اپنی ہمت کو رفاہ خلق، معموری بلاد اور ازالہ رسوم ظلم و فساد میں مصروف رکھتے ہیں۔ اور اُن بیجا جرمانوں کو جو زمانہ سابق میں خصوصاً اُن کے باپ شریف عبدالمطلب(؟) کے زمانے میں تھے ـــ موقوف کر دیا ہے ـــ ارباب ظلم اور رہزنوں کو خوب سزائیں دی ہیں حتّٰے اپنے خاندان والوں کو ـــ جو کہ بلندی و برتری کے زعم میں سرزمین حرم میں مسافروں اور غریبوں کو جور و ایذا پہونچاتے تھے ـــ اور اکثر ظالمین قدیم کو جو اُن کے باپ کے زمانے میں شیوۂ ظلم و تعدی بر پا کئے ہوئے تھے ـــ شریف سرور نے جہان سے ختم کر دیا ہے ان کے حُسن نیت کی وجہ سے اُن کے ملک کی راہیں مامون و محفوظ ہیں۔ کسی بدوی کی مجال نہیں کہ غربا و مساکین پر ظلم کر سکے ـــ حاجی اور زائر لوگ فارغ البال ہو کر راستہ چلتے ہیں اور اہل مکہ امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں ـــ شریف سرور کی جد و جہد اور ظالمین و مفسدین کے قلع قمع کرنے کی حکایتیں مشہور ہیں ـــ اللہ تعالےٰ اپنے دین کی نصرت اور مخلوق کی رفاہیت کے لئے ان کی غیبی تائید فرمائے۔

شریف سرور نے سعی بلیغ کر کے چند سال سے مدینہ منورہ کو بھی اپنے زیر تصرف کر لیا ہے اور وہاں کے باشندوں پر بہت کچھ انعام و احسان کئے ہیں ـــ ان کے آباء و اجداد کے زمانے میں سوائے اسکے کہ شریف کا خطبے میں نام ہوتا تھا اور بیت المال پر ایک نائب مقرر ہوتا تھا ـــ مدینہ منورہ پر اور کوئی تصرف و اختیار نہ تھا ـــ اب شیخ الحرم، لشکری، شہری اور بدوی کسی کی مجال نہیں کہ شریف کی خلاف ورزی کر سکے۔

شریف سرور کے دیگر اوصاف حمیدہ

شریف سرور ہر روز نماز صبح حرم میں جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اسکے بعد طواف کرتے ہیں اس وقت غلام اور نوکر کوئی ساتھ نہیں ہوتا عام مخلوق خدا کے ساتھ طواف بیت اللہ کرتے ہیں اس طرح کہ جو اُن سے واقف نہ ہو وہ جان بھی نہیں سکتا کہ یہ شریف مکہ ہیں ـــ طواف کرتے کرتے جب حجر اسود کے قریب آتے ہیں اور ہجوم مردم وہاں ہوتا ہے تو یہ کھڑے رہتے ہیں جب موقع دیکھتے ہیں استلام حجر کرتے ہیں۔ کوئی اس کام کے لئے مقرر نہیں کہ ہٹو بچو کرے اور مسافروں کو اُن تک آنے سے روکے ـــ یہ امور اُن کے سعادت و اقبال کے آثار ہیں۔

ویسے جاہ و شوکتِ ظاہری، مثل دیگر بادشاہوں کے رکھتے ہیں اور تمکین و وقار ان پر غالب ہے سوائے قاضی اور مفتی کے اُن کی مجلس میں اور کوئی نہیں بیٹھ سکتا۔

ایک دن فقیر بعد فراغ طواف، نزدیک ملتزم آیا۔ دیکھا کہ شریف سرور، بیت اللہ کے دروازے کے پاس کھڑے ہوئے اور خانۂ کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے بہ نیاز تمام دعا کرتے ہیں۔ اور دیگر غربار وفقرا رہے جو اس وقت اس مقام میں تھے کچھ بھی امتیاز نہیں رکھتے۔ اس وقت اس احقر کے دل پر عظمتِ ربُّ البیت کا اس قدر غلبہ ہوا کہ متاع دنیا اور اہل دنیا کی تحقیر دل میں بیٹھ گئی۔

؎ درویش و غنی بندۂ ایں خاک درند   آنانکہ غنی تر اند محتاج تر اند

وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ۔

علماء و اکابر مکہ

(۱) مولانا سید محمدی مغربی۔ سید ابو الحسن شاذلیؒ کے خاندان سے ہیں۔ ان کے بہت مریدین ہیں، تمام اہلِ مغرب خواہ اغنیاء ہوں خواہ فقرا، ان کی انتہائی تعظیم کرتے ہیں۔ بیس سال سے مجاورِ حرم مکہ ہیں۔ آثار بزرگی ان کی پیشانی سے ظاہر ہیں۔ فقیر کی اُن سے چند بار ملاقات ہوئی۔ میرے حال پر مہربانی و لطف فرماتے ہیں۔ حزب البحر، حزب البراد، دیگر احزاب، اذکار اور اور اورادِ شاذلیہ کی اجازت انھوں نے مجھے عنایت فرمائی اپنے ہاتھ سے اجازت نامہ لکھا اور دعا کی اللہ تعالےٰ قبول فرمائے۔ ایک دن بعدِ حج اُن کے پاس مسجد الحرام میں بیٹھا تھا وہ میرا حال دریافت کر رہے تھے میں نے مجملاً اپنی سرگزشت ان کو سنائی۔ فرمایا۔ اب کیا ارادہ ہے؟ میں نے کہا کہ ایک عشرے کے بعد مدینہ منورہ جانے کا ارادہ کر رہا ہوں وہاں زیارتِ روضۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف اندوز ہوں گا، فرمایا بعد حصولِ زیارت اپنے وطن کو لوٹ جاؤگے؟ میں نے کہا یا سیدی۔ میں مدینہ منورہ سے لوٹنا نہیں چاہتا۔ میری تمنا ہے کہ وہیں مجاورت اختیار کروں اور موت وہیں آئے لیکن حکم خدا غالب ہے میں نے اپنے معاملے کو اللہ تعالےٰ کے سپرد کر دیا ہے۔ اس کے ارادے پر میں راضی ہوں۔ سید حسین مفتی مالکی اس وقت اُن کے برابر بیٹھے تھے، اُن سے فرمایا۔ اس شخص کو

شوقِ زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیقرار کر دیا ہے اور یہ شوق دور دراز وطن سے اس عمر میں یہاں کھینچ لایا ہے۔ پھر دونوں نے میرے لئے دعا کی ــــ ایک اور دن بھی حرم میں ایک مکی نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں بیس سال سے مکہ معظمہ میں رہتا ہوں مجھے اہل ہند میں سے کسی سے اس شخص کے علاوہ انس نہیں ہوا۔ یہ شخص ایسا ہے ایسا ہے کہہ کر میری تعریف کی۔

(۲) مفتی عبد الملک حنفی ــــ اپنے زمانے کے اکابر علما میں سے ہیں۔ علوم دینیہ میں مرتبۂ عالی رکھتے ہیں ــــ بسبب ہمسائگی میری ان سے ملاقات رہتی تھی۔

(۳) مفتی عبد الغنی شافعی ــــ ہنا میں فقیر کی ان سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ایک مسئلہ ان سے دریافت کیا تو انھوں نے مجھ سے معلوم کیا کہ اس سے پہلے بھی حج کو آئے تھے میں نے کہا کہ پہلی مرتبہ آیا ہوں ــــ اس بات سے تعجب کیا اور ساتھیوں سے کہا کہ پہلے ہی سفر میں عربی کے اندر ان کا اس قدر تکلم ــــ یہ عجیب بات ہے۔

(۴) ملا میر داد ــــ ان کی اصل پنجاب ہے ــــ خود مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے ہیں ــــ فنِ قراءت میں اس زمانے میں یہاں ان کا نظیر نہیں ہے ــــ حسن اخلاق میں بے بدل ہیں اور علوم حدیث وغیرہ میں بہرۂ تام رکھتے ہیں۔

(۵) مولوی محب اللہ شاگرد مولوی عبد العلی ــــ چند سال سے مجاورِ حرم مکہ ہیں تمام علوم میں متبحر اور اخلاق مرضیہ سے متصف ہیں۔

طریقۂ درس

یہاں کے علماء کا طریقہ یہ ہے کہ تلامذہ، حلقہ کر کے پیشِ استاد بیٹھتے ہیں۔ اور استاد کتاب کو خود اپنے ہاتھ میں لے کر پڑھتا ہے اور تقریر مطلب کرتا ہے اگر کوئی شاگرد شبہ ظاہر کرتا ہے تو اس کا جواب دیتا ہے ــــ شاگرد کی قراءت کرنے کا رواج کم ہے ــــ ایک دن مسجد حرام میں متصل باب السلام ایک شخص کو بیٹھا دیکھا اسکے گرد ایک جماعت حلقہ کئے ہوئے مؤدب بیٹھی تھی وہ اس جماعت سے ایک مسلسل کلام بزبان فصیح و بآوازِ خوش تقریر کر رہا تھا اور پوری جماعت خاموش بیٹھی سُن رہی تھی، چونکہ میں نے ایسی مجلسِ درس نہیں دیکھی تھی اسلئے سمجھا کہ کوئی وعظ کہہ رہا ہے یا دعا مانگ رہا ہے۔

پھر جب یہ معلوم ہوا کہ یہ مفتی عبد الغنی ہیں درس دے رہے ہیں۔ میں اُن کے حلقے کے پاس گیا اور وہاں کے پیچھے بیٹھ گیا کتاب فقہ کا باب الصلوٰۃ سے درس دے رہے تھے۔

(۹) سید عقیل ـــــ ان کے دعویٰ مہدویت یا نیابت مہدی کی خبر بلاد ہند میں سنی گئی تھی یہ ایک عالم ہیں تصانیف رکھتے ہیں ان کے توابع بھی ہیں اور یہ ظاہری ثروت بھی رکھتے ہیں ـــ گذر اوقات تجارت سے ہے ـــ چند بار عوام بدو اور جہال ہند، ان کے معتقد ہو گئے ہیں اور ہجوم کیا ہے ـــ شریف سرور نے فتنے کے اندیشے سے ان کی جماعت کو منتشر کر دیا ہے لیکن خود اُن سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے۔ اُن کا گھر درون باب ابراہیم، حرم میں ہے ـــ چند سال سے بیرون دروازہ حرم نہیں نکلتے بلکہ حج کے لئے بھی نہیں نکلتے ـــــ شام کو برائے نماز حرم میں آتے ہیں اور تنہا نماز پڑھتے ہیں ـــ اس بارے میں شریف نے ان پر اعتراض کیا تھا انھوں نے اس کا جواب دیا ـــ ایک دن میں بوقت شام مقام ابراہیم میں بیٹھا تھا ـــ کسی نے کہا کہ سید عقیل حطیم کے اندر بیٹھے ہیں۔ میں گیا اور سلام و مصافحہ کیا اور صرف دو تین باتیں ہوئیں اسی درمیان میں موذن نے اذان مغرب کہی اور میں مصلائے مغرب میں آگیا اور نماز پڑھی ـــ دوسرے دن سید عقیل نے اپنے ایک خادم سے کہا کہ ایک ہندی شخص اس اس حلیے کا حرم میں ہوگا اس کو دیکھو اور میرا سلام شوق اس سے کہو میں یہ اطلاع پاکر ان کے گھر پر گیا بہت دیر تک بیٹھا۔ بہت سی باتیں درمیان میں آئیں ـــ تواضع اُن کے ظاہر پر غالب ہے ـــ ان کے کلام میں سلوک و ریاضت اور سلف کے طریقے پر مجاہدے کی ترغیب بہت ہے۔ ایک تفسیر بھی لکھی ہے۔ اس کا ایک جز دیکھا۔ عبارت تفسیر کو الفاظ قرآن کے ساتھ ایسا خلط ملط کر دیا ہے کہ اعراب قرآن متغیر ہو گئے ہیں اور معنی بھی بدل گئے ہیں۔ میں نے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا کہ میری غرض موعظت و نصیحت ہے نہ تفسیر ـــ میں نے کہا کہ اپنے علاقے میں میں نے آپ کا نام سنا تھا ـــ انھوں نے کہا ہندوستان میں علما اور ارباب کشف ظہور امام مہدی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ میں نے اس کا جواب نہ دیتے ہوئے خود اُن سے یہ سوال کیا کہ میں نے سنا تھا کہ پہلے آپ دعویٰ مہدویت کرتے تھے پھر اس سے رجوع کر کے اب اِدّعائے نیابت مہدی کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ دعویٰ مہدویت کی نسبت میری طرف کرنا میرے اوپر ایک تہمت ہے۔ میں نے تو فقط دعویٰ نیابت مہدی کیا ہے۔

اس قسم کی بہت سی باتیں ہوئیں جن کا ذکر طول سے خالی نہیں علماء عصر ان کے مخالف ہیں خصوصاً بن تفسیر کی وجہ سے۔

(۷) شیخ عبد الوہاب ــــ یہ اعیان مکہ میں سے ہیں ایک رات معلات میں باہم شیعہ کی وسعت رحمت حق کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی انھوں نے بھی ایک حکایت سنائی۔

(۸) سید حسین مفتی مالکی ــــ عالم ہیں اور اپنے مسلک کی کتابوں کا درس متصل باب الزیادہ صبح کے وقت دیتے ہیں۔

میں ایک دن درمیان مولانا محمد مہدی مغربی و مفتی سید حسین مالکی مذکور بیٹھا ہوا تھا باتیں ہو رہی تھیں۔ میں نے ان سے بعض مسائل مذہب مالکی دریافت کئے اور یہ بھی دریافت کیا کہ یہ چار مصلّے کب قائم ہوئے؟ نیز جماعت مالکی مغرب کے وقت جُدا کیوں نہیں ہوتی؟ اسی طرح حنبلی سوائے نماز فجر باقی نمازوں میں کیوں تابع دیگران ہے ــــ انھوں نے فرمایا کہ مصلوں کی ایجاد چھٹی صدی ہجری میں بعض خلفاء عباسی کے زمانے میں ہوئی اس سے پہلے فقط ایک جماعت ہوتی تھی اور سب مسلمان ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ بعد تقرر مصلّی جات و تعدد جماعات، مالکی، ظہر، عصر اور عشاء کی طرح مغرب میں بھی تقدیم کرتے تھے اس لئے کہ وقت مغرب نزد مالکیہ بہت تنگ ہے۔ اور ان کی تحقیق میں نمازی اوّل وقت کی تاخیر کرنے سے گنہگار ہو جاتا ہے ــــ نویں صدی ہجری میں بادشاہ وقت نے کہا کہ تم لوگ تین وقت میں تقدیم اقامت نماز کرو اور حنفی، مغرب میں تقدیم کرے اور چونکہ تا فراغ حنفی و شافعی، نماز مغرب کا وقت مختار مذہب مالکی میں باقی نہیں رہتا ہے، اس بنا پر علمائے مالکیہ نے جماعت جداگانہ موقوف کر کے ہمراہ حنفی نماز پڑھنا شروع کیا۔ اور اہل مذہب امام احمد حنبلؒ پہلے ہی سے تھوڑے تھے لہٰذا اُن کی جماعت سوائے فجر کے جُداگانہ مقرر نہیں ہوئی ــــ اسی مجلس میں جواز اقتداء، خلف امام مخالف مذہب کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ ہمارے مذہب میں مطلقاً جائز ہے بلا کراہت ــــ اگرچہ امام مراعات موضع خلاف نہ بھی کرے ــــ اس لئے کہ یہ مسائل خلافیہ موضع اجتہاد میں ہیں اور حق ان مذاہب میں دائر ہے، خطائے مجتہد، اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اور مجتہد خطاء میں معذور بھی ہے علاوہ ازیں احتمال خطا ہر طرف محتمل ہے

بعد ان مذاکرات کے فقیر نے مولانا محمد مہدی مغربی سے اور آپ سے دعا چاہی ان دونوں نے دعائے خوبی دارین کی۔ ان دعاؤں سے دل کو بہت راحت حاصل ہوئی۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔ باقتضائے کرم و حسنِ اخلاق انھوں نے فقیر سے کہا کہ تو بھی ہمارے لیے دعا کر۔ میں نے کہا کہ میں اس لائق کہاں ہوں؟ آپ لوگ سادات ہیں، اللہ کے گھر کے پڑوسی ہیں، ہم مسافر ہیں آپ کے پاس طلبِ دعا ہو کر آئے ہیں۔

بلدِ امین کے عوام و خواص کی خوش اخلاقی

تمام باشندگانِ بلدِ مکہ، مخالطت اور مصاحبت میں حسنِ اخلاق کے ساتھ متصف ہیں۔ علماء و سادات، مسافروں کے ساتھ حسنِ خلق اور تواضع کا معاملہ کرتے ہیں۔ باوجود وفورِ علم و فضل، کبر و غرور سے آشنا نہیں ہیں۔ ایک دن بعد طوافِ عمرہ اور بعد ادائے دوگانہ، برائے سعی بین الصفا والمروہ آیا، ابھی متصلِ حجرِ اسود، مطاف ہی میں تھا کہ ایک بزرگ میاں اس بلدِ مبارک کے ساکنین میں سے جن کو میں اکثر دیکھتا تھا۔ میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ میرے لیے اللہ سے دعا کرو۔ میں نے کہا سیدی! میں اس قابل کہاں؟ تم لوگ جیرانِ خدا ہو، اللہ تعالیٰ نے تم کو ہم پر فضیلت دی ہے۔ تم ہمارے لیے دعا کرو، انھوں نے کہا نہیں تم زیادہ مستحق دعا ہو تم وفد اللہ؎ ہو تمھارے لیے شرف ہے۔ اُن کے اس قول نے میرے دل پر عجیب اثر کیا، بے اختیار رونا آگیا اور میں نہیں سمجھا کہ ان بزرگ کے کلام میں کیا تاثیر تھی کہ صفا تک جانے اور صفا سے مروہ تک آنے کے وقت تک وہ رقت باقی تھی۔

(۸) (مولانا) محمد مراد سندھی متبحر اور متقی عالم تھے۔ آخر میں سندھ سے حرمین آگئے تھے۔ حاکمِ جدہ کو آپ سے عقیدت تھی اس نے ایک مکان، ایک خانقاہ اور ایک مسجد آپ کے لیے بنوا دی تھی، چند سال بعد جدہ ہی میں وفات پائی۔ علومِ دینیہ میں آپ کا تبحر آپ کی بیاض سے ظاہر ہوتا ہے جس کی ضخیم ضخیم چار جلدیں ہیں۔ فوائدِ علومِ تفسیر و حدیث و فقہ، کتبِ معتبرہ سے چن چن کر اپنے خط سے اس بیاض میں جمع کیے ہیں۔ ان کے دو پسر تھے — محمد حسین اور محمد یٰسین۔ دونوں تقویٰ اور حسنِ خلق میں باپ کے خلف الصدق تھے، دونوں کو فقیر سے انتہائی محبت تھی — چھوٹے بھائی محمد حسین بعد ادائے حج، اوّل ماہ محرم میں فوت ہوگئے — محمد یٰسین برادرِ کلاں جدہ میں سکونت پذیر ہیں — کتابہائے عجیب و غریب اُن کے کتب خانے میں دیکھیں — مشاہیر مشائخِ طریقت جو اس ملک میں تھے اور ابھی چند سال ہوئے جو انتقال کر گئے ہیں اُن کی قبور کی زیارت بھی کی — مثلاً شیخ محمد سمان جو کہ قادری تھے مدینۂ منورہ میں — اور میر عبدالغنی — طائف میں — ان دونوں بزرگوں کے کمالات اہلِ زمانہ کے نزدیک مسلّم ہیں —

اہلِ مکہ کے بعض مراسم

تمام مردمِ مکۂ معظمہ کے رخساروں پر تین تین خط دیکھے گئے۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ مدت سے یہاں کے ساکنین کی قرارداد ہے کہ جو لڑکا یہاں پیدا ہوتا ہے بعد چالیس روز کے اس کے دونوں رخساروں پر اُسترے سے زخم…

؎ اللہ کے مہمان

نشان کر دیتے ہیں۔ تاکہ ان خطوط کا نشان تمام عمر باقی رہے۔ اور مکہ کا پیدا شدہ دوسری جگہ کے مولود سے ممتاز ہو ــــ سب سے پہلے جو یہ رسم ایجاد ہوئی اس کو بھی بیان کیا گیا ــــ اسی دن بچے کو مسجد حرام میں لاکر آستانۂ باب بیت اللہ پر ڈال دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں، پھر وہاں سے اٹھاکر زمزم پر لے جاکر غسل دیتے ہیں اور پھر گھر لے جاتے ہیں ــــ جنازے کو اندرون مطاف لاکر باب بیت اللہ کے قریب زمین پر رکھ دیتے ہیں اور نماز پڑھ کر دفن کو لے جاتے ہیں۔ فقیر نے ایک عالم سے دریافت کیا کہ فقہاء جنازے کو اندرون مسجد لانے کو منع کرتے ہیں۔ مسجد حرام میں اس کے خلاف عملدرآمد کیوں ہے؟ انھوں نے کہا کہ مسجد حرام اور مسجد نبویؐ میں تبرک اور استشفاع (طلب شفاعت) کے لیے اندر لاتے ہیں اور یہ عمل ان دونوں مسجدوں کی خصوصیات سے ہے۔ مسجد دیگر میں اقوال علماء مختلف ہیں۔

شام و روم وغیرہ کے حاجیوں کی بعض خصوصیات

بلاد شام، روم، مصر، دیار مغرب، یمن، عراق، کردستان اور انکے آس پاس کے لوگوں کی ابتدائے اسلام سے یہ عادت ہے کہ اغنیاء اور اہل ثروت حج کرنے اور زیارت روضۂ رسول اللہؐ کو لازم و ضروری جانتے ہیں۔ ان ممالک میں شاید کوئی ہوگا جو باوجود استطاعت کے حج نہ کرے ــــ یہاں کے قافلے ہر سمت سے حج کو آتے ہیں۔ اور جن لوگوں کا گذر آتے ہوئے مدینہ منورہ سے نہیں ہوتا وہ مراجعت کے وقت راہ مدینہ سے گذرتے ہیں۔ اور زیارت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوتے ہیں ــــ ترکمان جو شام و روم سے آتے ہیں اس سفر میں راہ خدا میں مال کثیر صرف کرتے ہیں اور بعضے ایسے ہیں کہ لوٹتے وقت تمام نقد و جنس یہاں تک کہ ملبوس و مفروش اور برتن جتنے اپنے ساتھ رکھتے تھے ــ سب کے سب فقرا کو دیتے ہیں۔ سوائے خرچ راہ کے اپنے پاس کچھ بھی نہیں رکھتے ــ یہ لوگ حرمین میں جس کسی سے دوستی کر لیتے ہیں ہر سال اس کو ہدیہ بھیجتے ہیں

تکروری

دوسرے ممالک اور جزائر میں سے بھی کوئی جگہ ایسی نہیں ہے کہ وہاں کے باشندے قلیل یا کثیر تعداد میں موسم حج کے زمانے میں مکہ معظمہ کے اندر نہ پائے جاتے ہوں۔ خصوصاً اہل تکرور۔ باوجودیکہ ان کا ملک اقصائے مغرب میں ہے یعنی سوڈان کی سرحد پر ــ لیکن ان کی کثیر جماعت ٹڈی دل کی طرح حج کے لیے آتی ہے ــ سب سیاہ فام و بدشکل و غریب ہوتے ہیں۔ منیٰ کی قربانیوں کا گوشت جس سے منیٰ کی تمام وادی اور اسکے کوچے بھر جاتے ہیں زیادہ تر یہی اہل تکرور اس گوشت کو کھاتے ہیں۔ گوشت کا قیمہ کر کے لے جاتے ہیں ــ عجیب بات یہ ہے کہ ان میں جاہل کوئی بھی نہیں ہوتا۔ کم و بیش ہر ایک پڑھنے لکھنے کی استعداد رکھتا ہے۔ یہ لوگ ارکان اسلام کا تقید و التزام رکھتے ہیں۔ تمام اہل مغرب و تکرور، مالکی ہیں ــ

اہل ہند

ہندوستان میں جو حنفی اور اہل استطاعت ہیں یعنی جن پر شرعاً حج فرض ہے وہ تو عیش و عشرت

و جو معاش اور حرص فی المال میں اتنے مشغول ہیں کہ فرصت اور تنگی امور دینی کا خیال نہیں رکھتے۔ ان لوگوں میں جو کم از کم نماز پنجگانہ اور صوم رمضان کی بھی توفیق رکھتا ہو اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے وہ تقویٰ و ورع کے اعلیٰ درجے پر ہو۔ اور فرضیت، حج و زکوٰۃ تو گویا ان کے کانوں تک پہونچی ہی نہیں۔ حدیث میں ایسے شخص کے متعلق سخت وعید آئی ہے جو مالک زاد و راحلہ ہو اور حج نہ کرے۔

ہندوستان سے چل کر جو لوگ یہاں آتے ہیں ان میں اکثر فقراء ہوتے ہیں۔ ان فقراء میں وہ لوگ جو محض شوق زیارت حرمین کی وجہ سے آمادۂ سفر ہوئے ہوں اور صبر و قناعت رکھتے ہوں کم ہوتے ہیں۔ ان صبر و قناعت والوں کا اللہ تعالیٰ اپنے لطف جمیل اور فضل سے کفیل مہمات حوائج ہوتا ہے اور یہ لوگ عرب میں جہاں جاتے ہیں معظم و مکرم رہتے ہیں۔ سچ ہے جو قناعت کرتا ہے وہ عزت پاتا ہے اور جو طمع کرتا ہے وہ ذلیل ہوتا ہے۔ اکثر ہندوستانی وہ ہیں کہ غلبۂ فقر، تنگیٔ سینہ اور صبر کا کم ہونا ان کو جگہ جگہ لیے پھرتا ہے اور یہاں آ کر گدائی کو اپنا پیشہ بنا لیتے ہیں۔ بعضے تو ایسے پائے گئے کہ بھوک میں مر گئے اور ان کے مرنے کے بعد زر و سیم ان کے پاس سے برآمد ہوا۔ اسی بنا پر عرب میں اغنیاء ہند بخل و بے دینی کے ساتھ اور فقراء ہند گدائی و بے صبری کے ساتھ ضرب المثل اور مشہور ہیں۔ ایسے لوگ چونکہ بسبب تہی دستی، بہت سی اذیت، سفر بر و بحر میں جھیلتے ہیں لہٰذا ہندوستان پہونچ کر ان مشقتوں اور تکلیفوں کو اور زیادہ مبالغے کے ساتھ بیان کرتے ہیں جس سے سامعین کی ہمتیں ضعیف اور داعیۂ حج سست ہو جاتا ہے۔

لوگوں نے سفر حرمین کو بلائے عظیم اور مصیبت جسیم قرار دے رکھا ہے اور نوبت یہاں تک پہونچی ہے کہ اگر کوئی بارادۂ طلب معاش دور دراز ملکوں کو جانا چاہے تو اس کو کوئی نہیں روکتا اور جب سفر حرمین کا ذکر زبان پر لاتا ہے تو اس کے اہل و عیال اس کے مرنے کے دن سے زیادہ ماتم کرتے ہیں، اس سے نا امید ہو جاتے ہیں اور حتی الامکان اس کو اس سفر سے باز رکھتے ہیں۔

سمندری سفر آرام دہ ہے

فقیر نے جو کچھ مشاہدہ کیا ہے اس کی رو سے کہتا ہے کہ کوئی سفر، سمندری سفر سے زیادہ آرام دہ نہیں ہے۔ "سفر در وطن" کے معنیٰ اس سفر میں واضح ہوتے ہیں۔

راہِ مکہ و مدینہ

میں نے سنا تھا کہ راہ مکہ و مدینہ میں صعوبتیں بہت ہیں، میرے لیے تو یہ سفر بھی خوشگوار تھا۔ جبال اور ٹیلوں کے مشاہدے سے، قرب مزار سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم کی بنا پر دیدہ و دل میں ایک سرور حاصل ہوتا تھا۔ کسی قسم کی حسی و معنوی اذیت فقیر کو تو محسوس ہوئی نہیں۔ جدہ سے مکۂ معظمہ تک اور مکۂ معظمہ سے مدینہ منورہ تک دو [illegible] بطیفی اور درشتی طبع میں مشہور ہیں مثل خادموں اور غلاموں کے خدمت کرتے چلے گئے۔ یہ تمام [illegible] [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی فیض و انعام سمجھتا ہوں۔ الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ

قصدِ مدینۂ منورہ

نصف ماہ صفر کو قصدِ سفرِ مدینۂ منورہ و زیارتِ روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا۔ کوچ سے دو روز پہلے بعد نماز عشا متصل مصلائے مالکی، مطاف میں بیٹھا ہوا تھا اور رات چاندنی تھی۔ اور کعبۂ معظمہ کا اس وقت جاہ و جلال عجیب شان سے نظر آ رہا تھا۔ اتفاقاً ایک درویش، علی نام جو بغداد کے رہنے والے ہیں، بعد سیاحت مصر و شام، چند سال سے مجاورِ حرمین ہیں ـــــ مرد صالح اور عالم ہیں ـــــ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، بعد مکالمہ و حصولِ تعارف میں نے اُن سے کہا کہ تم مردِ صالح ہو میرے لیے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میری مغفرت کرے اور میرا یہ سفر قبول فرمائے۔ انھوں نے کہا کہ "کیا تم اس شخص کو جس سے راضی نہیں ہو۔ اپنے گھر آنے دیتے ہو؟" میں نے کہا کہ نہیں ـــــ انھوں نے کہا بس اسی طرح اللہ تعالیٰ انھیں لوگوں کو اپنے گھر بلاتا ہے جن سے راضی ہوتا ہے اور بیگانوں کو اپنے گھر داخل نہیں ہونے دیتا۔ پھر کہا کہ حق تعالیٰ اپنے علم قدیم کی رو سے ہمارے ایک ایک عیب کو جانتا ہے۔ اور جب کوئی کسی غلام کو اسی عیب پر مطلع ہو کر خریدتا ہے تو اس عیب کی وجہ سے اُس غلام پر عتاب نہیں کرتا۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امیدوار ہیں کہ ہمارے ان عیبوں کو جن سے وہ ہمارے پیدا ہونے سے پہلے واقف ہے۔ پوشیدہ رکھے گا اور اُن کی بنا پر ہم سے مواخذہ نہ کرے گا۔ اُس درویش کے کلام سے اس وقت دل کو ایک راحت پہونچی، اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کرے ـــــ اس کے بعد میں طواف کے لیے کھڑا ہوا اُس وقت غلبۂ شوق و ذوق میں یہ اشعار زبان پر آ رہے تھے۔

تو بعلمِ ازل مرا دیدی　　دیدی آنگہ مرا بخریدی
تو بعلمِ آں من بعیب نہاں　　رد مکن آنچہ خود پسندیدی

اب وقت وداع نزدیک پہونچ گیا تھا ـــــ نصف شب کے بعد تک طواف میں رہا۔ دل نہ چاہتا تھا کہ قیام گاہ پر آؤں ـــــ

طوافِ وداع

حرمِ ربِّ جلیل سے حرمِ نبیِّ نبیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کوچ کا ارادہ مصمم ہونے کے بعد شبِ پنجشنبہ ۱۰ر صفر ۱۲۰۲ھ کو بعد نماز مغرب، طوافِ وداع کیا اور براہِ جدّہ روانہ ہوا۔ اس وقت فراقِ بیت اللہ کا رنج، شوقِ زیارتِ روضۂ رسول کے ساتھ جمع ہو کر عجیب کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ ہ

عید رمضان آمد و ماہِ رمضان رفت

صد شکر کہ ایں آمد و صد حیف کہ آں رفت

درحقیقت ایجادِ عالم و آدم سے مقصود، ظہورِ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تھا ـــــ جس کسی چیز میں جس قدر شرف و کرامت ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتساب و اختصاص کے بقدر ہے۔ مکہ معظمہ ان کا مولد و منشا ہے۔ مدینہ منورہ اُن کا مستقر ہے زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً ـــ ایک شاعر نے ذیل کے قطعے میں وداعِ کعبہ کے متعلق خوب کہا ہے، اور رعایتِ ادب کو ملحوظ رکھ کر موتی پروئے ہیں۔

از مکہ سوئے مدینہ چوں کردم تک	رفتم بوداعِ کعبۂ انس و ملک
از رکن و مقام و حجر و زمزم یک یک	آواز آمد کہ لیتنی کنت معک

یعنی جب میں مکہ سے مدینہ جانے لگا اور طوافِ وداع کیا تو رکن، مقام اور حطیم ایک ایک سے یہ آوازیں آنے لگیں کہ کاش ہم بھی تیرے ساتھ مدینہ منورہ چلتے۔

حدّہ وقت سحر حدّہ پہونچنا ہوا۔ یہ ایک قریہ ہے مکہ اور جدّہ کے درمیان۔ حدیبیہ جہاں پر بیعتِ رضوان ہوئی تھی اور جس کا واقعہ مشہور ہے اسی مقام کے متصل ہے لیکن موضعِ نزولِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب تعین کے ساتھ معلوم نہیں ہے ـــ

جدّہ جُدّہ ـ بضم جیم و تشدید دال ـــ بمعنی ساحل ـــ اسی وجہ سے یہ بندرگاہ اس نام سے موسوم ہوئی ـــ مکہ جدّہ سے بجانب سمتِ مشرق ہے۔

جدّے کی آبادی، خلافتِ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے ہوئی۔ اس سے پہلے مکہ کا بندرگاہ دوسرا تھا ـــ اس وقت جدّہ بڑا شہر اور مشہور بندرگاہ ہے۔ ممالکِ روئے زمین سے تجار، عمدہ عمدہ چیزیں سمندری راستے سے یہیں لاتے ہیں اور یہاں سے اطراف کو لے جاتے ہیں۔ شریفِ مکہ کو بڑا محصول اسی بندرگاہ سے حاصل ہوتا ہے ـــ وہ قہوہ کا محصول ـــ جو کہ یمن سے آتا ہے، بلا شرکت اپنے اخراجات کے لیے لیتا ہے اور وہ دو لاکھ سے زیادہ ہے۔ اور دیگر اجناس کا محصول آدھا شریف کو پہونچتا ہے اور آدھا سلطانِ روم کی جانب سے مکہ و مدینہ کے مصارف و وظائف کے لیے وقف ہے۔

بیرون شہر شمال کی جانب اُم البشر حوّا علیہا السلام کی قبر ہے ـــــ عوام اسی وجہ سے اس شہر کو بفتح جیم (جدّہ یعنی دادی) بولتے ہیں ـــــ

سید علویؒ کی قبر اندرونِ شہر زیارت گاہ ہے ـــــ جس کسی پر کسی کا کوئی حق مال وغیرہ کا ہو اور وہ اس کے ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو سید مذکور کے مزار کے قریب آکر بیٹھ جاتا ہے پھر حاکم اور صاحب حق اُس سے مطالبہ نہیں کرتے ـ

راہ مدینہ کے بقیہ منازل بروز دوشنبہ ـــــ ۲۲ر صفر کو ـــــ شہر سے باہر نکلے اور دو روز قافلے کے درست کرنے کے لیے حضرت حوّاؑ کے مزار کے قریب ٹھہرنا ہوا ـ

۲۴ر صفر کو بسمت مدینۂ منورہ کوچ کیا ـــــ ۲۰ر صفر کو ـــــ رابغ میں اُترے ـــــ رابغ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اور ایک مختصر سا بازار رکھتا ہے ـــــ اس کے قریب جحفہ ہے ـــــ جو اہلِ مصر و شام کا میقات ہے ـــــ اب جحفہ ویران ہے ـــــ رابغ سے احرام باندھتے ہیں ـــــ جحفہ سے مدینہ کا وہ راستہ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برائے حج چلے تھے اب مدت سے چھوٹا ہوا ہے ـــــ اب جو راستہ ہے وہ ابوآ سے ـــــ کہ بقول صحیح قبرِ آمنہ اُم رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہاں ہے ـــــ ہو کر گذرتا ہے اور مسجد غزالہ میں ـــــ جو کہ کنارِ وادیٔ روحا ہے ـــــ پہلے راستے سے متصل ہو جاتا ہے ـــــ اس موجودہ راستے میں بعض شتربان جو کہ ساکنین بدر ہیں قافلے کو بدر تک لے جاتے ہیں اور بدر سے صفرا میں لاتے ہیں اور صفرا کے شتربان بدر نہیں جاتے ہیں. بدر و صفرا میں تین چار میل کا فاصلہ ہے. ہم نے جن شتربانوں کے اونٹ کرایے پر لیے ہیں وہ باشندگان صفرا ہیں اسی وجہ سے بدر جانا نہ ہوا اور چونکہ یہ راستہ سوائے رات کے نہیں چلا جاتا ـــــ اور شتربان کسی کے کہنے سے کہیں ٹھہرتے نہیں اسی وجہ سے اکثر مواضع متبرکہ جو اس راستے پر ہیں اُن کی زیارت میسر نہ ہوئی ـــــ

ایک ابتلاء عربان میں یہ ابتلاء واقع ہوتا ہے کہ بعد ظہر و عصر کوچ کرتے ہیں. وقت مغرب تھوڑا سا ٹھہرتے ہیں اور تمام رات چلتے ہیں پھر منزل کے قرب و بُعد کے لحاظ سے فجر سے پہلے یا بعد فجر اُترتے ہیں اور اس معاملے میں شتربانوں کے علاوہ کسی کو کوئی اختیار نہیں ـ لہذا حنفیہ کو نمازِ عشا کا ادا کرنا دشوار ہو جاتا ہے. بعضے سواری پر ہی پڑھ لیتے ہیں. یہ صورت اُس وقت جائز

تو ہے جب کہ ظنِ خوف غالب ہو لیکن جماعت فوت ہو جاتی ہے ـــــ اور بعض لوگ تقلید شافعی، مغرب کے ساتھ نماز عشار کو جماعت کے ساتھ جمع کر لیتے ہیں ـــــ بوقت ضرورت اس تقلید کا جواز درمختار میں مذکور ہے ـــــ مفتی عبدالملک حنفی نے بھی اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے مگر ان شرائط کے ساتھ جو نزد شافعیہ لازمی ہیں ـــــ

صفرا ۲۰ صفر کی شام کو رابغ سے کوچ ہوا ـــــ سحر چہارشنبہ یکم ربیع الاول کو صفرا میں ورود ہوا۔ صفرا ایک قریہ ہے، ایسی وادی میں واقع ہے جس کے چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ یہاں بازار ہے کھجور کے باغات بہت ہیں ـــــ کھجور کے درختوں کے نیچے ترکاریاں اگاتے ہیں۔ اور آب جاری کی وہ نہر جس سے باغات کو پانی دیتے ہیں ایک دلچسپ سیرگاہ ہے ـــــ

سید سمہودیؒ نے تاریخ مدینہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چند بار اس راہ صفرا سے گزرے ہیں۔ اسی کے متصل حضرت عبیدۃ بن الحارث مطلبیؓ کی قبر ہے جو بدر میں مجروح ہوئے تھے اور اس جگہ انتقال کیا تھا ـــــ صفرا کے لوگ اس کو قبر ابوذر غفاریؓ بتلاتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی قبر تو ربذہ نواحی نجد میں، مدینۂ منورہ سے چار روز کے راستے پر ہے ـــــ

وادیٔ خیف بعد دو دن قیام کرنے کے بروز جمعہ ـــــ ۳ ربیع الاول کو، دن کے آخری حصہ میں صفرا سے کوچ ہوا ـــــ آدھی رات کو وادیٔ خیف پر گزر ہوا ـــــ اس وادی میں بھی آبادی، بازار، باغات اور نہر آب، مثل صفرا کے ہے ـــــ اس راہ میں جدہ سے صفرا تک زمین ہموار تھی ـــــ پہاڑ داہنی طرف بہت دور تھے اور دریائے شور (سمندر) بائیں طرف تھا ـــــ صفرا کے قریب دونوں سمت کوہستان ہے خصوصاً خیف میں ـــــ شنبہ کے دن وادی روحا کے کنارے مسجد غزالہ میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مغرب ادا کی ہے ـــــ نماز پڑھی گئی۔

مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم صبح دوشنبہ، ۶ ربیع الاول کو ـــــ قافلہ مدینۂ منورہ پہونچا اور بیرون شہر مناخہ میں متصل عیدگاہ نبوی اترا ـــــ اور یہ کمینہ، بعد ادائے فجر وہاں سے ملاذ عالمیاں، ملجائے جہاں، شفیع اُمم، سرور بنی آدم، سید انام صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ عالم پناہ کی جانب متوجہ ہوا ـــــ باب السلام سے داخل ہوا ـــــ مصلائے مصطفوی پر تحیۃ المسجد پڑھ کر مواجہہ شریف میں آیا۔ سلام اور آداب زیارت کو حسب قاعدہ

ادا کیا، اور غلبۂ شوق میں یہ اشعار سلسلۃ الذہب (جامی) وغیرہ کے پڑھے

سویم افگن ز مرحمت نظرے　　باز کن بر رخم ز لطف درے
زاریِ من بشنو، تکلم کن　　گریۂ من بشنو، تبسم کن
لب بجنباں پئے شفاعتِ من　　منگر در گناہ و طاعتِ من
کہ ز رفتم طریقِ سنتِ تو　　ہستم از عاصیانِ امتِ تو
ماندہ ام زیر بارِ عصیاں پست　　افتم از پا اگرم نگیری دست
رحم کن بر من و فقیریِ من　　دست دہ بہر دستگیریِ من
خود بدستِ تو کے رسد دستم　　اینقدر بس کہ در رہت پستم
پست بودن براہِ تو خوشتر　　کز بلندی بعرش سودن سر

یا شفیع المذنبیں بار گناہ آوردہ ام　　بر درت ایں بار با پشتِ دوتاہ آوردہ ام
چشمِ رحمت برکشا، موئے سفیدِ من ببیں　　گرچہ از شرمندگی روئے سیاہ آوردہ ام
آں نمی گویم کہ بودم سالہا در راہِ تو　　ہستم آں گمرہ کہ اکنوں رو براہ آوردہ ام
عجز و بیہوشی و درویشی و دلریشی و درد　　اینہمہ بر دعوئے عشقت گواہ آوردہ ام
دیو رہزن در کمیں، نفس و ہوا اعدائے دیں　　زیں ہمہ در سایۂ لطفت پناہ آوردہ ام
گرچہ پیشے معذرت نگذاشت گستاخی مرا　　کردہ گستاخی زبانِ عذر خواہ آوردہ ام

دولتم ایں بس کہ بعد از مدتے دور و دراز　　بر حریم آستانت می نہم روئے نیاز

یا رسول اللہ نمی گویم کہ مہمانِ توام　　یا فقیرے طعمہ خوارِ ریزہ خوانِ توام

میں از ادائے آدابِ زیارت، شیخین کبیرین (حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) اور سیدۃ النساء (حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا) کے مواجہہ میں آیا اور سلام عرض کیا۔ پھر

مواجہہ شریف میں آیا ـــــ خدائے عظیم کی قسم اگر میرا ہر بُن مو زبان بن جائے اور ہر زبان ہزار ہا شکر اللہ تعالیٰ کے ادا کرے پھر بھی اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا نہیں ہو سکتا کہ مجھ جیسے کمینے گناہ گار تباہ کار کو محض اپنے فضل و انعام سے اس موقف عظیم میں حاضر ہونے کا موقع دیا۔

شکر للہ کہ نمردیم و رسیدیم بدوست ، آفریں باد بریں ہمت مردانہ ما

آفتاب اندر جہاں لعل سازد رنگ را غیر خاموشی چہ گوید لعل ، نکہ آفتاب

خدا کی قسم یہ وہ جگہ ہے جس کو پروردگار عالم نے اپنے حبیب مکرم کے لیے انتخاب کیا ، اور تمام فتوحات و برکات اور انوار جنھوں نے مشرق و مغرب کا احاطہ کر لیا اسی جگہ سے ظاہر و ناشی ہوئے ہیں یہ وہ میدان ہے جو مہبط وحی ہے اور مورد ملائکہ اور مسکن سیدانس و جان رہا ہے ـــــ یہ وہ سرزمین ہے جو اقدام خیر الانام سے نوازی گئی ہے۔

جنت البقیع کی زیارت سے جہاں اہلبیت ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر اکابر امت رحمہم اللہ مدفون ہیں۔ اور جبل اُحد اور وہاں کے شہدا کی زیارت سے نیز مسجد قبا اور اُن دیگر مساجد متبرکہ و آثار مقدسہ کی زیارت سے جو شہر مدینہ اور نواحی مدینہ میں مشہور ہیں ـــــ مشرف ہوا ـــــ چند بار بعد غسل اندرون گنبد حجرۂ منورہ بھی میسر آئی ـــــ یکم رجب کو جب کہ درون گنبد اپنے سر اور چہرہ کو دیوار سے مل رہا تھا اور ڈاڑھی کو اس زمین رشک علیین کے لیے جھاڑو بنائے ہوئے تھا۔ ـــــ اس وقت اس احقر کے موقف سے قبر مکرم و معطر ، ایک ذراع کم و بیش ہوگی ـــــ

اس وقت احقر نے ارحم الراحمین سے بوسیلۂ رحمۃ للعالمین یہ دعا مانگی کہ اے اللہ اس کمینے کو جب اس درگاہ میں داخلے کا موقع دے دیا ہے تو اب اس کے بعد کسی مخلوق کے دروازے پر حاجت طلب کرنے کے لیے نہ لے جانا ـــــ اور دیار آخرت میں نیز اپنی پناہ میں رکھنا۔ یہ دعا بیت اللہ شریف کے اندر بھی الحاح و زاری سے مانگی تھی ـــــ فضل خدا اور شفاعت رسول کریم سے امید قبولیت ہے ـــــ وہاں سے آکر قبر سیدۃ النساءؓ کے قریب اس جگہ کھڑے ہو کر جو زیر ستون ہے دو رکعت تحیۃ المسجد کی پڑھیں اور باہر چلا گیا ـــــ

اب جبکہ احقر انام شرفِ مجاورتِ بلدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فائز ہے ــــ اخبار و آثار اور مشاہد و مزارات کی واقفیت کے شوق نے آمادہ کیا کہ وفاء الوفا فی اخبار دار المصطفےٰ کا مطالعہ کیا جائے ــــ یہ کتاب امام علامہ نور الدین علی بن عبد اللہ سمہودی مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے جو ۹۱۱ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے ــــ یہی کتاب ہے جو شیخ عبد الحق دہلوی رح کی کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب (تاریخ مدینہ) کا ماخذ ہے ــــ عمدۃ الاخبار مولفہ احمد بن عبد الحمید الہاشمی السندھی جو ۱۰۳۵ھ میں تالیف ہوئی ہے ــــ کا بھی مطالعہ کیا ــــ ان کے علاوہ دیگر کتابوں پر بھی عبور حاصل کیا گیا ــــ فضائلِ زیارت، فضائلِ مدینۂ منورہ اور خصائصِ مدینۂ منورہ کو ان کتابوں سے اخذ کیا ــــ

حاضری کے دوسرے دن ایک بزرگ کے پاس جو ہندوستان سے آکر مدت مدید سے یہاں اقامت پذیر ہیں ــــ گیا ــــ اور اللہ کے اس فضل و کرم کا جو اس نے مجھ پر فرمایا ہے، اُن سے ذکر کیا ــــ انھوں نے یہ شعر پڑھا ــــ

نازم بچشم خود کہ جمالِ تو دیدہ است ــــ رقصم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

اس شعر کو سن کر ایک خاص ذوق و شوق کی کیفیت پیدا ہوئی۔ مواجہ شریف میں حاضر ہو کر مکرر یہ شعر پڑھا اور گریہ و زاری نے زور باندھا، غلبۂ شوق میں اپنے پاؤں کو بوسہ دیا اور اپنی آنکھوں کو مس سے ملا ــــ

یافتم در گذرے خاکِ کفِ پایش را ــــ چوں نمالم رُخِ خود یافتہ ام جایش را

مسجدِ نبوی میں خطبۂ جمعہ

منجملہ اُن اوقات کے جن میں ذوق و حضور اور لذت و سرور حاصل ہوا ایک خطبۂ جمعہ کا وقت ہے ــــ خطیب بالائے منبر کھڑے ہو کر ذکرِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کرتا ہے تو کہتا ہے۔ اَشْهَدُ اَنَّ هٰذَا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ــــ اور کہتا ہے ــــ قَالَ هٰذَا النَّبِیُّ صَاحِبُ هٰذَا الْقَبْرِ الْمُعَطَّرِ ــــ اور یہ کہتے ہوئے وہ اپنا چہرہ بسوئے حجرۂ شریفہ کر لیتا ہے اور اشارہ کرتا ہے ــــ اگر کسی کو حضورِ قلب کی کیفیت حاصل ہو تو اس وقت تصور کرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا اور آپ کی شکلِ مبارک کا اور اس بات کا کہ آپ بالائے منبر جلوہ فرما ہیں، تمام مہاجرین و انصار، زبانِ مبارک

سے احکام و اخبار سننے کے لیے کان لگائے بیٹھے ہیں ـــــ آنحضرت اثنائے خطبہ میں ان کو طاعتِ حق کی ترغیب دے رہے ہیں اور شرائع و احکام بیان فرما رہے ہیں ـــــ اور یہ بھی خیال کرے کہ میں اس محفل مجد و جلال میں، صفِ نعال کے اندر بیٹھا ہوا ہوں ـــــ پھر جو سُرور و کیف حاصل ہوگا وہ بیان نہیں ہو سکتا ـــــ

خطبائے حرمین

خطبائے حرمین ہر جمعہ کو نیا خطبہ پڑھتے ہیں ـــــ لکھا ہوا خطبہ پڑھنا عیب سمجھتے ہیں ہر خطبے میں ہر مہینے اور موسم کا خیال رکھتے ہیں۔ مثلاً عاشورا، رمضان، خصوصاً ایام حج ـــــ کوئی زبردست حادثہ واقع ہوا ہو جیسے کسی بڑے شخص کی موت اس کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ ہر خطبے میں ذکر بیت اللہ بھی کرتے ہیں۔ چونکہ یہ خطیب اہل زبان ہوتے ہیں اس لیے خطبے میں کمال دکھاتے ہیں۔ ـــــ فصاحت بیان، تجوید طلاقتِ زبان کے ساتھ جمع ہو کر قوتِ سامعہ کو لذتِ قوی عطا کرتی ہے۔ ہر چند خطبہ طویل ہوتا ہے لیکن فصاحتِ کلام اور حُسنِ صوت کی وجہ سے دل حُسن سننے کی طرف متوجہ رہتا ہے اور کوئی بے لطفی نہیں پیدا ہوتی ـــ

فضیلت شیخین

ابن سیرینؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ اگر میں اس بات پر قسم کھاؤں کہ خداوند کریم نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کو ایک ہی طینت سے پیدا کیا ہے اور ان کو اسی طینت میں واپس کیا ہے ـــــ تو میں بلا شبہ اپنی قسم میں صادق ہوں گا" ـــــ یہ دونوں گرامی قدر خلیفہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک دفن ہیں ـــ اور راہ انصاف پر چلنے والے کے لیے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ جب کہ مسلمان اپنے مُردوں کو بقصدِ تبرک، صلحا و اولیاء کے زیر سایہ دفن کرتے ہیں اور اُن بزرگانِ دین کی برکت سے امید مغفرت رکھتے ہیں، پس ہمسائگی سید المرسلین، شفیع الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ کتنا اونچا ہوگا؟ جس کی بصیرت نورِ توفیق سے منور ہوگی اور دل روشن ہوگا، وہ اہل بیتِ اطہار، صحابۂ کبار اور مہاجرین و انصار کے فضائل و مناقب کا ضرور معترف و مصدق ہوگا، اُن سوابق عدات اور مساعی مشکورہ کی بنا پر جن سے کتبِ احادیث و سیر بھری ہوئی ہیں۔ ـــــ تعجب ان لوگوں پر ہے جو صحابہ کے حقوقِ صحبت اور اُن کی خدماتِ عالیہ کو فراموش کر کے زبانِ طعن و انکار دراز کرتے ہیں ـــــ سبحان اللہ ـــ اگر یہ تمام سعی و کوشش ـــ جو کہ صحابۂ کرام ابتدائے اسلام میں برائے

تقویت دین سید المرسلین کے مدد گار چکے ہیں ___ منکروں کے زعم باطل کی رو سے ضائع و بے فائدہ رہی اور وہ شفاعت رحمۃ للعالمین سے نعوذ باللہ محروم رہے ___ تو ہم کو باوجود ان افعال قبیحہ، طاعت غیر صحیحہ، عبادت کاسدہ اور اعمال فاسدہ کے اپنے حال پر رونا چاہیے ہم کس منہ سے نجات وشفاعت کی توقع کر سکتے ہیں. اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اعمال کے عیوب تلاش کرنے کی توفیق دے اور سلف صالحین بلکہ جمیع مسلمین سے بدگمانی کرنے سے محفوظ رکھے ___ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ___

ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاً للذین امنوا ربنا انک رؤف رحیم ___

مولانا روم مثنوی میں فرماتے ہیں.

غافلند این خلق از خود اے پسر — لاجرم گویند عیب یک دگر
چون خدا خواہد کہ پردہ کس درد — میلش اندر طعنہ پاکان برد
ور خدا خواہد کہ پوشد عیب کس — کم زند در عیب معیوبان نفس
ہر کرا افعال دیو و دد بود — با کریمان ہم گمانش بد بود
ہر کسے کو عیب خود دیدے ز پیش — کے بدے غافل وے از اصلاح خویش

خواجہ فریدالدین عطار فرماتے ہیں۔

چند گوئی مرتضیٰؓ مظلوم بود — از خلافت رانده و محروم بود
چون علیؓ شیر حق است وتاج سر — ظلم نتوان کرد بر شیر اے پسر
در تعصب میزند جان تو جوش — مرتضیٰ را جان چنیں بنود خموش
مرتضیٰ را این مکن بر خود قیاس — زانکہ در حق بود غرق آن حق شناس

اہل مدینہ کے جنازے	جنازے کو اندرون مسجد نبوی مواجہ شریف میں لاتے ہیں. اور اس دریچے کے قریب رکھ کر جو کہ محاذی مواجہ شریف ہے ___ مُردے کے لیے طلب شفاعت

دفن کرتے ہیں بعدہٗ مسجد میں نماز جنازہ پڑھ کر، روضۂ جنت سے گذر کر جنت البقیع کو لے جاتے ہیں۔
میں ایک دن مواجہ شریف میں بیٹھا ہوا درود خوانی میں مشغول تھا کہ ایک جنازہ اسی طرح لایا گیا۔ مجھ کو اس مردے پر رشک آیا، کاش یہ مُردہ میں ہوتا۔

نوزائیدہ اطفالِ مدینہ اطفالِ نوزائیدہ کو ان کی مائیں چالیس دن کے بعد بروز پنجشنبہ حرم نبیؐ میں لاتی ہیں۔ اور خواجہ سرا بچوں کو ہاتھوں پر رکھ کر شباک (جالی) کے اندر لیجاتے ہیں اور مواجہ شریف میں کھڑے ہو کر دعائے برکت عمر و صلاح عمل کرتے ہیں ——

دُعا بہ توسّل اہلِ مدینہ کی عادت ہے کہ جب کوئی مہم عظیم مثل استسقاء یا دفع مظالم کے درپیش ہوتی ہے تو اکابر و اعیانِ عصر، مواجہ شریف میں حاضر ہوتے ہیں اور اس دروازہ کو جو بجہت شباک حجرہ میں ہے کھولتے ہیں۔ مصحف عثمانی کو باہر لاتے ہیں اور جناب باری تعالیٰ میں بتوسل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دفع بلا کی درخواست کرتے ہیں —— یہ مصحف عہد امیرالمومنین عثمان رضی اللہ عنہ سے از روئے قول صحیح اسی جگہ موجود ہے۔ ان دنوں کہ احقر مدینۂ منورہ آیا ہوا ہے سلطانِ روم عبد الحمید خاں کا نامہ مبارک باشندگانِ حرمین کے نام پہونچا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ لشکر اسلام کا کفار بنی اصفر سے مقابلہ ہے — چاہیئے کہ جماعتِ مسلمین برائے نصرت اہلِ اسلام و شکستِ کفار دُعا کریں — اس پیغام کے آنے کے بعد ہر دوشنبہ پنجشنبہ کو شیخ الحرم، قاضی، مفتی اور دیگر اعیان کے ساتھ بعد نماز فجر نزدیک شباک آتے ہیں اور قاری سورہ اِنَّا فَتَحۡنَا پڑھتا ہے اور حاضرین حجرۂ شریفہ کی طرف متوجہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں۔ بروز جمعہ ۱۲ ربیع الثانی کو بعد نماز جمعہ یہ سب مواجہ شریف میں آئے اور مصحف مذکور کو باہر لا کر صحیح بخاری کا ختم کرایا اور مصحف سے سورۂ فتح پڑھی گئی۔ پھر دعا ہوئی — خطیب نے ایک فصیح و بلیغ دُعا پڑھی اور جناب مصطفویؐ سے توسل و استشفاع کیا۔ فقیر اس مجمع میں حاضر تھا اس وقت عجب حال مشاہدے میں آرہا تھا۔ مگر بسبب ہجوم، زیارتِ مصحف سے محروم رہا —— دوستوں میں سے ایک جو اس مصحف کے قریب تھا اُس نے کہا کہ میں نے مصحف کی زیارت کی اور اس کو سر پر رکھا — اس کا خط کوفی ہے اور اس کے اوراق جھلّی کے ہیں ——

بنو الاصفر بنو الاصفر ایک قوم ہے اُن کی کثرت سوائے علام الغیوب کے کوئی نہیں جانتا اُن کا

ملک افغانستان بخارا سے لے کر سرحد روم تک ہے، سلطان روم کو اُن سے مقابلہ رہتا ہے۔ وہ عساکر اسلام کو ان سے جہاد کرنے میں ہمیشہ مشغول رکھتا ہے۔

احوال ملک روم سُننے

شیخ علی نام ایک عالم و مدرس ہیں وہ سالہا سال اسلامبول (استنبول) میں جسکو قسطنطنیہ بھی کہتے ہیں رہے ہیں — اب مجاور مدینۂ منورہ ہیں — ایک دن مدینۂ منورہ کے ایک باغ میں کہ چاہ ابو ایوب انصاریؓ اس میں ہے — بقصد سیر و تفریح میں اور وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن سے احوالِ ملک روم، اطوارِ سلطان، دیگر خصوصیات قسطنطنیہ اور کفار مذکورین کا حال دریافت کیا۔ انھوں نے بہت سے عجائب و غرائب ذکر کیے —

شریف سرور کی خبرِ وفات

۱۸ ربیع الثانی ۱۲۰۲ھ کو شریف سرور نے مکہ معظمہ میں وفات پائی ان کا مجمل تذکرہ اوراقِ سابق میں گزر چکا ہے — ابھی وہ کچھ اوپر تیس سال کے تھے کہ صرصرِ اجل نے ان کے نہالِ عمرِ زندگانی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا — مدینۂ منورہ میں جب یہ خبر پہونچی — خطیب نے جمعہ کے دن خطبہ میں اللہ تعالیٰ کے دوام و بقا، اہلِ دنیا کی موت و فنا اور زوالِ ملک و دولت کا ذکر ایسے انداز میں کیا کہ حاضرین پر رقت طاری ہوگئی — بعد نماز جمعہ، مسجد نبویؐ میں نماز جنازہ غائبانہ شریف سرور پر پڑھی گئی — امام شافعی المذہب تھا سب نے اس کی اقتدا کی۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب نجاشی بادشاہ حبشہ نے اپنے ملک میں وفات پائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی روز مدینۂ منورہ میں صحابۂ کرامؓ سے فرمایا کہ مردِ صالح اصحمہ نجاشی فوت ہوگیا — اس کے بعد صحابہ کے ساتھ نجاشیؓ پر غائبانہ نماز پڑھی — اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، سفرِ تبوک میں تھے کہ معاویہ لیثی صحابیؓ نے مدینۂ منورہ میں وفات پائی، جبرئیل علیہ السلام نے ان کی موت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ اُن پر بھی آپ نے غائبانہ نماز پڑھی — نماز جنازہ غائبانہ مذہب شافعیؒ میں جائز ہے — نزد حنفیہ جائز نہیں — ان احادیث سے استدلال کے جوابات جو حنفیہ نے دیئے ہیں وہ اپنی جگہ کتابوں میں موجود ہیں —

حرمین شریف میں یہ قاعدہ ہے کہ جب اکابر میں سے کسی کی خبر موت سنتے ہیں تو مذاکرہ کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں شہر میں وفات پائی ہے اے مسلمانو! اس پر نماز جنازہ پڑھو — پس شافعی

دام، امامت کرتا ہے اور اکثر حنفیہ بھی اس کی اقتدا کرتے ہیں۔

شریفِ نو کی خوشی

بحکم شیخ الحرم شریفِ نو کے جلوس سے خوشی کا اظہار کرنے کے لیے بازار مدینہ کی چند دن زینت کی گئی۔

شیخ الحرم

شرفائے مدینہ سادات حسینی ہیں، زمانہ سابق میں اس بلدۂ طیبہ کی حکومت ان کے ہی کفِ اقتدار میں تھی۔ جب ہتکِ حرمتِ حرم شریف، ان سے ظہور میں آئی اور اندرونِ مسجد متصل شباکِ حجرۂ شریفہ، کرسیاں بچھا بچھا کر بیٹھنے لگے اور وہاں بیٹھ کر قہوہ پیتے تھے۔ سلطانِ روم کو اس حال کی خبر ہوئی۔ ایک شخص کو بھیج کر ان کو ان اعمال سے باز رکھا اور حکومت سے ان کا دستِ تصرف کوتاہ کر دیا۔ اس دن سے شیخ الحرم، سلطان کی جانب سے مقرر ہوا، چند سو آدمی اہلِ لشکر سے برائے محافظت قلعہ و شہر متعین ہو گئے۔ اب چند آدمی ان شرفا میں سے یہاں موجود ہیں اور اس وظیفے سے جو سلطان کی جانب سے آتا ہے اور بعض باغوں کی آمدنی سے بسر اوقات کرتے ہیں۔ اب فقط خطبے میں بعد نام سلطان و شریف مکہ، شریف مدینہ کا نام ان الفاظ سے مذکور ہوتا ہے۔ اللّٰھم اصلح امیر المدینة شریف صالح

سلاطینِ روم خدامِ مدینہ کی فہرست میں

آثارِ سعادت سلاطینِ روم سے یہ بھی ہے کہ منجملہ خدامِ حرمِ مدینہ، فراشین کا جو گروہ ہے اور جن کا کام اندرونِ شباکِ گنبدِ خضرا جاروب کشی کرنا اور قنادیل روشن کرنا ہے۔ اس گروہ کا سردار سلطان نے خود کو قرار دیا ہے۔ اور اپنا نام بھی دفترِ خدام میں ثبت کرایا ہے، نیز اپنے نام کا وظیفہ بھی دیگر خدام کی طرح مقرر کیا ہے۔ نائب سلطان اس کام کی انجام دہی کے لیے مدینہ میں رہتا ہے۔ اس زمانے میں نائب سلطان شیخ حسین عباسی ہیں جو شیخ ابو الفتح مفتی حنفی کے چچازاد بھائی ہیں۔ وہ نیابت سلطان میں اندرونِ حجرہ جا کر اول خود جاروب کشی کرتے ہیں اور قنادیل روشن کرتے ہیں ان کے بعد دوسرے خدام اس خدمت کو انجام دیتے ہیں۔ جب نیا بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے تو اپنے نائب کو روم سے صلہ و عطا بھیجتا ہے۔ سلاطینِ روم اس عہدۂ خدمتِ جاروب کشی کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتے ہیں۔

سلطانِ دیارِ مغرب کی داد و دہش

شریف عبداللہ بن محمد، سلطان دیارِ مغرب نے امسال،

حرمین کو جو ہدایا بھیجے ہیں اُن میں ایک لاکھ تیس ہزار مد بشرح جو کہ ہندوستان کے تقریباً دو لاکھ روپیہ ہوتے ہیں برائے اہلِ مدینہ تھے ——— ان میں سے پچپن ہزار حصہ سادات و شرفا کا تھا جن کو سید السلام نے تقسیم کیا اور سادات کے مرد و زن میں سے ہر ایک کو اسی اسمٰعیلی سے کم نہ پہونچا ہوگا ——— اہلِ امتیاز کو ایک سو اور ہزار تک دیا گیا ——— پچپن ہزار دیگر ساکنین مدینہ میں سے غنی و فقیر، زن و مرد، صغیر و کبیر، مملوک و آزاد سب کو پہونچا اور سات اسمٰعیلی سے کم کسی کو نہ ملا۔ بیس ہزار حجرۂ شریفہ میں امانت ہیں، چالیس آدمیوں کے صرفے کے لیے جن میں سے دس آدمی قرآن، دس دلائل الخیرات، دس درود شریف اور دس قصیدۂ بُردہ پڑھتے ہیں۔ سو اسمٰعیلی ماہانہ تنخواہ ان چالیس کو دی جاتی ہے

سلطان مغرب اور فنِ حدیث

سلطان مذکور نے دو کتابیں حدیث کی تالیف کی ہیں، اُن کے چند نسخے حرمین بھیجے ہیں اور اُن کتابوں کے درس دینے والوں کا سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا ہے۔ چنانچہ حرمین میں بعض اشخاص اُن کتابوں کا بھی درس دیتے ہیں ——— شہر مراکش جو دیارِ مغرب کا دار السلطنت ہے، خشکی سے پانچ ماہ کا راستہ ہے اور اسکندریہ و مصر ہو کر کچھ کم ہے ———

اہلِ مدینہ کے اطفال

اہلِ مدینہ کے اطفال خورد سال جو قرآن مجید حفظ کرتے ہیں، بعد مغرب مسجد شریف میں نزد منبر و محراب بیٹھتے ہیں، اپنا سبق دہراتے ہیں اور اچھی آواز کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ میں ایک رات اُستوانۂ اُم المومنین عائشہ کے قریب مشغولِ تلاوتِ کلام اللہ تھا کہ ایک لڑکا جس کا قرآن میں نے سنا تھا، میرے پاس آیا اور کہا أَقْرَءُ عليك ——— (کیا میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں) میں نے کہا اِقْرَءْ ——— (پڑھو)۔ اُس نے پڑھنا شروع کیا۔ اس کو دیکھ کر دو لڑکے اور آکر بیٹھ گئے، میں نے ان کو کچھ دیا اور کہا کہ اس کو آپس میں برابر برابر تقسیم کر لو۔ وہ لڑکے خوش ہوئے، ان میں سے ایک بہت چھوٹی عمر کا تھا، شاید آٹھ سال سے زیادہ نہ ہو، اس چھوٹے بچے سے میں نے دریافت کیا کہ تم نے آج کیا کھایا تھا؟ اُس بچے نے جواب دیا کہ میں تم کو اس کا جواب نہیں دوں گا اپنے عمل کے ضائع ہو جانے کے خوف سے! ـ اُس کے بھائی نے کہا کہ یہ حدیث کا مضمون بیان کر رہا ہے کہ جس نے مسجد میں دنیا کی بات کی اس نے اپنا عمل ضائع کر دیا ——— مجھ کو اس کی اس بات سے تعجب ہوا کہ یہ لڑکا جزئیات

آداب شرعیہ پر اتنی اطلاع رکھتا ہے ـــــ بڑی عمر والوں کو بھی ان باتوں کا خیال نہیں ہوتا۔

مسجد نبوی میں مجالس علم و ذکر

مسجد نبوی میں چند حضرات، مجلس درس و تذکیر منعقد کرتے ہیں بعض علما، کتب تفسیر و حدیث و فقہ اور علوم آلیہ کا درس دیتے ہیں۔ بعض تذکیر کے طور پر کتاب حدیث یا کتاب سلوک کو یا احوال مشائخ کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے ہیں اور حاضرین حلقہ کیے بیٹھے رہتے ہیں اور سنتے ہیں۔ اس مجمع میں اکثر تاجر و دوکاندار بھی حاضر ہوتے ہیں اور زباندانی کی وجہ سے مطلب سمجھتے ہیں، محتاج تفہیم نہیں ہوتے اگر کوئی لغت عبارت میں آئے یا دو حدیثیں بظاہر متعارض ہوں یا کسی مسئلہ میں اختلاف مجتہدین ہو تو اس کو قاری خود واضح کر دیتا ہے، وقت عصر سے، وقت چاشت تک اور عصر سے مغرب تک عجیب مجمع مسجد نبوی میں رہتا ہے ـــــ ایک جماعت وعظ و تذکیر میں مشغول ہے۔ ایک تلاوت قرآن کر رہی ہے، ایک جماعت دلائل الخیرات اور درود پڑھ رہی ہے۔ ایک مواجہ شریف میں بیٹھی ہوئی عرض نیاز اور توسل بہ سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم میں مشغول ہے۔ زعم فقیر میں اس طرح کا اجتماع اس حیثیت سے روئے زمین پر نہ ہوتا ہوگا۔ مکہ معظمہ میں اگرچہ بعض علما، درس دیتے ہیں اور لوگ ان کے قریب جمع ہوتے ہیں اور کچھ لوگ ذکر و درود میں مشغول ہوتے ہیں، مگر یہاں تو کیفیت ہی دوسری ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی ھٰذَا النَّبِیِّ ـــــ

علماء و صلحاء مدینہ منورہ

(۱) شیخ عثمان حنفی مصری ـــــ ان کی اصل دمشق ہے، مولد و منشا مصر ہے، پندرہ سال سے زیادہ گزر گئے کہ مجاور مدینہ ہیں۔ تبحر علم حدیث و فقہ میں اپنے زمانے میں حرمین کے اندر عدیل و نظیر نہیں رکھتے ـــــ تقریر مطلب اور توضیح مراد میں بے بدل ہیں۔ شافعی امام کی نماز فجر کے بعد، روشنی شمع میں، درس مسلم و بخاری دیتے ہیں، بہت بڑا مجمع اس درس میں حاضر ہوتا ہے ـــــ عشائین کے درمیان شرح ابن حجر پر اربعین نووی چند آدمی ان کے سامنے پڑھتے ہیں۔ صاحب تصانیف ہیں۔ الاشباہ والنظائر کی شرح شروع کر کے حج کو مکہ معظمہ گئے تھے۔ فقیر نے حرم مکہ میں ان سے ملاقات کی تھی اور مدینہ منورہ میں اکثر ان کی مجلس درس میں حاضر ہوتا ہے ـــــ چونکہ اہل مصر کے لہجہ میں کلام کرتے ہیں اور زبان میں کچھ سرعت بھی ہے اس لیے فقیر کی سمجھ میں ان کا کلام بتامل

نہیں آتا تیمناً اُن سے اجازتِ روایتِ صحاح حاصل کی اور ایک ایک حدیث ہر کتاب سے پڑھی۔ انھوں نے مجھے اجازت نامہ لکھ کر دیا۔ ان کے اور بخاری کے درمیان دس واسطے ہیں

(۲) شیخ صالح مالکی مغربی ——— تمام علوم وفنون خصوصاً حدیث وفقہ میں تبحّر رکھتے ہیں۔ ان کی زبان فصیح ہے —— بعد نماز صبح وظہر تفسیر و بخاری اور کتبِ فقہ مالکی کا درس دیتے ہیں۔ —— بین العشائین، خصائص کبریٰ مؤلفہ علامہ سیوطیؒ کا مقابلہ کرتے ہیں۔ چند آدمی سماع کرتے ہیں —— فقیر سے بہت محبت والفت رکھتے ہیں۔ چودہ سال ہوگئے کہ دیارِ مغرب سے آکر مجاورتِ مدینۂ منورہ اختیار کر لی ہے کہتے تھے کہ میرا وطن حرمین سے سات ماہ کے راستے پر ہے۔

(۳) شیخ الیاس شافعی —— یہ تلمیذ شیخ ابوالحسن سندھی ہیں۔ بعد نماز فجر بعض کتب کا درس دیتے ہیں۔ بین العشائین بخاری کو اور ایک کسی سلوک کی کتاب کو بطور تذکیر پڑھتے ہیں اور لوگ سنتے ہیں۔ ان ایام میں بعد بخاری، طبقات شیخ عبدالوہابؒ پڑھ رہے ہیں اور اس کو قریب اختتام پہونچا دیا ہے۔ اس وقت فقیر اکثر ان کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے ——

(۴) شیخ احمد حنبلی —— ساکن تھا از مضافات بصرہ۔ صالح اور خوبصورت نوجوان ہیں —— اپنے مذہب کی کتابیں استعدادِ تمام کے ساتھ پڑھاتے ہیں —— سفید ریش لوگوں کی جماعت ان کی شاگردی کرتی ہے —— مجھ کو ان کی فصاحتِ زبان، لطافتِ بیان اور حسنِ تقریر بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ جس وقت میں ان کی مجلسِ درس میں سے ہو کر گزرتا ہوں، ٹھہر جاتا ہوں اور اُن کے کلام کو سُن کر لذت یاب ہوتا ہوں ——

(۵) شیخ موسیٰ —— یہ مشارق الانوار کا درس دیتے ہیں۔ اور بزبانِ ترکی تقریر مطلب کرتے ہیں —— ترکوں کی جماعت ان کے درس میں حاضر ہوتی ہے۔ ——

(۶) سید احمد جمل اللیل[۱] —— سادات باعلوی سے ہیں۔ اس خاندان کی اصل حضرموت میں ہے —— سب شافعی مسلک رکھتے ہیں —— مدت ہوئی کہ ان کے آبا نے مدینے میں سکونت

---

[۱] جمل اللیل اُن سادات کا لقب ہے جو علی العُریضی بن جعفر الصادقؒ کی اولاد ہیں۔

اختیار کرلی تھی ۔۔۔۔۔ جمالِ صورت اور کمالِ سیرت ان میں جمع ہیں ۔ علوم دین سے بہرۂ کامل رکھتے ہیں۔ بہت سی کتابیں فراہم کی ہیں ۔۔۔۔ بعد اشراق، مسجد نبوی میں متصل شباک حجرۂ سیدۃ النساء درس دیتے ہیں۔ اس فقیر کو ایام مراجعت کے قریب ان سے تعارف حاصل ہوا اور دل اُن کے محاسنِ اخلاق کا مرہون رہا ۔۔۔۔۔

(۷) شیخ محمد عابد سندھی ۔۔۔۔۔ یہ برادر زادۂ شیخ محمد حیات سندھی ہیں۔ خود مدینۂ منورہ میں پیدا ہوئے ہیں ۔۔۔ تمام علوم میں، خصوصاً بدیع و بیان، عروض و حساب اور نجوم و استخراج تقویم میں بہرۂ کامل رکھتے ہیں ۔۔۔ اشعارِ عربی بہت یاد ہیں، زبان بھی بہت فصیح ہے ۔۔۔ خود بھی شعر کہتے ہیں، اُن کو مجھ فقیر سے محبت و موانست بدرجۂ اتم ہے ۔۔۔۔ بارہا جب کبھی باہم بیٹھے ہیں انھوں نے عربی اشعار سنائے اور میں نے اشعار فارسی ۔ پھر میں اُن فارسی اشعار کا مطلب عربی زبان میں اُن کو سمجھاتا تھا ۔ ایک دن ایک فارسی رباعی میں نے ان کو سنائی، بہت پسند کی ۔ جس دن سے یہ دو شعر اُن کی زبان سے سُنے ہیں وردِ زبان کرلیے ہیں ۔۔۔ ان شعروں کو بطور مناجات پڑھتا ہوں اور امید قبولیت رکھتا ہوں ۔۔۔۔۔

الٰہی نجّنی من کُلِّ ضیقٍ ۔۔۔ بجاہ المصطفےٰ مولی الجمیع

وَھَبْ لی فی مدینتہ قراراً ۔۔۔ ورزقاً ثم دفناً فی البقیع

(۸) سید زین العابدین ۔۔۔۔۔ انھوں نے شرافتِ نسب کے ساتھ ساتھ فضیلت حسب کو بھی جمع کرلیا ہے ۔ علوم دینیہ سے بہرہ اندوز ہیں ۔ زبان فصیح رکھتے ہیں اور شعر بھی کہتے ہیں ۔ جس دن مسجد نبوی میں ان کی امامت کی نوبت آتی ہے ۔ اُن کی خوش الحانی سے سامعین جھوم جھوم جاتے ہیں ۔ اُن کا خاندان عالی ہے ۔ اُن کے جدِّ اعلیٰ سید محمد برزنجی شہرزوری تھے جو خواجہ ابو یوسف ہمدانی کی اولاد میں تھے اور ولایت عراق سے آکر مدینۂ منورہ میں اقامت گزیں ہوگئے تھے ۔ وہ علم میں مرتبۂ عالی رکھتے تھے ۔ الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ وغیرہ بہت سی ان کی تالیفات ہیں ۔ وہ ۱۱۰۳ھ میں فوت ہوئے ۔۔۔۔ اس وقت تک برابر ان کی ذرّیت میں اہلِ فضل و علم ہوتے چلے آئے ہیں ۔ اور معظم و مکرم رہے ہیں ۔۔۔ سید محمد مذکور کے پسر نبیرہ، سید جعفر برزنجی تھے جن کا رسالۂ مولود اور رسالۂ رجبیہ ہے اور اسماءِ اہلِ بدر و اُحد کو بھی ایک رسالہ میں جمع کیا ہے۔

سید جعفر برزنجیؒ نے ۱۱۶۲ھ میں وفات پائی — سید زین العابدین، سید جعفر کے نواسے اور ان کے برادر حقیقی کے پوتے ہیں۔ رسالہ مولد و معراج نیز اسماء اہل بدر و اُحد کو زبان فصیح میں نظم کیا ہے۔
سید زین العابدین نے بخاری شریف کی پہلی حدیث میرے لیے پڑھی اور اجازت روایت بخاری دی — ایک دن میرے دیکھنے کو تشریف لائے — اور بدست خود، روایت حدیث اور رسائل مذکورہ کا اجازت نامہ مجھے لکھا —

(۹) سید علی — یہ برادر سید جعفر ہیں، انھوں نے بھی اسماء اہل بدر و اُحد کو نظم کیا ہے — اُن کا یہ قصیدہ، عرب سے شام و روم تک شہرت پا چکا ہے — میں نے ان سے بھی ملاقات کی اور منظومۂ مذکورہ کو اُن کے سامنے پڑھ کر اجازت حاصل کی —

(۱۰) ابو السعود حنفی شورانی — کتب علم دین پر عبور رکھتے ہیں — بین العشائین قرأت صحیح مسلم، مسجد نبویؐ کے اندر محراب نبویؐ میں کرتے ہیں — اب صحیح مسلم قریب اختتام ہے — فقیر بھی ان کی مجلس درس میں حاضر ہوا ہے اور چند جزء سنے ہیں —

دیگر چند اکابر مدینہ یہ چند (مذکورۂ بالا) حضرات اہل علم ہیں جن سے فقیر کو تعارف ہوا اور مصاحبت و مجالست حاصل ہوئی، ان مذکورین کے علاوہ کچھ حضرات اور بھی ہیں کہ افادہ و استفادہ میں مشغول رہتے ہیں، اُن میں ایک سید محسن مغبل ہیں جو سادات باعلوی سے ہیں۔ اس سے پہلے وہ مدینۂ منورہ کے سید السادہ تھے — شریف سرور ان سے حسن عقیدت رکھتے تھے اور جب مدینۂ منورہ آتے تھے تو اُن کے گھر پر جاتے تھے اور ان کی سفارش جس کے حق میں ہوتی تھی اس کو رد نہیں کرتے تھے — چند سال سے غلبۂ ورع و تقویٰ کی وجہ سے، عہدۂ مذکورہ سے استعفا دے دیا ہے اور اپنے گھر میں گوشہ گزیں ہو گئے ہیں — اب حرم نبویؐ میں بھی کم آتے ہیں۔ ان کا گھر شہر پناہ کے کنارے پر ہے اور اس مکان کے سامنے باغات و صحرا کا سلسلہ، قبا اور حوالی مدینہ تک چلا گیا ہے گویا یہ تمام میدان اُن کے گھر کا صحن ہے — تفریح کے لیے اس سے بہتر یہاں کوئی مکان نہ ہوگا — فقیر ان کی ملاقات کو گیا اور اُن کے مکارم اخلاق سے مستفید ہوا۔

سید ابراہیم امیر — یہ امام محسن کے بھائیوں میں سے ہیں۔ زبان فصیح اور

ریانِ طبع رکھتے ہیں، علوم دینیہ کے عالم ہیں، تواضع اور رقت قلب ان پر غالب ہے۔ اس سے پہلے اپنی قوم کے مطابق مذہب زیدیہ رکھتے تھے۔ اس کے بعد اہلِ سنت وجماعت کی طرف رجوع کیا۔ امام یمن اور علمائے زیدیہ سے مباحثے کیے اور اُن پر اعتراضات وارد کیے اور یمن سے چلے آئے۔ چند سال سے یہاں مقیم ہیں۔ یمن کا امام ان کو صلات و ہدایا بھیجتا رہتا ہے ـــــ ایام مراجعت کے قریب امیر مذکور، سید احمد جمل اللیل، ابوالسعود شورانی، نیز بعض دیگر علماء اور فقیر، شیخ صالح الکی کے مہمان ہوئے تھے، پھر حرم نبویؐ میں ان سے ملاقات ہوئی، وہ مجھے اپنے گھر لے گئے۔ دیر تک میں وہاں بیٹھا، رخصت ہونے کے وقت، مفارقت پر بہت تاسف و تحسّر کیا ـــــ وہ کہتے تھے کہ زیدیہ سوائے حکام بنی اُمیہ کے کسی کو بُرا نہیں کہتے، اور اُن کے فروعِ فقہ اکثر حنفیہ کے موافق ہیں۔ وضو میں پاؤں دھوتے ہیں۔ مسحِ رجلین جائز نہیں رکھتے۔ اور اہلِ سنت میں سے جو یمن میں وارد ہوتا ہے اس سے حسنِ اخلاق کے ساتھ پیش آتے ہیں، علما، اہلِ سنت کی توقیر اور مشائخِ طریقت کی تعظیم کرتے ہیں۔ آخر زمانے میں ظہورِ مہدی کے قائل ہیں۔ ان کے ائمہ مساجد سب شافعی اور حنفی ہیں ـــــ

سید مصطفےٰ حلبی حنفی قادری ـــــ عالمِ علوم دینیہ ہیں اور مسلکِ صوفیا رکھتے ہیں چند سال سے مجاور مدینہ منورہ ہیں۔ ان کو مجھ سے بہت کچھ محبت ہو گئی ہے۔ ایک دن میں ان سے اس مبارک مقام کی مفارقت پر اظہار تاسف کر رہا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ غم نہ کرو، حتی الامکان اپنے دل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق رکھو۔ حقیقت محمدیؐ تمام کائنات میں جلوہ گر ہے دل کو متوجہ حضرت نبویؐ کر کے جہاں رہو گے اُن کے نزدیک رہو گے گو بظاہر دور رہو۔ اس لیے کہ اعتبار قربِ معنوی کا ہوتا ہے ـــــ ظاہری دوری قربِ معنوی کے ہوتے ہوئے کچھ نقصان نہیں پہونچاتی ـــــ کوچ کے دن میری مشایعت کے لیے بہت دور تک بیرونِ مدینہ آئے اور مجھے رخصت کیا ـــــ

اہلِ مدینہ کی چند خصوصیات

اہلِ مدینہ باوجودیکہ معاشِ قلیل رکھتے ہیں، لیکن کھانے پینے میں بہت تکلفات برتتے ہیں اور کسی سے قلتِ معاش کی شکایت یا اظہارِ فقر و تنگدستی نہیں کرتے۔ یہ دُعائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اثرات ہیں کہ

اہل مدینہ کے حق میں برکت کے لیے فرمائی تھی ــــ یہاں کے تمام ساکنین، حسنِ اخلاق، محاسن شیم اور کشادہ جبینی کے ساتھ موصوف ہیں۔ کیوں نہ ہوں آخر صاحب خلق عظیم کی ہمسائگی کا شرف رکھتے ہیں۔

مہاجرین

کثیر التعداد، ترک استامبول (قسطنطنیہ) اور اقصائے روم سے آکر مجاورت مدینہ منورہ اختیار کیے ہوئے ہیں اور وہ بفراغِ قلب، خوش حالی کے ساتھ طاعت وعبادت میں بسر کرتے ہیں۔ اسی طرح عرب، سندھ اور دیگر مقامات کے لوگ بھی بڑی تعداد میں یہاں مقیم ہیں ــــ ایرانیوں میں سے کوئی مدینہ منورہ میں نہیں پایا گیا ــــ بعض ایرانی موسم حج میں آتے ہیں اور اس راہ سے بھی گزرتے ہیں لیکن ہمراہِ قافلہ بلا توقف چلے جاتے ہیں۔ ان ایرانیوں میں سے کسی کو توفیق نہیں ہوئی کہ مجاورت مدینہ منورہ اختیار کرے ــــ

چند قابل ذکر ہندستانی مہاجر

اہل ہند کی ایک جماعت ہے جس نے غلبۂ شوق کی بنا پر یار و دیار کو ترک کر دیا ہے یا وہ لوگ ہجوم مصائب سے تنگ آکر وطن سے نکل آئے ہیں اور اس آستانے پر پناہ گزیں ہوگئے ہیں، یہیں سکونت اختیار کرلی ہے اور اُن تمام آفات وبلیات سے جو ہندوستان میں پے در پے آرہی ہیں ــــ مامون ہوگئے ہیں ــــ ان میں سے جس کسی کو دسترس تھی اُس نے وجہ معیشت بہم پہونچالی یا کسی صنعت میں مشغول ہوگیا ورنہ توکل پر زندگی بسر کرتا ہے ــــ ان ہندوستانی مہاجرین مدینہ میں سے مردم دیدہ مردمی، سید حنیف بھی ہیں ان کے والد جو سادات ازبکیہ میں سے تھے، دہلی میں قمرالدین خاں کے رفیق تھے ــــ عہد عمادالملک میں گڑبڑی واقع ہوجانے کے بعد، اپنے تمام خاندان اور اہل وعیال کو لے کر دہلی سے مدینہ منورہ آگئے اور یہاں سکونت اختیار کرلی نیز وظیفہ بھی جس کو اس شہر کی اصطلاح میں "معلوم" کہتے ہیں ــــ معتد بہ مقدار میں بہم پہونچالیا۔ اپنے اوقات یہاں فراغت کے ساتھ گزارتے ہیں۔ اُن کی ذات عالی، مکارم اخلاق اور حسنِ اشفاق میں مغتنمات آفاق سے ہے۔ اِن کے والد مرحوم کے نقیر کے والد مغفور سے تعلقات تھے ــــ وہ تعلقات، سید حنیف نے یاد دلائے اس وجہ سے رابطۂ مودت قدیم، محکم ومستحکم ہوا ــــ ان کو فارسی اور اردو کے اشعار خوب یاد ہیں ایک دن التزام مجاورت مدینہ کے بارے میں اردو کا یہ شعر پڑھا ــــ ؎

کوئی نکلا نہیں جنت میں آکر   میں نکلوں کس طرح اس کی گلی سے؟

سید بدر الدین ، داماد سید حنیف مذکور ـــــــ تحصیل علوم کر رہے ہیں۔ اور شیخ عثمان سے کتب حدیث و فقہ پڑھتے ہیں ـــــــ

سید محمد حیات دہلوی حنبلی قادری ـــــــ ان کے بزرگ دہلی میں منصب دار شاہی ہوئے ہیں۔ یہ انقلاب حکومت مغلیہ کی وجہ سے دہلی سے نکلے اور حرمین، نجف، کربلا اور بغداد کی زیارت کے بعد پھر دہلی چلے گئے۔ اب چند سال سے مدینۂ منورہ میں سکونت پذیر ہو گئے ہیں ـــــــ مذاہب اربعہ کی فقہ کا ایک رسالہ فارسی زبان میں لکھا۔ اس کے بعد بعض اہل مدینہ کی فرمائش پر اس کو عربی میں منتقل کیا۔ ان کے فضائلِ ذاتی و صفاتی بہت کچھ ہیں۔ ان کو مجھ سے خاص محبت و مودت ہے یہ دہلی میں مشائخ قادریہ میں سے ایک شیخ کے مرید تھے پھر اس کے بعد سید مسافر قادریؒ نے مکہ معظمہ میں ان کو خلافت و اجازت دی۔ سید مسافرؒ، فرزندان شیخ عبد القادر جیلانیؒ میں سے تھے ـــــــ ان کی قبر مکہ معظمہ میں ہے اس راستے پر جو تنعیم کو جا رہا ہے ـــــــ اس فقیر نے ان کا نسب نامہ اور اجازت نامہ دیکھا ہے، تین چار پشت کے بعد سیدی و شیخی محمد غوث قادریؒ (لاہوری) کے نسب نامہ کے مطابق ہو جاتا ہے ـــــــ

(مولانا) محمد صدیق ساکن بڑودہ ـــــــ بڑودہ گجرات میں ایک شہر ہے ـــــــ یہ متقی عالم ہیں۔ چند سال سے یہاں کے ساکن ہیں اور عبادت و کسب علوم میں مشغول ہیں۔

ایک طرابلسی مہاجر محمد بن علیش ساکن طرابلس ـــــ پانچ سال سے یہاں مقیم ہیں، اکثر اوقات مسجد نبویؐ میں درود شریف اور دیگر اوراد پڑھتے رہتے ہیں اور سوائے حاجت ضروری کے حرم سے باہر نہیں نکلتے ـــــــ مجھ کو ان سے بہت موانست تھی میں نے ان سے اہل مغرب کے عملیات کا استفسار اور اس کی تعلیم کا التماس کیا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ "درحقیقت سرزمین مغرب میں عملیات والے بہت سے ہیں اور میری ایک عامل سے ملاقات بھی ہوئی تھی اور اس نے چاہا تھا کہ مجھے عمل سکھا دے لیکن چونکہ اس عمل کی غایت منافع دنیا کمانا، تسخیر اہل دنیا اور مکر و حیلہ تھا اس لیے مجھے اس طرف توجہ نہ ہوئی" ـــــــ فقیر نے اہل مغرب کے عملیات کی عجیب عجیب حکایتیں سنی ہیں ـــــــ

علم حدیث کے طالبین کے لیے ایک ضروری نصیحت ایک دن میں شیخ محمد صالح مالکی

کی مجلسِ درس میں بیٹھا ہوا تھا۔ الفیہ عراقی کا جو کہ اصولِ حدیث میں ہے وہ درس دے رہے تھے —— اسے آداب طالب حدیث پڑھ رہے تھے اُس میں مذکور تھا کہ ......

...... آداب طالب علم حدیث میں سے بڑا ادب یہ ہے کہ اُس کی نیت طلب حدیث میں عمل کی ہو۔ شہرت وجاہ مقصود نہ ہو اور اُسے چاہیے کہ جو حدیث پڑھے اُس پر عمل کرے "

—— شیخ موصوف نے بیان کیا کہ بزرگانِ سلف میں سے ایک نے ایک عالم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اربابِ اموال کو مال کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا ہے اے علماء سو تمہاری زکوٰۃ یہ ہے کہ تم کم از کم چالیس حدیثوں میں سے ایک حدیث پر ہی عمل کرلیا کرو ——

نماز میں ارسالِ یدین امام مالکؒ کا مسلک نہیں ہے

شیخ محمد صالح مالکی سے میں نے دریافت کیا کہ نماز میں ہاتھ چھوڑنا جو آپ حضرات میں معمول ہے کیا اس کی سند حدیث میں وارد ہے —— انھوں نے کہا کہ کسی حدیث میں ارسال نہیں آیا —— امام مالکؒ نے موطا میں روایت کیا ہے کہ نماز میں اعتماد (ہاتھ باندھنا) ہے۔ لیکن قاسم تلمیذ مالکؒ نے امام مالکؒ سے کچھ سوالات کیے تھے اور امام کے جوابوں کو ایک کتاب میں جمع کیا، مدونہ اس کتاب کا نام رکھا، اُس کتاب میں امام مالکؒ سے ارسال کی روایت کی ہے، مالکیہ کا عمل اسی روایت پر ہے۔ حدیث میں سوائے اعتماد کے اور کچھ نہیں ہے" —— میں نے سید حسین مفتی مکہ اور شیخ محمد علیش سے بھی اس مسئلے کو دریافت کیا تھا۔ انھوں نے بھی یہی جواب دیا ——

دیارِ مدینہ کو الوداع

چار مہینے بیس دن کی اقامت کے بعد بحسب ارادۂ علیم وحکیم یہاں سے جانا پڑا۔ بروز دوشنبہ ۲۰ رجب کو مسجد نبوی میں مصلائے نبویؐ کے اندر احرام عمرہ باندھ کر اور دربارِ خدا میں تضرع وزاری کرکے اندر علائے معاودت و مجاورت کی التجا دیارِ حبیب خداؐ کو الوداع کہہ کر مکہ معظمہ روانہ ہوگیا ؎

ضرورتست دگرنہ خدائے می داند
کہ ترک صحبتِ جاناں نہ اختیارِ من است

۲۹ رجب کو قافلہ قریش میں اترا، بعد زوالِ شمس وہاں سے کوچ ہوا اور آخر شب

میں وادیٔ روحا میں متصل مسجد شرف الروحا اُترے ــــ چہارشنبہ کو مسجد مذکور میں نماز ظہر و عصر جمع تقدیم کے ساتھ پڑھ کر کوچ کیا ــــ رات کو وادیٔ خیف سے گزرے اور پنجشنبہ کی صبح کو بتاریخ یکم شعبان صفرا میں ورود ہوا ــ دن کے آخری حصے میں یہاں سے روانگی ہوئی۔

بدر

جمعہ کی صبح کو بدر پہونچے اور شہدار کی زیارت سے اور مساجد متبرکہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس وادی میں جس میں ملائکہ اترے ہیں اور جو محل نصرت و عزت دین اور مقام فتح مبین تھی۔ جہاں کفار و مشرکین ہلاک و تباہ ہوئے ہیں ــــ انوار فیض چمک رہے ہیں۔ اس قسم کے مقامات کو دیکھ کر اور گزشتہ احوال و واقعات کا استحضار ہو کر باطن کو نور و سرور ہوتا ہے ــــ بدر میں آج کل جس جگہ کی زیارت کرتے ہیں وہ مسجد جمعہ ہے۔ یہ مسجد اندرون آبادیٔ بدر ہے ــ اس کو مسجد غمامہ بھی کہتے ہیں ــ کہتے ہیں کہ نزول ملائکہ یہیں ہوا تھا ــ بیرون بدر کنارۂ وادی پر ایک چھوٹے سے احاطے میں قبور شہدار ہیں، اس کے متصل ایک قبہ ہے۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم بروز جنگ بدر اس جگہ تشریف فرما تھے۔ وہاں ایک پتھر ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے تکیہ لگایا تھا۔ اس قبے کے پہلو میں بالائے کوہچہ ایک مسجد ہے اس کو مسجد سیدنا علی مرتضیٰ رضؓ بتاتے ہیں۔ بدر ایک بڑا قریہ ہے، اس کا بازار بھی معمور ہے ــ اس میں ایک نہر ہے جس کا منبع معلوم نہیں اور مثل نہر خیف و صفرا "سر پوشیدہ" ہے، بیرون و اندرون شہر بدر کہیں کہیں وہ نہر کھلی ہوئی ہے ــــ کھجوروں کو اس سے پانی دیتے ہیں ــــ

اہل بدر سب اہل سنت و جماعت ہیں، بخلاف خیف و صفرا کے باشندوں کے کہ وہ مثل اہل یمن، زیدیہ ہیں ــــ جمعہ کے دن یہاں قیام ہوا اور نماز مسجد غمامہ میں پڑھی ــــ

آگے کی منزلیں مکۂ معظمہ تک

شنبہ کو دن کے آخری حصے میں کوچ ہوا ــ شام کے قریب حدود کوہستان سے نکل کر ریگستان کی زمین ہموار سامنے آئی جس کے بائیں طرف پہاڑوں کا راستہ ہے اور دائیں طرف تین چار کوس کے فاصلے پر سمندر ہے صبح یکشنبہ ــــ کو ایک پہاڑ کے محاذ میں اُترنا ہوا ــــ دوشنبہ کو مستورہ میں پہونچے اور اس جگہ راہ بدر، راہ صفرا سے متحد ہو گئی ہے ــــ سہ شنبہ کو رابغ پہونچے ــــ صبح جمعہ

ارشعبان بندرگاہ جدہ اُترے وہاں دو دن ٹھہر کر یکشنبہ کو بعد نماز ظہر مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ ___ دوشنبہ کو جدہ میں گزارا اور وہاں سے آخر روز میں سوار ہو کر سہ شنبہ کے دن بتاریخ ۱۳ ارشعبان بوقت سحر، حرم محترم میں حاضر ہوئے ___ طواف وسعی سے فراغت حاصل کی۔

شب برات کی فضیلت پر خطبہ

۱۴ ارشعبان کو بعد نماز عصر، حرم کے شمالی ایوان میں منبر بچھایا گیا، قاضی، مفتیانِ مذاہب اربعہ اور دیگر اکابر و اصاغر جمع ہوئے۔ خطیب بالائے منبر آیا اور بیٹھ کر خطبۂ طویل پڑھا جو شب برات کی فضیلت پر مشتمل تھا۔ جب سلطانِ روم اور شریف مکہ کے نام پر خطیب پہونچا۔ دو خلعت اس کو پہنائے گئے۔ بعد فراغت خطبہ سب بیت اللہ کے دروازے کے سامنے آگئے ۔ شیبی نے دروازۂ کعبہ کھول دیا اور تمام حاضرین نے رب الارباب کی درگاہ میں دعا کی ___

لشکر اسلام کی فتح و نصرت کے لیے دعا

۱۵ ارشعبان کو ___ پنجشنبہ کے دن بعد نماز فجر مفتی عبدالملک حنفی دیگر حضرات کے ساتھ زمزم شریف کے متصل، مقابل بیت اللہ، حاضر ہوئے شیبی نے درکعبہ کھول دیا۔ کاتب سلطان نے ___ فرمان سلطان جو ابھی آیا ہے ___ باوازبلند پڑھا ___ یہ احقر اس مجمع میں تھا ۔ فرمان طویل الذیل تھا ___ بنام شریف مکہ و وزیر جدہ و قاضیان و مفتیانِ مذاہب اربعہ ___ شریف مکہ کے لیے بہت سے القاب تعظیم و احترام اس میں تھے ___ مضمون فرمان یہ تھا کہ نصاریٰ بنی الاصفر کے دو قبیلوں نے بلاد اسلام پر زور باندھ لیا ہے اور زن و مرد مسلمین کی ایک جماعت کثیر کو قید کر لیا ہے۔ غرضکہ ان کفار نے قدم ہمت آگے بڑھایا ہے، اسی وجہ سے ہمارے دل پر تشویش عظیم غالب ہے اور ہماری توجہ، دفع کفار اور نصرت اسلام کی جانب مبذول ہے ___ ہم نے وزیر اعظم کو فوج کے ہمراہ دشمنوں کے مقابلے کے لیے بھیج دیا ہے ___ حضرت حق جل مجدہٗ کی جناب میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور بیت اللہ شریف کا توسل کرکے دعا کرتا ہوں کہ وہ کفار کو مخذول و مقہور اور اولیاء سلطنت اسلام کو مظفر و منصور کرے ___ قاضیان و مفتیان تمام اصاغر و اکابر کے ساتھ دروازۂ بیت اللہ کو کھول کر رکن، زمزم، مقام ابراہیم اور تمام مقامات قبولیت کے پاس جاکر لشکر اسلام کے لیے دعا کریں ___ فرمان

پڑھے جانے کے بعد سب مجمع نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ۔ صحیح بخاری کو لایا گیا۔ مفتی عبدالملک نے پارہائے بخاری کو بعض حاضرین پر تقسیم کیا۔ چند روز میں بخاری ختم ہوئی ـــــ چند دن یہ حقیر بھی تلاوت بخاری میں شریک رہا ـــ

طائف | دوشنبہ ـــ ۲۰ شعبان ـــ بعد نماز عصر، بقصد زیارت سید عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما خچر پر سوار ہو کر۔ جبل کرا کے راستے سے طائف روانہ ہوا۔ کرا ایک پہاڑ ہے جو چند میل ارتفاع رکھتا ہے ـــــ اس میں چشمے جاری ہیں۔ خچر اور دراز گوش کی سواری سے اس راستے سے دو روز میں مکہ سے طائف پہنچتے ہیں۔ پہلے یہ پہاڑ طے کرنا بہت مشکل تھا ـــ ایک مصری تاجر ہیں جو سابق میں مکہ میں کوئلے کی تجارت کرتے تھے اب اللہ تعالیٰ نے ان کو وسعت دے دی ہے ـــ اس وقت کوئی سوداگر مالیت میں ان کے برابر نہیں ہے ـــــ انھوں نے دامن کوہ سے چوٹی تک ایک وسیع راستہ بنوا دیا ہے اور زینے تیار کرا دیے تاکہ پیدل و سواری سے بآسانی وہاں سے گزر سکیں ـــــ چند جگہ بر سر راہ چھت دار مکانات بھی بنوا دیئے تاکہ بارش آئے تو مسافران مکانات میں پناہ پکڑ سکے ـــ اس عمل خیر میں اس تاجر نے بڑا روپیہ صرف لیا ـــ اب یہ کام اختتام کو پہنچ گیا ہے کچھ اصلاح کا کام باقی ہے ـــــ

راہ جبل کرا کے علاوہ ایک اور راستہ ہے کہ قافلہ و لشکر اس راہ سے چار دن میں بآرام طائف پہونچتا ہے ـــــ تین منزلیں کرکے بوقت چاشت طائف پہونچا، مزار سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اور دیگر مشاہد و مزارات کی زیارت سے مشرف ہوا۔ وہ مسجد جس میں قبر ابن عباس رضی ہے، مساجد متبرکہ میں ہے اس لیے کہ ایام محاصرہ طائف میں خیمۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ تھا جہاں اب مسجد ہے ـــــ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، ہجرت سے پیشتر زید بن حارثہ کے ہمراہ، ثقیف کو دعوت اسلام دینے طائف تشریف لے گئے تھے ـــــ طائف بہشتہائے دنیا میں سے ایک بہشت ہے ـــ اس کی ہوا بہت سرد ہے۔ رات بے رضائی کے بسر نہیں کی جا سکتی ـــ کثرت میوہ و فواکہ ـــ محتاج بیان نہیں ہے۔ بہت سے چشمے یہاں جاری ہیں ـــ گندم و جو سال میں دو بار کاٹتے ہیں ـــ طائف سے جس قدر بوستان نجد آگے بڑھتے ہیں۔ خنکی ہوا اور وفور میوہ

بڑھتا جاتا ہے، اغنیاء مکہ موسم گرما میں طائف آتے ہیں اور تماشائے بساتین و باغات کرتے ہیں۔ شہر طائف ایک بڑا شہر ہے مگر اس کی آبادی اور بازار متفرق ہیں۔ آبادی قدیم جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد غزوہ حنین محاصرہ فرمایا تھا، مشہد ابن عباسؓ کے جنوب میں ہے۔ اب وہ مسمار کھنڈر ہے۔ محض عمارتوں کی بنیادیں باقی رہ گئی ہیں ــــ بروز شنبہ طائف سے ہو کر مسجد میقات قرن کے پاس احرام باندھا اور دوشنبہ کو نماز صبح مسجد حرام میں جا کر پڑھ لی اور طواف عمرہ ادا کیا۔ــــ

مکۂ معظمہ کا رمضان

جمعہ کے دن رمضان کی پہلی تاریخ ہوئی۔ اس مہینے میں تمام حرم کے اندر ہجوم رہتا ہے۔ ایک بڑی جماعت اول شب میں نماز تراویح میں مشغول ہو جاتی ہے۔ اور ایک جم غفیر تنعیم جاتا ہے اور وہاں سے احرام باندھ کر عمرہ ادا کرتا ہے۔ اکثر حاضرین فرض عشا مالکی امام کے ساتھ پڑھ کر جماعتہائے متفرقہ کی شکل میں جدا جدا تراویح پڑھتے ہیں۔ امامان ہر چہار مذہب اپنے اپنے مصلوں پر ختم قرآن کرتے ہیں۔ لوگ بہت سے فانوس صحن حرم میں روشن کرتے ہیں ــــ کچھ لوگوں کو دیکھا گیا کہ بعد ہر ترویحے کے طواف کر کے دوگانہ طواف ادا کرتے ہیں، بعض شافعیہ علاوہ تراویح کے آخر شب میں سولہ رکعتیں جماعت سے پڑھتے ہیں، الغرض ایسا عجیب ذکر و تکبیر نیز تسبیح و تلاوت اور ذوق و حلاوت کا نقشہ ہوتا ہے کہ اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا ــــ اہل مکہ، بعد فراغت تراویح اپنے گھروں کو جاتے ہیں اور سو جاتے ہیں۔ بازار مکہ تا وقت سحر کھلا رہتا ہے۔ قندیلیں روشن رہتی ہیں۔ کھانے کی چیزیں اور میوے رکھے ہوئے ہوتے ہیں خصوصاً شب عید میں رونق بازار اور کثرت خرید و فروخت کی عجیب کیفیت ہوتی ہے۔

مکۂ معظمہ میں یوم العید

عید کے دن شریف مکہ غالب برادر شریف سرور نے تمام غلاموں کو جو پانچ سو سے زیادہ ہیں خلعت پہنائی۔ درِ ایوان مقابل رکن یمانی میں کہ دار السادہ اسی طرف ہے ــــ نماز عید کو آیا۔ ہجوم اہل مکہ کی وجہ سے جن میں سے ہر ایک لباس ہائے رنگا رنگ پہنے ہوئے تھا ــــ صحن مسجد حرام ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ موسم بہار میں پر فضا باغ۔ عید کے چار روز بعد تک اظہار نشاط و سرور کرنا اور لباس فاخرہ کا زیب تن کرنا اہل مکہ کا معمول

ہے۔ ان ایام میں تمام سوار و پیادہ عسکر نیز بدو، دن کے آخری حصے میں دارالسعادہ کے دروازے پر حاضر ہوتے ہیں اور میدانِ علوخانہ میں گھوڑے دوڑاتے ہیں، نیزہ بازی کرتے ہیں نوجوانانِ مکہ گدھوں کو کرایہ پر لے کر دوڑاتے ہیں۔ شریف خود باہر نکلتا ہے اور گھوڑا دوڑاتا ہے۔ کبھی معلی میں جا کر اس میدان میں محصب و معبدیہ تک گھوڑے دوڑاتا ہے۔ خاندانِ شریف کا یہ دستور ہے کہ غلاموں اور متوسلوں کو عید کے دن خلعتہائے رنگارنگ عنایت کرتے ہیں۔ اور جس کسی کو کوئی عہدہ دیتے ہیں تو اس کی خلعت ایامِ حج تک موقوف رکھتے ہیں منا میں اُس کو خلعت ملتی ہے۔

شریف مکہ کی چند خصوصیات

شریف مکہ کم و بیش پانچ ہزار غلام و لشکری رکھتا ہے۔ منجملہ ان کے چار پانچ سو سوار ہیں باقی پیادہ ہیں۔ وقتِ ضرورت جس قدر چاہتا ہے بدوی جمع کر لیتا ہے۔ تمام ملک میں جو تصرفِ شریفِ مکہ ہے — مالگزاری ادا کرنے کا کوئی دستور نہیں، اس لیے کہ تمام ملک کوہستان و ریگستان ہے۔ جہاں آبادی ہے وہاں، نیز وادیوں میں کچھ زراعت اور کھجور کے باغات ہیں — ان کی بڑی دولت مویشی ہیں شرفائے سابق سالانہ خیل و مویشی کا عُشر رعایا سے لیتے تھے۔ مدت سے بسبب سستی حکام زمانہ، یہ عمل موقوف ہو گیا تھا — شریف سرور نے سعیِ بلیغ کر کے اور مبلغ کثیر صرف کر کے سرکشوں کی گوشمالی کی اور ان کو مطیع کیا۔ نیز دستورِ قدیم کو جاری کیا — شریف مکہ کی کل آمدنی — نصف محصول جدہ ہے نیز پورا محصول ینبوع و کنفدا ہے۔ علاوہ ازیں ایامِ حج کی آمدنی اور جو کچھ سلطانِ روم کی جانب سے آتا ہے اور وہ صدقات جو ملوکِ اطراف بھیجتے ہیں اُن میں بھی شریف کا جو حصہ ہوتا ہے وہ ہوتا ہے — بعض باغات اور آراضی مزروعہ، طائف میں اور دیگر وادیوں میں ہیں جن کو شرفائے حال و سابق نے خریدا ہے۔ ان آراضی سے تمام اولاد اپنا اپنا حصہ بسبیلِ میراث لیتی ہے — جب کوئی شریف انتقال کرتا ہے اور اس کا بیٹا اس کی جگہ بیٹھتا ہے تو وہ اپنے باپ کے مال کو بھائیوں پر تقسیم کرتا ہے۔ اور اگر لڑکے کے علاوہ کوئی اور شریف بنے تو تمام مالِ خاصۂ متوفی — ناطق و صامت وارثوں کے لیے چھوڑتا ہے۔ شریف اس میں سے کچھ نہیں لیتا۔ ہاں قیمت سے لے سکتا ہے ان دنوں کہ شریف سرور کا انتقال ہو گیا اور اُن کا بھائی غالب شریف ہوا۔ اس نے پانچسو غلام اور قریب چار سو گھوڑے

اور دیگر رباط شرم عبداللہ بن سرور سے تقیمت خرید سے ہیں۔ اور غرائب سے یہ بھی ہے کہ اکثر شرفا نکاح نہیں کرتے کنیزان حبشیہ سے ان کو سروکار ہوتا ہے۔ چند پشتوں سے ان کی مائیں حبشیہ ہی ہیں اسی وجہ سے شرفائے حجاز برنگ حبشیان سیاہ فام ہیں۔ شرفائے بنی زید کی لڑکیاں عدم کفو کی بنا پر کسی سے نکاح نہیں کرتیں تمام عمر بے شوہر رہتی ہیں ـــــ شرفاء مکہ کے بچے بدوی علاقوں میں پرورش پاتے ہیں اور اس جگہ رہ کر زبان بدوی جو کہ اصل عربی بغیر تحریف کے ہے ـــــ اور اسپ و شتر اور خچر وغیرہ کی سواری سیکھتے ہیں۔ جب قریب بلوغ ہو جاتے ہیں تو ان کو مکہ میں لے آتے ہیں ـــــ

حرمین کے سکے

معاملات بیع و شری حرمین اور توابع حرمین یعنی جدہ وغیرہ میں قروش سے ہے اور یہ ایسا نقد ہے کہ اب خارج میں اپنا وجود نہیں رکھتا! اس کی مقدار مکے میں تیس دیوانی ہے اور مدینہ میں بیس دیوانی ـــــ اور چاندی کے نقود مروجہ میں سے ایک ریال ہے جس کا وزن قریب ڈھائی روپیہ کے ہے ـــ یہ مکہ میں پونے چار قروش ہے کہ ایک سو بیس دیوانی ہے اور مدینہ میں ساڑھے چھ قروش کہ ایکسو تیس دیوانی ہے ریال کا آدھا اور چوتھائی بھی ہے ـــــ قمری ایک اور سکہ ہے جو مکہ میں ساڑھے سترہ دیوانی کو آتا ہے اور مدینہ میں بیس دیوانی کو جو کہ ایک قروش ہے۔ مدینہ منورہ میں قطعہ ہائے سیمیں اور بھی ہیں، یعنی پچاس دیوانی اور اس کا نصف و ربع اور پانچ دیوانی اور ڈھائی دیوانی یہ سب سکے بنام سلطان روم ڈھلے ہوئے ہیں ـــ اور یہ مدینہ کے علاوہ کہیں رائج نہیں ـــ دیوانی سیم مغشوش (کھوٹی چاندی) سے بنتی ہے ـــ اختہ بھی سیم مغشوش سے بنتا ہے۔ یہ دیوانی سے چھوٹا سکہ ہے۔ دیوانی کو کبیر اور اختہ کو صغیر کہتے ہیں۔ چار کبیر برابر پانچ صغیر کے ہوتے ہیں۔ سونے کے سکوں کی بھی چند قسمیں ہیں۔ ایک مشخص ـــ جو کہ مکہ میں آٹھ قروش کا اور مدینہ میں تیرہ قروش کا ہوتا ہے ـــ دوسرا محبوب ـــ جو مضروب بنام سلطان ہوتا ہے ـــ اگر سکہ اسلامبول (قسطنطنیہ) کا ڈھلا ہوا ہے تو پانچ قروش میں اور اگر مصر کا ہے تو چار قروش میں چلتا ہے ـــ محبوب کے دونوں قسموں کا آدھا ہے ـــ

تیسرا قیدمی ؟ ہے بقدر نیم ریال ـــــ مشخص میں تصویر اور انگریزی حروف نقش

ہوتے ہیں۔ اور اس کا رواج بلادِ اسلام کے اندر فرنگ و نصاریٰ سے بسلسلۂ معاملت شدت باختہ
کی وجہ سے ہو گیا ہے، باشندگان روم بہی سکہ (شخص) سلطان کو جزیے میں دیتے ہیں ــ بر
مغربی وزن میں برابر ریال فرنگی کے ہے ـــ اور اسمٰعیلی مغربی طلائی ـــ مکہ کے سا
تین قروش کے بقدر ہے۔ یہ تمام اقسام نقود رائج الوقت ہیں۔

عام باشندگان حرمین

مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ میں زمانۂ نبوت کے باشندگان قدیم
اولاد سے کوئی نہیں رہا۔ مگر مکہ میں شیبی، صاحب مفتاح
کہ اس خاندان نے مکہ سے کسی وقت ہجرت نہیں کی اور کوئی نہ کوئی ان میں سے اس جگہ مقیم
ہے ــ اور مدینہ میں انصاری ہیں کہ ان کے گھر بیرون دیوارِ شہر مناخہ میں متصل مصلائے عید
نفیر کو ان لوگوں سے تعارف حاصل ہے۔ باقی ان دونوں جگہوں کے ساکنین ان لوگوں کی ا
ہیں جو زمانۂ سابق و حال میں بلادِ عرب و عجم سے چل کر یہاں توطن گزیں ہوگئے ہیں! اسی وج
نسب یہاں کا معتبر نہ رہا، مگر قبیلۂ شریف و دیگر ساداتِ حرمین کا نسب محفوظ ہے
دوسرے ملکوں کے مقابلے میں مردم ہند و سندھ یہاں زیادہ ہیں اسی وجہ سے زبان دا
اردو بہت سے ہیں اور فارسی بولنے والے نادر ہیں۔ اکثر مکہ و جدّہ کے دوکاندار احمد
اور ٹین کے بوہرے ہیں اور وہ ہر نوع کی تجارت کرتے ہیں۔

اختلاط کی وجہ سے زبان عربی اصلی نہیں رہی

اسی اختلاط کی وجہ سے زبان عربی اصلی نہیں رہی اور ا
عجیب تحریف ہوگئی ہے کہ بالکل قواعد نحو و صرف سے مناسبت
نہیں رکھتی ــ ضرورت ہے کہ ایک دوسرا سیبویہ پیدا
کہ وہ بسبب محاورۂ حال، قواعد نحو و صرف کا استخراج کرے ــ

ایک دن میں مفتی عبدالملک کے یہاں بیٹھا تھا۔ اُن کا غلام میرے واسطے قہوہ لایا، م
نے اس سے کچھ کلام کیا۔ میں نے کہا کہ مولانا آپ نے یہ لفظ کس طرح استعمال کیا؟ انھوں نے کہ
اگرچہ بموجب قواعد عربیہ غیر صحیح ہے لیکن عُرف میں یوں ہی مستعمل ہے ـــ میں نے کہا کہ آپ
اس طرح تکلم کرنا زیبا نہیں ــ انھوں نے تبسم کیا اور کہا کہ اگر ان لوگوں سے ان کے محاو
میں گفتگو نہ کروں تو بات سمجھیں گے نہیں ــ اگر کوئی شعر ہو یا کتابی عبارت ہو تو ہم اصل

زبان میں گفتگو کریں گے۔

اعراب (دیہات کے باشندے) جو ان دونوں بلدوں سے خارج میں ساکن ہیں ان کے بہت سے قبائل کا نسب محفوظ اور زبان اختلاط سے سالم ہے۔

قبائل عرب جو کچھ امور خیر قبائل عرب میں تاہنوز جاری ہیں اُن میں اصلاً سستی نہیں کرتے حتی الامکان اکرام مہمان اور اس کی دلداری میں کوتاہی نہیں کرتے اکثر غرباء و مساکین ہند جو جہاز سے اُتر کر قبائل میں ہو کر براہ حجاز مکہ معظمہ جاتے ہیں یا مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ آتے ہیں سر راہ کے بدوی ان کی ہر قسم کی غمخواری کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان اعراب کی حکایات زبانوں پر مذکور اور کتابوں میں مسطور ہیں۔ دوسرے یہ کہ زکوٰۃ مویشی جس قدر بھی از روئے حساب ان پر واجب ہوتی ہے خوشی و رغبت سے عامل زکوٰۃ کو پہونچاتے ہیں۔ ان کو یقین ہوتا ہے کہ اگر ادائے زکوٰۃ میں کوتاہی کریں گے تو ان کا مال تلف ہو جائے گا ـــــ فسق و فساد ان اعراب میں بہت کم ہے ـــــ لیکن نماز روزے کی پابندی جتنی چاہیئے وہ نہیں ہے۔ قریب جبل رحمت ایک گاؤں ہے، اس کے تمام رہنے والے صحیح النسب قریش ہیں۔ میں جس دن سیدتنا میمونہؓ کے مزار کی زیارت کے لیے سرت کو جا رہا تھا میں نے ایک اونٹ کرائے پر لیا، شتربان ایک نوجوان تھا قریشی نسل کا اُسی گاؤں کا ـــــ جب نمازوں کے چند وقت گذر گئے اور اُس نے نماز نہیں پڑھی تو میں نے اُس سے کہا کہ تم نماز کا فرض کیوں نہیں ادا کرتے اُس نے جواب دیا کہ میں نماز نہیں پڑھا کرتا ـــــ میں نے تعجب کیا تو اس نے کہا کہ میں نے کبھی بھی نماز نہیں پڑھی۔ میں نے کہا کہ تم فرضیت نماز کا اعتقاد نہیں رکھتے؟ اُس نے جواب دیا کہ میں فرضیت نماز کا تو اعتقاد رکھتا ہوں مگر ہماری یوں ہی مغفرت ہو جائے گی۔

لیکن صفرا و بدر اور دیگر بڑے بڑے قریوں میں مساجد ہیں اور وہاں کے رہنے والے کلاً یا بعضاً التزام نماز کرتے ہیں اور بچوں کو فقہ کی تعلیم دیتے ہیں ـــــ جو بدوی حج کے لیے آتے ہیں اُن سے عجیب و غریب حرکات ظہور میں آتی ہیں ـــــ ان کے زن و مرد بیت اللہ کے گرداگرد اور حجر اسود پر اتنا ہجوم کرتے ہیں کہ ایک پر دوسرا گرا پڑتا ہے۔ ان کی موجودگی میں اور لوگ استیلام حجر نہیں کر سکتے اور طواف سے بھی رُک جاتے ہیں۔ بارہا دیکھا گیا کہ امام سے آگے

بدعتی گھڑے ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں ـــــ مدینۂ منورہ میں بھی ان کی اسی قسم کی عجیب حرکات دیکھیں۔

مراجعتِ ہندوستان کا زمانہ قریب آگیا

آخر ماہ شوال میں مراجعت ہندوستان کا زمانہ آگیا اور آنے والوں نے قصدِ کوچ کیا۔ اس ضعیف کو مدینہ میں آتے ہی اس قدر دلبستگی اس موطنِ جان و دل سے ہوگئی کہ نامِ مراجعت سے دل نفرت کرتا تھا۔ اس حرم مقدس کے باشندے جو کہ جذبِ قلوب میں حکم مقناطیس رکھتے ہیں۔ اس قدر محبت اور حسنِ اخلاق سے پیش آتے تھے کہ یار و دیار فراموش ہوگئے جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے۔

لاعیب فیھم سوی النزیل بھم یسلو عن الاھل والاوطان والحشم

(یعنی ان میں اس کے علاوہ کوئی عیب نہیں کہ ان کے یہاں اترنے والا مہمان اپنے اہل وعیال اور وطن کی یاد دل سے دور کر دیتا ہے ـــــ اور یہ دراصل بڑی خوبی کی بات ہے)

کچھ عرصہ دل متردد رہا کہ امسال وطن جاؤں اور وہاں جاکر دوستوں اور عزیزوں کو خیرباد کہہ کر یہاں واپس آجاؤں۔ اور آستانۂ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہاں کے ساکنین کی صحبت میں مجاورت اختیار کروں ـــ یا ایک سال اور حرمین میں اقامت کروں اور حج کرکے بقیہ سال مدینہ میں ہو کر سالِ آئندہ میں وطن جاؤں ـــــ ان دو شقوں میں سے جس شق کے اندر بھی خیر ہو اس شق کو اختیار کرنے کے لیے مواجہ شریف میں اور پیش مشہد سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا الحاح وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا تھا ـــ اسی تردد میں شعبان میں مکۂ معظمہ آیا اور رمضان کا مہینہ بھی ختم ہوگیا ـــ شوال کے مہینے میں دوسری شق کو ترجیح دی اور ارادۂ اقامت امسال مصمم ہوگیا چنانچہ رفیقوں کو رخصت کیا اور خود مطمئن ہو کر مکۂ معظمہ میں بیٹھا۔ چند روز یہ ارادہ پختہ رہا۔ اس کے بعد ایک دن یک بیک سفر ہندوستان کا وسوسہ دل میں پیدا ہوا۔ ہر چند لاحول اور استغفار پڑھتا تھا یہ وسوسہ قوت پکڑتا تھا، ناچار اٹھا اور حطیم و مقام ابراہیم وغیرہا میں مکرر نمازیں پڑھ کر استخارہ کیا۔ بالآخر ملتزم میں زیر میزاب رحمت اور آستانۂ بیت اللہ پر معاملے کو ارحم الراحمین کے سپرد کر دیا اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ جو کچھ میرے حق میں خیر ہو اس کو جاری کرے۔ تین چار روز استخارہ، دعا، اور الحاح کی تکرار ہوتی رہی اور وسوسۂ سفر بحالِ خود رہا

ناچار بحکم عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم ـــ راضی بقضا ہو کر اسباب سفر تیار کیا ـــ ۲۰ شوال کو کوچ درپیش ہوا۔ شب شنبہ میں بعد نماز مغرب، طواف وداع کیا اور حضرت حق سبحانہ سے خیر و عافیت دارین کی اپنے لیے اور اپنے اقارب و احباب کے لیے اور توفیق معاودت حرمین کی اور مدینہ منورہ میں موت کی درخواست کرکے دردِ اشتیاق اور الم فراق کے ساتھ باہر آیا۔ اور جدہ کو روانہ ہوا۔ یوم شنبہ جدہ میں رہا۔ سباحِ یک شنبہ میں جدہ پہونچا ـــ سید حمزہ نامی ایک بزرگ جدہ میں رہتے ہیں۔ بہت سے ثقہ حضرات ان سے عقیدت رکھتے ہیں، وہ کسی سے اختلاط نہیں رکھتے ـــ گاہ گاہ ان کو جذب لاحق ہو جاتا ہے بیان کیا کہ چند دن مغلوب الحال ہو جاتے ہیں۔ ایک صاحب نے ان تک میری دلالت کی۔ میں وہاں گیا اور سلام کیا۔ کھڑے ہو گئے اور مرحبا کہا اور اپنے برابر مجھے بٹھایا، میرے احوال پوچھے میں نے بیان کیے اور ان سے دعائے توفیق معاودت کی درخواست کی۔

۵ ذی قعدہ کو نماز جمعہ، جدہ میں پڑھ کر شب شنبہ کو بعد نماز عشاء سفینۃ الرسول نامی مرکب میں سوار ہوا ـــ صبح شنبہ کو جب موسم موافق ہو گیا تھا ـــ لنگر اٹھایا اور براہ بحر کبیر روانہ ہوئے۔

حدیدہ

۱۴ شوال کو یکشنبہ کے دن بندرگاہ حدیدہ کے کنارے پہنچے ـــ صبح دو شنبہ سیر و تفریح کے لیے حدیدہ کے اندرونی حصے میں آئے ـــ یہ ایک بندرگاہ ہے مخا کی طرح یمن کی عمدہ بندرگاہوں میں سے ہے ـــ اس کے مکان اکثر خس پوش ہیں اور اچھا اچھا سامان ہر ملک کا اور طرح طرح کے میوے یہاں پائے جاتے ہیں، یہاں سے مکہ چار سو اسی کوس اور مخا ایک سو بیس کوس ہے ـــ "صنعاء جو یمن کا دار السلطنت ہے حدیدہ سے اور مخا سے آٹھ روز کے راستے پر ہے ـــ

صنعاء

سہ شنبہ کو ـــ وقت عصر حدیدہ سے روانہ ہوئے۔ چونکہ ہوا موافق تھی۔ چہار شنبہ کو وقت ظہر کے آخری حصے میں مخا پہونچ گئے، وہاں لنگر کیا ـــ پنجشنبہ کو شہر آئے۔ سید احمد زید کے گھر جو سادات یا علوی سے ہیں اترے ـــ جمعہ کے دن جامع مسجد میں نماز جمعہ پڑھی۔ وہاں قاضی اور افراد جماعت زیدیہ وہاں حاضر تھے ـــ امام، شافعی مذہب تھا ـــ خطبے میں بعد ذکر آنحضرتؐ حضرت علیؓ کا ذکر تھا۔ اس کے بعد حضرت فاطمہؓ کا، پھر حضرات حسنینؓ کا پھر

خلفاء راشدین اور امام زین العابدین علی ؓ کا پھر زید بن علی ؓ کا پھر خلفاء تسعہ (۹ خلفاء) کا ذکر تھا یہ نہ معلوم ہوسکا کہ خلفاء تسعہ سے کون کون خلفاء مراد ہیں ـــ اس کی فرصت نہ ملی کہ کسی سے اس کو معلوم کرلوں ـــ

حکام یمن کا ایک معمول حکام یمن کا معمول ہے کہ بعد نماز جمعہ اپنے جلو خانے کے میدان میں فوجیوں کے ساتھ گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ آج فقیر بھی اس میدان میں گیا۔ گھوڑوں کی دوڑ کو دیکھا، معلوم ہوگیا کہ یہ لوگ فن سواری سے واقف نہیں ہیں، لیکن عربی گھوڑے بہترین بہترین نظر آئے ـــ دو تین خچر بھی اچھے دیکھے۔ اُن جیسے طیبہ شریف میں بھی نہیں دیکھے تھے ـــ

قریب سقوطرہ امواج سمندر کی تلاطم خیزی شب شنبہ کو جہاز میں آئے اور لنگر اٹھایا۔ تین چار روز میں قریب سقوطرہ آئے، اس جگہ چاروں طرف سے موجیں متصادم ہوتی ہیں اور تمام سمندر میں یہ جگہ زیادہ خوفناک ہے۔ یہاں علاوہ تندی باد کے، امواج تلاطم خیز تھیں۔ تمام لوگوں نے بڑی تکلیف اٹھائی تین دن تک کشتی داہنی طرف کو ٹیڑھی رہی، بیٹھنا اور آرام کے ساتھ نماز پڑھنا میسر نہ تھا ـــ آب موج شدت کے ساتھ درون کشتی آتی تھی ـــ

ساحل بمبئی شکر الحمد کہ بروز عید اضحیٰ، بوقت چاشت ـــ یکشنبہ کے دن سلامتی کے ساتھ ساحل بمبئی پر پہونچے ـــ اسی وقت جہاز سے نیچے اتر آئے دکن کی بندرگاہوں میں بمبئی ایک بڑا بندرگاہ ہے ـــ انگریز کے قبضے میں ہے۔ پہلے بمبئی چھوٹا تھا بعد کو نصاریٰ نے سمندر کو پاٹ کر اس کو وسیع کیا ہے ـــ سمندر کے اندر بڑے بڑے جہازوں کو غرق کرکے اُن کے اوپر بنیاد رکھ کر برج اور سنگین قلعہ بنایا ہے۔ گرد حصار تین خندقیں پختہ اور عریض بنائی ہیں جو کہ پانی سے پُر ہیں ـــ کثرت آبادی، فراوانی اموال، نفائس و تحائف ہر ملک، مضبوطی قلعہ، وفور توپ خانہ وآلات واسباب جنگ، نزاکت عمارات اور شادابی باغات، تالابوں کے لحاظ سے شہر بمبئی اتنا عجیب ہے کہ زبان اس کی خوبی بیان کرنے سے قاصر ہے جہاز جو فرنگستان سے آتے ہیں وہ اوّل یہاں آتے ہیں، بعدہٗ مدراس، کلکتہ اور دوسری

صنائعِ فرنگ

صنائعِ عجیبۂ فرنگ میں سے یہاں ایک ہوائی چکی ہے اور وہ برج کی شکل کی ہے۔ تلا اوپر دو ہاتھیوں کی قامت سے زیادہ اس کا ارتفاع ہے۔ لکڑی سے بنائی ہے۔ اس میں دو طبقے ہیں، طبقۂ بالا پر چکی ہے ــــ چار بادکش بڑے بڑے بنائے ہیں کہ ہوا ان کو حرکت دیتی ہے۔ ان کی حرکت سے ایک چرخ ہو وہ گھومتا ہے اور وہ چرخ چکی کو گھماتا ہے۔ بادکش ہوا کے رُخ پر رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایک دن میں کم و بیش دو سو من غلہ اس چکی میں پیسا جاتا ہے۔ فقیر نے طبقۂ بالا پر آ کر اس کو دیکھا اور اس صنعت کاری کو دیکھ کر اس چکی کے بنانے والے کی عقل پر حیران ہو گیا۔

دوسرا عجوبہ گودی ہے ــــ کہ برائے مرمت جہازہائے کلاں سمندر کے اندر ایک احاطہ بنایا ہے اور ایک دروازہ سمت سمندر پر لگایا ہے، جب جہاز کی مرمت مطلوب ہوتی ہے مدِّ آب کے وقت اس کو اندرونِ گودی لاتے ہیں اور دروازہ بند کر دیتے ہیں اور اس کے شگافوں پر تارکول پھیر دیتے ہیں تاکہ پانی اندر نہ جا سکے اور اس پانی کو جو درونِ گودی ہے تدبیر سے باہر نکالتے ہیں یہاں تک کہ زمین خشک نمودار ہو جاتی ہے اس کے بعد مستری زینوں کے ذریعہ نیچے اُتر کر جہازوں کی اصلاح و مرمت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ بعد فراغت دروازے کو کھول دیتے ہیں کہ پانی اندر آئے اور اسی طرح ہمراہ جزرِ آب، جہاز کو سمندر میں لے جاتے ہیں۔ ان مستریوں میں سُرعت و چابکدستی اس قدر ہے کہ چند دنوں میں جہازوں کی مرمت کر کے ان کو گودی سے باہر کر دیتے ہیں ــــ ان دنوں کہ فقیر واردِ بمبئی ہے یہاں کے جہازہائے کلاں کی مرمت ہو رہی ہے۔ فقیر نے اپنی آنکھ سے اس مرمت کا معائنہ کیا ــــ یہ دونوں (چکی اور گودی) ایسی صنعتیں ہیں کہ عقل ان کو دیکھ کر دنگ ہے۔ سننے سے تو کیا حال ہو ــــ اس کے علاوہ اور صنعتیں بھی قابلِ دید ہیں ــــ

ماہم

بمبئی سے چار کوس کے فاصلہ پر ایک آبادی اور ہے جس کا نام ماہم (مہائم) ہے وہاں ناریل کے باغات کثرت سے ہیں اس جگہ ایک بزرگ کا مزار ہے جن کا نام نامی شیخ علی ہے ــــ فقیر ان کے مزار پر گیا۔ بمبئی سے ماہم تک کی مسافت براہ سیر باغات

اور تماشۂ جہاں میں طے ہوئی ــــ چونکہ یہ جگہ پُر فضا اور مطلب تھی لہٰذا بات مزار کے احاطے میں گزاری ــــ

بمبئی سے سورت

شہر پونا بمبئی سے چار روز کی مسافت پر ہے، پونا سے اورنگ آباد آٹھ روز کی راہ ہے ــــ جدہ سے روانہ ہونے کے دن جبکہ کشتی کا آنا بمبئی میں قرار پایا تھا ــ فقیر کو اُن بزرگوں کے مزارات کی زیارت کا اشتیاق تھا جو اورنگ آباد اور برہان پور میں آسودہ ہیں۔ خیال یہ تھا کہ بمبئی سے براہِ کوکن و پونا اورنگ آباد و برہان پور سے گزر کر اجمیر جائیں گے ــــ لیکن بمبئی پہونچنے کے بعد، شدّت بارش اور راستے میں دلدل کی کثرت کا حال معلوم ہوا ــ اُدھر آرزوئے ملاقات مولوی صاحب (مولانا خیرالدین صاحب محدث سورتی) بھی غالب تھی، لہٰذا سورت جانا طے کرلیا، سورت یہاں سے خشکی کے راستے سے آٹھ روز کی راہ پر ہے۔ اور سمندر سے ایک سو چوالیس کوس ہے، اگر باد موافق ہو تو ایک روز میں پہونچ جائیں بمبئی و سورت کے درمیان ساحل پر آبادیاں ہیں اور باغات نارجیل و کیلہ کثرت سے ہیں ــــ بروز دوشنبہ ــــ ۱۲ر ذی الحجہ کو کشتی میں سوار ہوئے اور صبح سہ شنبہ کو لنگر اُٹھایا، چونکہ ہوا موافق نہ تھی چھ روز میں سورت پہونچنا ہوا ــــ سہ شنبہ کی صبح کو بتاریخ ۲۰ر ذی الحجہ بعون و عنایت الٰہی داخل شہر سورت ہوئے ــــ

سورت سے مراد آباد تک کی منازل

۱۵ر محرم یوم پنجشنبہ سنہ ۱۲۰۳ھ کو مولوی صاحب سے رخصت ہو کر سورت سے باہر نکل آئے۔ بریاؤ میں کہ تاپتی کے کنارے ایک گاؤں ہے رات گزاری ــ جمعہ کو چوکی میں کہ عالمگیر بادشاہ کی بنائی ہوئی ایک سرائے ہے سورت و بھروچ کے درمیان ــــ منزل ہوئی ــــ شنبہ کو انکلیسر پہونچے، احاطۂ مزار سید حلیم میں رہے ــــ یکشنبہ کو دریائے نربدا کو پار کرکے داخل بھروچ ہوئے ــــ وہاں دو روز قیام کرکے چہارشنبہ کو روانہ ہوئے۔ تیسرے دن ۲۲ر محرم کو بڑودہ پہونچے ــــ یہ ایک شہر ہے مضافات احمد آباد گجرات سے ــــ احمد آباد سے آٹھ روز کے راستے پر ــــ اس سے پہلے دہلی سے جو حاجی جاتے تھے وہ اجمیر جاتے تھے۔ وہاں سے اودے پور کے راستے سے کہ رانا کا علاقہ ہے اور مارواڑ سے جو کہ راجہائے راٹھور کا علاقہ ہے ــــ گزر کر احمد آباد جاتے تھے اور احمد آباد کے

بڑودہ پہونچتے تھے پھر سورت جاتے تھے ـــــ اس زمانے میں بسبب ضعف سلطنت مغلیہ بوہشے قافلۂ کلاں کے اس راستے سے گزرنا دشوار ہے ناچار بھوپال ا ُجین سے برہان پور اور اورنگ آباد جاتے ہیں۔ یا براہ دوحد و باریہ ہمراہ مبلغہ تاجران ـــ جو کہ وہاں کے زمینداروں سے موافقت رکھتے ہیں ـــ بڑودہ پہونچتے ہیں ـــ یہ راہ اور راہ اتی موہن کو اندورے بروج ان راستے تھے ـــــ برابر سرا ہیں۔

شنبہ کو بھی بڑودہ میں قیام کیا۔ یکشنبہ کو بتاریخ ۲۵ محرم روانہ ہوئے اور جامودہ میں جا کر رہے۔ دوشنبہ کو ہاتول منزل ہوئی ـــــ پادہ گڑھ ـــــ جو کہ پہاڑ کی چوٹی پر مشہور قلعہ ہے اور چاپانیر اس پہاڑ کے دامن میں واقع ہے ـــــ ہاتول سے متصل ہے ـــــ

شنبہ ـــ ۲ صفر ـــ باریہ پہونچے۔ یہ ایک شہر ہے توابع گجرات سے۔ یہاں کا راجہ ملک و جمعیت رکھتا ہے اور اس کے آبا و اجداد زمانۂ سابق میں بڑے درجے کے ہوئے ہیں۔ یہ راجہ حال بھی آزاد ہے کسی کا تابع نہیں ہے۔ اس شہر کے چاروں طرف مرہٹے متصرف ہیں۔ لیکن راجہ سے کچھ نہیں بولتے ـــ

دوحد

۵ صفر ـــــ دوحد میں منزل ہوئی ـــــ غربی سمت میں اس شہر کا بازار اور نصف قلعہ صوبۂ گجرات کی حد پر ہے اور شرقی سمت میں نصف قلعہ حد مالوہ پر ہے اور یہی اس شہر کی وجہ تسمیہ ہے۔ یہ شہر عالمگیر بادشاہ کا ولادت گاہ ہے۔ اب ایک قلعہ اور مسجد عالمگیری یہاں موجود ہے ـــ میں نے رقعات عالمگیری میں دیکھا کہ اپنے بیٹے اعظم شاہ کو عالمگیر نے لکھا ہے ـــــ "فرزند نصوبۂ گجرات می روند و شہر دوحد مولد این عاصی است حقوق سکنۂ آنجا بر من است۔ مراعات و حسن سلوک با ایشاں بر خود لازم دانند۔

(یعنی دوحد میرا مولد ہے یہاں کے باشندوں کے حقوق میرے اوپر ہیں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا اپنے اوپر لازم سمجھو۔)

جمعہ ـــ ۱۰ صفر ـــ جھالوہ پہونچے۔ یہ ایک شہر ہے یہاں سے جنگل اور کوہستان طے کر کے دلی گاؤں میں جا کر رہے ـــ اس جگہ راہ اتی موہن متحد ہو گئی ہے۔ یہاں سے چار منزل قطع کر کے ۱۴ صفر کو اندور پہونچے ـــــ ۱۵ صفر کو وہاں سے روانہ ہوئے ـــ

بھوپال

۲۲ر صفر کو بھوپال آئے ــــ یہ ایک مشہور شہر ہے، افغانوں کے تصرف میں ہے۔ احکام اسلام اور حکومت اسلام اس مدت سفر خشکی میں جیسی صورت یہاں نظر آئے ــ اس کے چاروں طرف مرہٹے متصرف ہیں ــــ ۲۶ر صفر کو بھیلسہ پہونچے ـ یہاں نزدیک شہر ایک دریا ہے بیتوا نام ــ کہ ہر سال کاتک کے مہینے میں ہنود اشنان کے لیے اس دریا پر آتے ہیں اور بڑا مجمع ہوتا ہے ـ سوداگر، کثیر التعداد گھوڑے اور اونٹ نیز دیگر ہر قسم کے اموال یہاں لاتے ہیں۔ اگن کے آخر تک بلکہ نصف پوس تک یہ مجمع برقرار اور بازار بیع و شرا گرم رہتا ہے ـ اتفاق سے اسی موسم میں ہمارا ورود اس شہر میں ہوا ــــ جمعہ ــ ۲۹ر صفر ـ یہاں سے روانہ ہوکر شہر سرونج میں آئے ـ ۴ر ربیع الاول کو یہاں سے روانہ ہوئے اور ۱۰ کو نرور محل اور ۱۴ر ربیع الاول کو بروز شنبہ گوالیار پہونچے ـ

گوالیار

یہ ایک قدیم شہر ہے۔ بہت سے مشائخ اس جگہ آسودہ ہیں۔ یہاں کے مزارات مشہورہ میں سے ایک قبر شیخ محمد غوث گوالیریؒ (مؤلف جواہر خمسہ) ہے ـ پتھر کی ایک اونچی عمارت اس مزار پر بنائی گئی ہے ــ شیخ حمید الدین نے، جو شیخ گوالیریؒ کے پوتوں میں سے ہیں اور آج کل سجادہ نشین ہیں ــ فرمایا ــ کہ شیخ گوالیریؒ کی تاریخ وفات غوث بے لوث (۹۷۰ھ) ہے۔ مزار شیخ اور ان کی اولاد کا محلہ بیرون شہر ہے ـ اس محلے کی آبادی شہر سے علیحدہ ہے ـ اور قبر کپور مجذوب اندرون شہر متصل جامع مسجد ہے ــ ان بزرگ کی تاریخ وفات کپور مجذوب (۹۷۹ھ) ہے ــ ان دونوں بزرگوں کے حالات اخبار الاخیار (مؤلفہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ) میں لکھے ہوئے ہیں ــ یہاں شیخ خان عالم شیبانی، عالم درویش صفت صاحب اخلاق حمیدہ، مخلوق سے بے تعلق اور معمر بزرگ ہیں۔ ان کی ملاقات سے دل کو راحت ملی۔ ان صفات کمال سے متصف اس زمانے میں بہت کم لوگ ہیں ــ ۱۹ر ربیع الاول کو یہاں سے روانہ ہوا ــ ۱۹ر کو دریائے چنبل عبور کرکے دھولپور پہونچے۔ یہاں منزل ہوئی۔ دھولپور دریائے چنبل کے کنارے ایک قدیم شہر ہے ـ صدمات زمانہ اور ظلم حکام سے ویران ہوگیا ہے۔ ۲۱ر کو یہاں سے روانہ ہوکر ۲۳ر ربیع الاول کو متھرا اور وہاں سے ۲۸ر کو نیپ شہر اور ربیع الاول کی آخری تاریخ میں سنبھل آئے ـ یکم ربیع الثانی سنہ ۱۲۰۳ھ کو داخل مراد آباد

تمام مدت سفر — تمام مدت اس سفر کی دو سال دو ماہ اور دو ہفتہ تھی —

— فللہ الحمد —

المنبر کا جبری التواء

ہفت روزہ المنبر لائل پور (مغربی پاکستان) کے ڈکلریشن کی تجدید ابھی تک نہیں ہو سکی، اس لیے عید نمبر شائع نہیں کیا جا سکا تا وقتیکہ تجدید ہو، المنبر کی اشاعت ملتوی رہے گی۔ ہم اس جبری تاخیر و التواء پر قارئین کرام اور ایجنٹ حضرات سے معذرت خواہ ہیں۔ (ادارہ المنبر)

اجتماع

روزنامہ دعوت دلی

جس میں جماعت اسلامی ہند کے تاریخی اجلاس دہلی منعقدہ ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴ نومبر ۱۹۶۰ء کی پوری کارروائی پیش کی گئی ہے، شائع ہو گیا ہے جس کا مطالعہ آج کی دکھی دنیا کے مسائل اور ان کے حل کو سمجھنے کیلئے ناگزیر ہے $\frac{20\times 26}{8}$ سائز کے ڈھائی سو صفحات ٹائیٹل رنگا رنگ کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ، اس تاریخی دستاویز کو اجتماع گاہ اور جماعت اسلامی ہند کی مرکزی و صوبائی درسگاہوں کی دلکش فوٹو تصاویر سے بھی مزین کیا گیا ہے۔ قیمت ۲ روپے علاوہ محصول ڈاک ۵۸ نئے پیسے تین جلدوں کی خریداری پر محصول ڈاک معاف، چار یا اس سے زیادہ جلدوں کی خریداری پر ۲۵ فیصد کمیشن دیا جائے گا۔

منیجر روزنامہ دعوت دلی ۶

فون ۲۷۶۵۴ — تار کا پتہ "جماعت دہلی"

ALFURQAN (Regd. No. A-353) LUCKNOW

only Cover Printed at Gupta Printing Press, Lucknow.

ماہنامہ

الفرقان

لکھنؤ

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اس کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے
لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، اور اس
بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے، زندگی کے ہر شعبہ میں اسی کی بھیجی ہوئی
اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے
جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لاچکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی
زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم اس کا
عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں

فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرة
توفنی مسلما والحقنی بالصالحین

ادارۂ الفرقان

مسئول
محمد منظور نعمانی

مرتب
عتیق الرحمٰن سنبھلی

ہندوستان و پاکستان سے
سالانہ چندہ (بلکہ ہندوستان) ۶ر
سالانہ چندہ (بلکہ پاکستان) ۷ر

ماہنامہ
الفرقان لکھنؤ
فی کاپی آٹھ آنے (۸ر)

غیر ممالک سے
سالانہ چندہ ۱۰ شلنگ
امدادی خریداروں سے
سالانہ چندہ ۱۵ر

جلد ۲۸ | بابتہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ مطابق جون ۱۹۶۱ء | شمارہ ۱۲

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحات
۱	نگاہِ اولیں	عتیق الرحمٰن سنبھلی	۲
۲	معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانی	۱۶
۳	وراثتِ ابراہیمیؑ	مولانا سید ابو الحسن علی ندوی	۲۵
۴	ڈاکٹر سید عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ	عتیق الرحمٰن سنبھلی	۵۸
۵	ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب مرحوم کے چند خطوط	.. ..	۶۳

اگر دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی، براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۱۰ رجون تک دفتر میں ضرور آجانی چاہیئے، ورنہ اگلا رسالہ بصیغۂ وی، پی ارسال کیا جائے گا۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

نمبر خریداری:۔ خط و کتابت اور منی آرڈر پر اپنا نمبر خریداری لکھنا ہرگز نہ بھولئے۔

تاریخ اشاعت:۔ الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کردیا جاتا ہے — اگر ۱۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں۔ انکی اطلاع ۱۵ تاریخ کے اندر آجانی چاہیئے اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

مقام اشاعت دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

نگاہِ اوّلیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدھیہ پردیش میں ہندو فرقہ واریت کے شرمناک مظاہروں کے بعد، سوائے جن سنگھ جیسی جماعتوں کے حلقوں کے، ملک کے ہر حلقے میں یہ سوال ایک اہم ترین سوال بن گیا ہے کہ اس وبا کی روک تھام کیسے کی جائے۔ خصوصاً مسلمانوں کے سامنے تو موت اور زیست کا سوال آگیا ہے اور اُن کے تمام ارباب فکر کسی فیصلہ کن نتیجہ پر پہنچنا چاہتے ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ کسی مرض کا علاج، مرض کی پوری نوعیت اور اسکے اسباب کو سمجھے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ مسئلہ کی پوری نوعیت اور اس کے اسباب کو سمجھا جائے۔

ملک جب تقسیم ہوا تو ہندو مسلمانوں کی آویزش اور باہمی کھنچاؤ اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا۔ تقسیم کے نتیجہ میں ہندوستان کا اقتدار کانگریس کی تحویل میں آیا۔ اور یہ اُس وقت ملک کی گویا تنہا سیاسی طاقت تھی۔ فرقہ وارانہ تفریق و امتیاز کی اسکے اصولوں میں کوئی گنجائش نہیں تھی، اور اسکے نظریات کے اعتبار سے یہ بات ملک کے لئے سخت مضر تھی کہ یہاں ہندو مسلمان یا سکھ عیسائی متحارب اور باہم بیزار گروہوں کی شکل میں رہیں۔ اس لئے کم از کم

اسکے (کانگریس کے) اصول و نظریات کی رو سے لازم تھا کہ اُسکے لیڈر دونوں طرف کے زخموں کے اندمال کو ملک کا ایک بنیادی مسئلہ قرار دے کر ہر ممکن جد و جہد اسکے لئے کریں۔

لیکن افسوس کہ مسئلہ کی اس اہمیت کو کانگریس میں گاندھی جی کے سوا کسی نے نہیں محسوس کیا، اور حد یہ ہے کہ اس راہ میں گاندھی جی کی قیمتی جان چلی جانے پر بھی، جو اس مسئلہ کی اہمیت کی ایک انتہائی علامت تھی، کانگریس (نہ بحیثیت حکومت نہ بحیثیت پارٹی) اپنا فرض ادا کرنے کے لئے نہیں کھڑی ہو سکی۔

اس مسئلہ کے سلسلہ میں کانگریس کے دو بنیادی فرض تھے۔ ایک طرف اُن مسلمانوں کو جو بڑی تعداد میں تحریک پاکستان سے وابستہ رہ چکے تھے اور تقسیم ہونے پر بالکل ایک غیر متوقع صورت حال سے دوچار ہو گئے تھے، اور اپنا کوئی مستقبل انھیں ہندوستان میں نظر نہیں آ رہا تھا، انھیں اعتماد میں لینے اور اپنے طرز عمل سے یہ باور کرانے کی ضرورت تھی کہ انھیں اپنے مستقبل سے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے، وہ یہاں ایک برابر کے شہری ہیں اور کانگریس ان کے حقوق کی ضامن ہے ——— کم از کم مسلمانوں کا ذہن صاف کرنے اور نئے ہندوستان میں ایک نئے ڈھنگ سے اپنی زندگی کا آغاز کرنے میں اس چیز کا جو اثر ہوتا وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

دوسری طرف ہندو اکثریت جس کے اندر ابتداء میں محض ایک جذباتی اشتعال تھا اور کوئی بڑی منظم جماعت اس وقت اِن جذبات کو مستقل شکل دینے کے لئے موجود نہیں تھی، اس کا ذہن صاف کرنے کے لئے ایک زبردست مہم چلانے کی ضرورت تھی۔ کانگریس کا تنظیمی بازو عوام میں پھیل کر انھیں سمجھاتا کہ تقسیم کو یہ سوچ سمجھ کر قبول کیا گیا ہے کہ جو مسلمان یہاں رہنا چاہیں گے وہ رہیں گے، اس لئے جو مسلمان تقسیم کے بعد یہاں رہ گئے وہ یہاں کے شہری ہیں اُن کے ساتھ برادرانہ اور مساویانہ سلوک ہماری ذمہ داری ہے۔ کروڑوں کی جس تعداد میں مسلمان یہاں رہ رہے ہیں اُن کو ختم کر دینے یا ملک باہر

کر دینے کا خیال خام خیالی ہے، اس طرح کی جد و جہد کا نتیجہ اسکے سوا کچھ نہ نکلے گا کہ ایک طرف ہندوؤں کا ذہن بجائے ملک کے تعمیری کاموں میں لگنے کے اس خام خیالی میں الجھا رہے اور دوسری طرف ملک میں مستقل طور سے ایک ایسے ناراض اور غیر مطمئن گروہ کا وجود رہے جو چپہ چپہ پر پھیلا ہوا ہے۔ جو کہ ملک کے لئے انتہائی خطرناک بات ہوگی۔ اس لئے ملک کی بھلائی اسی میں ہے کہ ہندو خود بھی ملک کی تعمیر کے لئے یکسو ہوں اور ملک کی سب سے بڑی اقلیت کے لئے بھی اطمینان اور حب الوطنی کا ماحول پیدا کر کے اسکو اپنے ساتھ لے کر چلیں اور حکومت کو بھی موقع دیں کہ وہ باشندگان ملک کے باہمی تعصبوں اور رنجشوں کی طرف سے مطمئن رہ کر ملک کی تعمیر و ترقی کے لئے کام کر سکے ۔۔۔۔ گاندھی جی کی جانی قربانی یوں تو ملک کے لئے ایک عظیم سانحہ تھی مگر اس سانحہ نے اس کام کے لئے ایک بہترین موقع بھی پیدا کر دیا تھا۔ اس موقع پر فرقہ پرستی کے جنون کی مضرتیں اور ہلاکتیں بڑی آسانی کے ساتھ ہندو عوام و خواص کے ذہن میں بٹھائی جا سکتی تھیں، اور ایک پائدار نفرت ان کے دلوں میں اس جنون کے خلاف اتاری جا سکتی تھی۔

لیکن اسے ملک کی بدقسمتی کہیئے کہ اس وقت خود کانگریس میں ایک طاقتور عنصر ایسا تھا جو مسلم دشمنی میں خود کسی سے کم نہیں تھا[1]۔ اس لئے وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مسلمانوں کو ذہنی سہارا دیکر انھیں اعتماد میں لیا جائے۔ اسی طرح وہ خود ہندو فرقہ پرستی کو پوری پوری شہ دینے پر مصر تھا، وہ خود اس جنون میں مبتلا تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا یا تو تیا پانچہ کر دینا چاہیئے یا ان کو پاؤں کے نیچے دبا کر رکھنا چاہیئے۔ اور اسی جنون کے ماتحت وہ خود گاندھی جی کی ہتھیا کا بھی ذمہ دار تھا۔ اس لئے ہندوؤں کو وہ ہوشمندی کی وہ بات کیسے بتا سکتا تھا جسے وہ خود نہیں سمجھ رہا تھا۔ اور کیسے گاندھی جی کے خون کو وہ فرقہ واریت کے خلاف استعمال کرنے کا ہمنوا ہو سکتا تھا جبکہ وہ خود اس خون سے

---

[1] جس کی نشاندھی مولانا آزاد نے انڈیا ونس فریڈم میں کی ہے۔

نالاں نہیں تھا۔ چنانچہ یہ دونوں انتہائی ضروری کام رہ گئے اور کانگریس اپنے ان دو بنیادی اہمیت کے فرائض کی طرف توجہ نہیں کر سکی۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف مسلمانوں میں مایوسی، بددلی اور شکایت کی ذہنیت بڑھتی چلی گئی۔ اس ذہنیت کے پیدا ہو جانے اور مسلسل بڑھتے چلے جانے نے انھیں اس قابل نہیں رکھا کہ وہ ہندو مسلم خلیج کے پاٹنے کے لئے کوئی اقدام کریں۔ وہ مستقبل کی کوئی پُر امید تصویر دیکھ کر حالات کو اسکے لئے سازگار بنانے کی جد و جہد کریں، اور اعتماد اور عزم کے ساتھ نئے ہندوستان میں ایک نئی طرز کی زندگی کا آغاز کریں، اور ان کا یہ اقدام، ان کی یہ جد و جہد اور اُن کی یہ تبدیلی ہندوؤں کو ان کے خلاف ورغلانے والوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دے۔

دوسری طرف (ہندوؤں کے ذہن کو مسلمانوں کے بارے میں اپنے حال پر چھوڑ دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ) فرقہ پرست ہندو عناصر کو اپنے سیاسی اغراض کے لئے اس بات کا پورا پورا موقع اور بالکل ایک کھلا ہوا میدان مل گیا کہ وہ ہندوؤں کو مسلم دشمنی کے نعروں پر اپنے جھنڈے کے نیچے منظم کریں، اور ہندو مسلمانوں میں نفاق اور عناد کی جڑیں مضبوط سے مضبوط کر دینے کے لئے جو پروگرام تیار کریں اس پر ہندو عوام سے پورا پورا عمل کرالیں ـــــ یہ ہیں وہ اسباب جنھوں نے مدھیہ پردیش جیسے ہولناک حوادث کو جنم دیا۔

کانگریس کے لیڈروں اور دوسری غیر فرقہ پرست جماعتوں نے بھی، ان واقعات پر بڑی فکر و تشویش اور ندامت کا اظہار کیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ایسے واقعات کا آئندہ کے لئے سدباب ان اسباب کے ازالہ ہی سے ہو سکتا ہے، اور یہی فکر و تشویش اگر ہو تو اصل کام ان اسباب کا ازالہ ہی ہے۔

کانگریس نے کچھ دن پہلے قومی اتحاد و استحکام کے لئے اپنے بعض ارکان کی جو ایک

کمیٹی مسز اندرا گاندھی کی صدارت میں بنائی تھی اُس نے کچھ سفارشات اس مقصد کے لئے پیش کی ہیں، اور وہ اچھی سفارشات ہیں، لیکن ان کی افادیت تمام تر اس پر موقوف ہے کہ ان پر ایمانداری سے عمل کیا جائے۔ خصوصاً اس سفارش پر بڑے جوش و خروش اور بڑی لگن کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے کہ عوام سے بڑے پیمانہ پر رابطہ قائم کر کے ان کو فرقہ پرستی کے مہلک نتائج سے آگاہ کیا جائے، اس لئے کہ اور بیشتر سفارشات کے عمل میں آنے کے لئے ملک میں جس قسم کی فضا درکار ہے وہ اسی جد وجہد پر موقوف ہے۔ اسی طرح دوسری غیر فرقہ پرست پارٹیاں اگر مدھیہ پردیش کے واقعات پر تشویش محسوس کرتی ہے اور اپنی کچھ ذمہ داری اس باب میں سمجھتی ہیں تو اس ذمہ داری کی ادائیگی کی صورت بھی یہی ہے کہ فرقہ پرستی کے خلاف عوامی شعور کو بیدار کرنے کی ایک ملک گیر مہم چلائی جائے، اور یہ بہت ہی اچھا ہے کہ اس مہم میں کانگریس اور یہ دوسری تمام پارٹیاں پوری طرح تعاون و اشتراک کا ثبوت دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ فرقہ پرستی کی یہ وبا جس کا طول وعرض مدھیہ پردیش کے واقعات میں نمایاں ہوا ہے، ملک کا کوئی مسئلہ اہمیت میں آج اسکی برابری نہیں کرتا۔ اس وبا کا اگر خاتمہ نہیں ہوا تو ملک کی جڑیں کھوکھلی ہو جائیں گی، اور ملک کی تعمیر و ترقی کے سارے دوسرے کام اکارت ہو کر رہ جائیں گے۔ اس لئے حُبِّ وطن اور قومی خیر خواہی کا اوّلین تقاضا ہے کہ اس وبا سے پوری قوت کے ساتھ نپٹا جائے، اور اسکے خاتمہ کا اچھی طرح اطمینان کئے بغیر اس کا پیچھا نہ چھوڑا جائے۔

ہم یہ خیال نہیں رکھتے کہ اس مسئلہ میں کام کا میدان صرف اکثریتی فرقہ ہے مسلمانوں سے اس مسئلہ میں خطاب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایسا اگر کہا جائے تو یہ حقیقت سے چشم پوشی ہوگی۔ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا ذہن بھی اس مسئلہ میں اصلاح کا محتاج ہے، بے شک ضرورت ہے کہ انھیں بھی فرقہ وارانہ یگانگت اور وطنی اُخوت کا سبق دیا جائے، اور دوسرے فرقوں کے ساتھ بھائی چارے اور رواداری کا جذبہ ان میں

اُبھارا جائے، لیکن یہ بڑی ناانصافی اور ساتھ ہی ساتھ مقصد کے لحاظ سے ایک بھاری غلطی بھی ہوگی کہ اس مسئلہ میں ہندو اور مسلمانوں کو ایک ہی سطح پر رکھ کر بات کی جائے۔ فرقہ واریت کے مسئلہ میں ہندو اور مسلمان کی پوزیشن میں اس وقت ایک نمایاں اور بنیادی فرق ہے مسلمانوں کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اُن کی اکثریت میں بھی ایک قومی نقطۂ نظر کا فقدان ہے، وہ بھی مسائل کو فرقہ وارانہ نقطۂ نظر سے سوچتے ہیں۔ ان میں بھی رواداری اور یگانگت کا وہ ذہن نہیں ہے جس کی ہندستان میں ضرورت ہے، لیکن ہندو فرقہ واریت کا طول و عرض صرف اتنا نہیں ہے اس میں آج ایک شدید جارحیت پائی جاتی ہے، مسلمان اگر فرقہ وارانہ لائنوں پر منظم ہونے کو سوچتے ہیں تو اپنے بچاؤ اور صرف تحفظ کے لئے سوچتے ہیں، جبکہ ہندوؤں کی فرقہ وارانہ تنظیمیں مسلمان اقلیت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے اُٹھتی ہیں۔ ایک کے سامنے اپنے بچاؤ کا مسئلہ ہے، دوسرا دراز دستی اور حملہ آوری کی پوزیشن میں ہے، ظاہر ہے کہ ان دونوں پوزیشنوں میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ اور اس لئے انصاف کے خلاف ہے کہ ان دونوں فرقوں کو ایک سطح پر رکھ کر اور ایک زبان سے بات کی جائے۔

علاوہ ازیں مقصد کے اعتبار سے، اس طرح کا رویہ ایک بھاری غلطی بھی ہوگا۔ اس لئے کہ یہ ناانصافی مسلمانوں میں چڑھ پیدا کرے گی۔ اور عام انسانی فطرت کے مطابق اُن سے توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ اس غیر منصفانہ لہجہ میں کہی ہوئی بات سے متاثر ہوکر اپنا جائزہ لے سکیں گے۔ گاندھی جی کی جانی قربانی نے جس طرح ہندوؤں کا ذہن فرقہ واریت کے خلاف بنا دینے کا ایک نادر موقع فراہم کیا تھا، اسی طرح یہ مسلمانوں کا دل مٹھی میں لے لینے اور ہندوؤں سے اُن کے کھنچاؤ کو ختم کر دینے کا بھی ایک بہترین موقع تھا، مگر اس موقع کو کھو دیا گیا۔ اب اگرچہ اس درجہ کا نہیں پھر بھی خاصے درجہ کا ایک موقع اس کام کے لئے مدھیہ پردیش کے دردناک واقعات نے پیدا کر دیا ہے۔ مسلمان اپنے مسئلہ میں جتنے سنجیدہ اس موقع پر ہوسکتے ہیں کم از کم گزشتہ بارہ سال کی مدت میں اتنے سنجیدہ کبھی نہیں ہوئے ہوں گے۔ اس موقع پر اگر ان کے سامنے اُن کی

شکایات کا مداوا کرتے ہوئے سنجیدگی، بہی خواہی اور جذبات کی جائز پاسداری کے ساتھ بیان آئے کہ وہ جس فرقہ پرستانہ جنون کی زد میں ہیں اُس کے علاج کے لئے کیا اُن کی ذمہ داری ہے، اور وہ یہ کہ ہے وہ ملک میں بھائی چارے اور اخوت و یگانگت کا ماحول پیدا کرنے میں اپنے حال و قال اور عمل سے پوری پوری مدد دیں تو یقین کرنا چاہئے کہ یہ آواز صدا بصحرا ثابت نہیں ہوگی۔ کانگریس اگر اس مقصد کے لئے تعاون مانگے گی تو بیشتر حلقوں کے با اثر اور مخلص مسلمان رہنما اور کارکن اس کام میں اس سے ہم آہنگ ہونے کے لئے تیار ہوں گے۔ لیکن اگر کانگریسی لیڈروں نے مسلمانوں کے بارے میں لہجہ یہ اختیار کیا جس لہجے میں ہم اتر پردیش کے نئے صدر کانگریس مسٹر جین کو بات کرتا ہوا پا رہے ہیں ___ کہ

"فرقہ پرست جو ۱۴ سال قبل ملک کی تقسیم کے ذمہ دار تھے اب انھوں نے پھر اپنی سرگرمیاں شروع کر دی ہیں۔ مسلم حقوق کی حفاظت کا بہانہ کر کے مسلم لیگ کو زندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دوسری طرف جبل پور کا حادثہ اور جو گوالیار میں نعرے لگائے گئے ہیں، یہ جن سنگھ کی سرگرمیاں ہیں جو مسلم فرقہ پرستی سے کم درجہ کی بری نہیں ہیں۔ کانگریس دونوں برائیوں کا سختی کے ساتھ اور مستقل مزاجی سے مقابلہ کرے گی"

(قومی آواز ۲۶ر مئی ۱۹۶۱ء)

تو سمجھ لینا چاہیئے کہ کانگریس اس موقع کو بھی کھو دے گی، اور نہ صرف مسلمانوں میں اپنی آواز کو بے اثر کر دے گی، بلکہ ہندو فرقہ داریت کے خلاف اپنی جنگ کی مہم کو بھی نقصان پہنچائے گی۔ جن سنگھ وغیرہ ہندوؤں میں اسی طرح کے پروپیگنڈے کے ذریعہ جارحانہ فرقہ پرستی کو اُبھار رہی ہیں کہ مسلمان ایک نئے پاکستان کی فکر میں ہیں۔ وہ حقوق کے سوالات کی آڑ میں ایک نئی تقسیم کے لئے منظم ہونا چاہتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ جب کانگریس کے لیڈر بھی اپنی زبان سے اس غلط پروپیگنڈے کو تقویت پہنچائیں گے، تو سوچنے کی بات ہے کہ ہندو فرقہ پرستی کی آگ کیونکر ٹھنڈی

ہوسکے گی! کانگریس کے لیڈر اگر ہندو فرقہ وارانہ کے خلاف اپنی مہم میں سنجیدہ اور مخلص ہیں تو پھر اس زبان سے انھیں اجتناب کرنا چاہیئے اور دونوں پلڑوں کو زبردستی برابر رکھنے کی کوشش میں اپنی اصل مہم کو اپنے ہی ہاتھوں دونوں رخوں پر بے کار اور بے اثر نہیں کر دینا چاہیئے۔

وہ مسلمانوں سے کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے بھی ہندو مسلم خلیج کو پاٹنے کے لئے اپنے کرنے کے کام نہیں کئے ہیں، وہ مسلمانوں سے کہہ سکتے ہیں کہ مسلم لیگ وغیرہ کا احیاء ان کے لئے نقصان دہ ہوگا، اور ملک کی فضا کو مکدر کرے گا، لیکن انھیں اس حقیقت کا احساس کرنا ہوگا کہ آج کی ہندو فرقہ پرستی کے ہم معنی مسلم فرقہ پرستی کا وجود آج ہندوستان کے کسی گوشے میں نہیں ہے، اور اعتراف کرنا ہوگا کہ پبلک اور سرکاری اداروں میں مسلمانوں کے ساتھ مسلسل زیادتیوں اور ناانصافیوں کے نتیجے میں عدم تحفظ کا ایک بالکل فطری احساس اُن کے اندر پیدا ہو گیا ہے اور مسلم لیگ یا کسی دوسرے نام سے سیاسی لائنوں پر اپنی جداگانہ تنظیم کی بات اگر کچھ مسلمان سوچتے ہیں تو وہ اسی عدم تحفظ کے احساس کا نتیجہ اور گویا تحفظ کے حصول کی ایک کوشش ہے۔ یہ بات ہمارے قلم سے ایک مسلمان ہونے کی بنا پر نہیں نکل رہی ہے۔ ہم زبردستی مسلمانوں کو کوئی الاؤنس نہیں دلوانا چاہتے، بلکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف ہم آل انڈیا کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سکریٹری مسٹر اجے گھوش کی زبان پر بھی پاتے ہیں۔ ۲۶ر مئی کے اخبارات میں فرقہ پرستی کے خلاف جنگ کے سوال پر ملک کی تمام بڑی غیر مذہبی جماعتوں کی کانفرنس بلانے کی جو تجویز انھوں نے کانگریس کے سامنے رکھی ہے اس میں پوری صراحت کے ساتھ انھوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔

الغرض کانگریس کے رہنما اگر فرقہ پرستی کے خلاف سنجیدگی اور سچے دل سے مہم چلانا چاہتے ہیں تو انھیں اس معاملہ میں اپنا ذہن پوری طرح صاف کرنا چاہیئے اور اپنے تمام ذمہ دار کارکنوں کو بھی ذہن کی یہ صفائی دینی چاہیئے، ورنہ مسٹر جین کے ایسے بیانات بھی اگر اس مہم میں چلتے رہے تو بات جوں کی توں رہے گی، مسلمانوں میں

اس ناانصافی پر جھنجھلاہٹ بڑھے گی اور ہندو فرقہ پرستی کو اس سے غذا ملے گی۔

مسلمانوں سے! —

اسکے بعد ہم مسلمانوں سے کہنا چاہتے ہیں کہ انھیں اپنے مستقبل کے مسئلہ میں بہت سنجیدہ ہو جانا چاہیئے، شہدائے جبل پور وساگر کا خون ایک رنگ لایا ہے۔ ملک میں ایک فضا بنی ہے، مرکزی حکومت کے سربراہ اور کانگریس کے چوٹی کے رہنما اپنی جگہ سے ہلے ہیں اور کچھ کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ اس وقت کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور ایک بڑی قیمت دیکر بنائی ہوئی فضا کو بے کار نہ جانے دینا چاہیئے۔ اس وقت اگر مسلمانوں نے سنجیدگی اور ہوشمندی کا ثبوت نہیں دیا تو وہ اپنی بدقسمتی کے آپ ذمہ دار ہوں گے۔

اس وقت مسلمانوں کے کرنے کا کام کیا ہے، اور کس طرح وہ اس فضا کو اپنے حق میں نفع بخش بنا سکتے ہیں؟ اس گزارش سے پہلے ہم دو تمہیدی باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں جو ہمیں مذکورہ بالا سوال کے سلسلہ میں صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں مدد دے سکیں۔

۱۔ ملک میں یوں تو اس وقت ۵ – ۶ قابل ذکر سیاسی پارٹیاں ہیں، لیکن اب سے دو سال پہلے تک ان میں سے تین پارٹیاں قابل لحاظ تھیں۔ ایک کانگرس پارٹی دوسری کمیونسٹ پارٹی، تیسری جن سنگھ، کانگریس تو خیر پورے ملک میں اپنی زبردست اکثریت کے ساتھ حکمراں پارٹی تھی، اس لئے سب سے پہلے نمبر پر قابل لحاظ تھی، لیکن کمیونسٹ پارٹی اور جن سنگھ، یہ دو پارٹیاں اس بنا پر قابل لحاظ تھیں کہ یہ دونوں ملک گیر پیمانہ پر اپنی طاقت میں اضافہ کا ثبوت دے رہی تھیں۔

موخر الذکر دونوں پارٹیوں میں مقابلتاً کمیونسٹ پارٹی کا پلڑا بھاری تھا۔ چھوٹی سی ایک ریاست میں اس نے اپنی حکومت بھی بنالی تھی، لیکن یکایک اس کا ستارا گردش میں آیا اور ہند چین کشمکش نے اسے برسوں کی حساب سے پیچھے ہٹا دیا۔ دوسری طرف اسی قضیہ نے جن سنگھ کی طاقت میں اضافہ کا سامان فراہم کیا۔ حکمراں پارٹی نے اس غیر متوقع قضیہ میں جو کمزوری دکھائی تھی جن سنگھ نے ہندوؤں میں اس کا بھرپور

پروپیگنڈہ کیا۔ اس کمزوری کے خلاف کانگریس پارٹی کو ملامت کرنے والی اور عوام میں اسکے اعتماد کو نقصان پہنچانے والی پارٹیاں اور بھی تھیں لیکن بعض خاص اسباب کی بنا پر ہندو عوام و خواص کے اس ڈولتے ہوئے اعتماد کا مرجع عام طور پر جن سنگھ ہی بنی۔ اور عام پبلک سے لے کر سرکاری مشینری تک ہر طبقہ میں جن سنگھ کی طاقت ایک دم غیر معمولی طور پر بڑھ گئی ——— علاوہ ازیں ہندو مسلم سوال پیدا کر کے ہندوؤں میں مقبولیت کا جو پروگرام جن سنگھ شروع سے چلا رہی تھی ادھر دو سال سے اسکو بھی فسادات کی شکل میں نہایت تیز کر دیا گیا۔

الغرض اس وقت یہ شکل ہے کہ کانگریس کے طاقت ور حریف کی حیثیت سے گویا تنہا جن سنگھ میدان میں ہے، اور کانگریس کے ہاتھ سے اگر اقتدار نکلتا ہے تو سیدھا جن سنگھ کے ہاتھ میں جاتا ہے، سرکاری مشینری اور نظم و نسق کے کارپردازان و کارکنان پر کسی اپوزیشن پارٹی کا اثر ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے، دہلی کے حالیہ ضمنی الیکشنوں میں جب سے سرکاری افسران و ملازمان پر جن سنگھ کا زبردست اثر ظاہر ہوا ہے، کانگریس کے حلقوں میں ایک کھلبلی مچ گئی ہے اور کانگریس کی قیادت اس پر سخت متفکر ہے، یہ فکر و پریشانی اسی وجہ سے ہے کہ یہ ایک سیاسی انقلاب کا اشارہ ہے۔

پس مسلمانوں کو اس وقت سب سے پہلے ٹھنڈے دل و دماغ سے اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ کیا وہ جن سنگھ کا برسر اقتدار آجانا پسند کرینگے؟ ——— ہمارے خیال میں یہ بات، بالکل کھلی ہوئی ہے اور اس میں کسی بحث و مباحثہ کی گنجائش نہیں کہ جن سنگھ کے برسر اقتدار آجانے کو مسلمانوں کا پسند کرنا اپنی موت اور نہایت بے کسی کی موت پر دستخط کر دینا ہے۔ آج بہت سے مسلمان، جن میں بعض اچھے پڑھے لکھے بھی شامل ہیں، جذباتی انداز میں کہنے لگتے ہیں کہ ہمیں اس کا کیا غم کہ کون برسر اقتدار آتا ہے، جن سنگھ آجائے گی تو اور اس سے زیادہ کیا ہونے لگے گا جو آج نہیں ہو رہا ہے۔ اس طرح کا انداز فکر دراصل انسان کی ایک جذباتی کمزوری ہے۔ انسان جب کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو سمجھنے لگتا ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی مصیبت نہیں ہو سکتی، لیکن جب اس سے

بڑی کوئی مصیبت آپڑتی ہے تب اس کو احساس ہوتا ہے کہ پہلی حالت اس سے بہرحال بہتر اور قابل شکر تھی، بارش کی بوندوں میں کھڑے ہو کر بھیگنے پر آدمی مجبور کیا جائے تو سوچے گا کہ اس سے زیادہ بھیگنا اور کیا ہوگا، لیکن وہاں سے ہٹا کر ایک زوردار پرنالے کے نیچے اگر کھڑا کر دیا جائے تو اسے سمجھ آئے گی کہ بوندوں میں بھیگنا تو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں تھا، یہاں تو سانس بھی نہیں آنے پاتی۔ بالکل یہی معاملہ ہے کہ آج جو کچھ حال ہے، اسے اندازے سوچنے والوں کو، اس کی قدر اس وقت ہوگی جب خدانخواستہ جن سنگھی حکومت مسلط ہو جائے گی۔ جب دستور کی رو سے بھی ہمارے حقوق دوسروں کے برابر نہوں گے، جب تحریر و تقریر سے ہم کوئی احتجاج بھی نہ کرسکیں گے، جب ہم کسی ضرورت کے لئے کوئی انجمن اور جماعت بھی نہ بنا سکیں گے، جب جبل پور اور ساگر کے واقعات دُہرائے جائیں گے اور لب پہ شکایت کی اجازت بھی نہ ہوگی۔ جب مظلوم ہی مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے کئے جائیں گے، جب اس کی بھی اجازت نہ ہوگی کہ ہم مظلوموں کی خبر گیری کے لئے پہنچیں اور انھیں کوئی امداد پہنچائیں، جب کوئی کھڑے ہو کر یہ کہنے والا نہیں ہوگا کہ مسلمانوں پر ظلم کیا گیا ہے اور اس پر لوگوں کو شرم آنی چاہیئے۔ جب ہمیں اس پر بھی ٹوکا جائے گا کہ ہم حج کے لئے باہر کیوں جاتے ہیں۔ جب ہمارے اس سفر پر اور دوسرے مسلمان ملکوں کی آمد و رفت پر سازشوں کی تہمتیں باندھی جائیں گی ـــــ مختصر الفاظ میں کہیئے کہ جب ہماری زندگی شودروں اور غلاموں سے بدتر بنادی جائے گی ـــــ خدا نہ کرے!

یہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اس میں ایک لفظ مبالغہ کا نہیں ہے، ایک ایک بات کو لیتے جائیے اور جن سنگھ کے آج کے قول و فعل کی روشنی میں جانچتے جائیے کہ کل یہی سب کچھ جن سنگھ کرے گی یا نہیں، جبل پور اور ساگر کے جیسے دردناک مظالم جن پر بے حس سے بے حس لوگوں کے دل ہل گئے اور گردنیں شرم سے جھک گئیں، ان پر بھی ہم سب جن سنگھ کے لیڈروں اور اخباروں کی سنگدلی اور بے حیائی کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ وہ اُلٹا مسلمانوں ہی کو مجرم بنانے پر تُلے ہوئے ہیں، اور نہایت بے لاگ خیرخواہی

مسلمانوں کی مظلومیت کا اعتراف کیوں کیا جا رہا ہے اور کیوں ہندوؤں کو سرزنش کی جا رہی ہے، اور حد یہ کہ کیوں مسلمانوں کو وہاں امدادی کام کی اجازت دی جا رہی ہے؟ ـــــ یہ ہو گا جن سنگھی اقتدار کا ہمارے ساتھ معاملہ، جس کا ہم نہایت ٹھوس بنیادوں پر آج وقت سے پہلے ہی تصوّر کر سکتے ہیں! ـــــ بلکہ ہم تو جن سنگھ کی فطائیت کو دیکھتے ہوئے اس میں بھی شبہ نہیں رکھتے کہ جس دن جن سنگھ ملک میں برسرِ اقتدار آ جائے گی جمہوریت کے بجائے یہاں نازی ازم چلے گا، اور الیکشن تک کا نام سننے میں نہ آئے گا۔

۲۔ اسکے بعد دوسری بات نہایت کھلے دماغ سے ہمیں یہ سمجھ لینی چاہیئے کہ ہمارے ملک کا موجودہ نظام گو نامذہبی جمہوریت ہے، جو اگر پورے اصولوں کے ساتھ وجود میں آئے تو اس سے بہتر کوئی دوسرا نظام ہندوستان جیسے ملک میں ہمارے لئے ممکن نہیں، لیکن ہندو جو یہاں کی اکثریت ہیں اُن کے اور ہمارے مابین چونکہ آزادی کے موقع پر شدید بدگمانیوں، بداندیشیوں اور شکوک و شبہات کی ایک ناخوشگوار فضا قائم ہو گئی تھی جس کا زہر بہت سے قوم پرست ہندوؤں تک میں سرایت کر گیا، اس لیے حقیقی سیکولر جمہوریت جس میں ہمارے حقوق کا پورا تحفظ ہوتا، ابھی تک وجود میں نہیں آسکی ہے اور نہ اُس وقت تک آسکتی ہے جب تک یہ زہریلی فضا ملک میں قائم رہے گی۔ ایسی فضا میں دراصل یہی بہت بڑی بات تھی کہ ملک کا دستور مکمل نامذہبی جمہوری اصولوں پر بن گیا، ورنہ تعجب کی بات نہ ہوتی اگر دستوری حد تک بھی کامل نامذہبی جمہوریت ملک میں قائم نہ ہوتی۔ پس اس فضا کی موجودگی میں اگر ہم یہ چاہیں اور توقع کریں کہ عملاً ایک کھری نامذہبی جمہوریت ملک میں پیدا ہو جائے تو یہ واقعات کی دنیا میں تو ممکن نہیں ہے، خواہ ملک کا اقتدارِ اعلیٰ ابھی کتنے ہی خلوصِ دل سے اس بات کو چاہے۔ عملی طور پر تو نامذہبی جمہوریت کا قیام ملک میں اسی وقت ممکن ہے جب ملک کی مذہبی اکثریت اس خواہش سے ساز کرے، اور فرقہ وارانہ تنگ نظری سے بلند ہو جائے ـــــ اس لئے مسلمان اگر ملک میں حقیقی نامذہبی جمہوریت کا عملی قیام

بانی ضرورت سمجھتے ہیں تو انھیں خواہش پسند بننے کے بجائے حقیقت پسند بن کر اس فضا کے قائم کرنے کی جد و جہد کرنا ہوگی جس میں نا مذہبی جمہوریت کا عملی قیام ممکن ہو۔

یہ دونوں تمہیدی باتیں اگر تسلیم ہیں تو آئیے اب ہم پھر اصل بات پر آئیں کہ مسلمانوں کو ماضی اور حال کے غم اور شکوہ و شکایات سے بلند ہو کر ساری توجہ اس وقت اپنے مستقبل کے مسئلہ پر مرکوز کر دینی چاہیئے اور جو فضا اس وقت شہدائے جبل پور و ساگر کے خون کے صدقے میں بن گئی ہے اس سے پوری ہوشمندی اور وقت شناسی کے ساتھ فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

مستقبل کے لئے کرنے کے جو کام ہوسکتے ہیں ان کی طرف یہ تمہیدی مسلمات ہماری خود رہنمائی کر رہے ہیں، یعنی ایک تو ہمیں فوری طور پر یہ فیصلہ کرنا ہے کہ جن سنگھی اقتدار کے خطرے کو روکنے کے لئے ہمیں کیا مؤثر عملی رُخ اختیار کرنا ہے؟ اس باب میں کسی نتیجہ خیز فیصلہ تک پہنچنے میں ہمیں مندرجہ ذیل حقائق مدد دے سکتے ہیں۔

(۱) کانگریس ہی اس وقت سب سے بڑی طاقت ہے جو جن سنگھ کے بڑھتے ہوئے اثر سے ٹکر لے سکتی ہے اور یہ ایسی حقیقت ہے جسے کانگریس کی حریف غیر فرقہ پرست سیاسی پارٹیاں بھی مانتی ہیں، چنانچہ اوپر ہم نے کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سکریٹری کی اس تجویز کا ذکر کیا ہو کہ کانگریس کو فرقہ پرست طاقتوں کے مقابلے کے لئے ایک آل پارٹیز کانفرنس بلانی چاہیئے اس تجویز میں پنڈت نہرو سے یہ اپیل بھی ہے کہ وہ فرقہ پرستی کے خلاف اس مجوزہ تحریک کی قیادت کریں۔

(۲) اور اس نے (کانگریس نے) مدھیہ پردیش کے واقعات اور اسکے بعد کے کچھ دوسرے حالات کو اپنے لئے جن سنگھ کی طرف سے ایک آخری چیلنج محسوس کر لیا ہو۔

(۳) کانگریس کی قیادت اب اپنی پوری طاقت کے ساتھ اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں اتر بھی رہی ہے۔ اور اسکے انداز میں آج پچھلے تمام ایام سے زیادہ سنجیدگی اور حقیقت پسندی جھلک رہی ہے۔

اِن حقائق کا تقاضہ ہے کہ ہم اس جذباتیت میں نہ پڑتے ہوئے کہ کانگریس اب تک ہمارے حق میں کیا بھلی ثابت ہوئی ہے اس معرکہ میں پوری یکجہتی کے ساتھ اسکی مدد کریں، اور اپنا ہر ممکن تعاون اُسے پیش کیا جائے۔

ہم کانگریس کے اعمال سے کچھ کم نالاں نہیں ہیں، الفرقان کے کتنے ہی ادارتی مقالات اس بات کے گواہ ہیں۔ لیکن اس وقت مسئلہ کانگریس کی اچھائی برائی کا نہیں ہے۔ اس وقت مسئلہ ہماری اپنی موت وزیست کا ہے۔ ہماری اپنی بھلائی اگر اس وقت اس میں ہے کہ کانگریس سے تعاون کیا جائے تو یہ کوئی عقلمندی نہیں ہو سکتی کہ ہم اسکے آسمان کے بندروں کی اذیتوں کو یاد کرکے پتالے کی مصیبت اپنے سر آجانے دیں۔ کانگریس اس وقت ہمارے معاملہ میں بھی اپنی کوتاہیوں کی تلافی پر آمادہ نظر آتی ہے۔ اس تلافی کے رجحان کی اچھی سے اچھی عملی شکل بنوانے کی بھی یہی مؤثر صورت ہے کہ کانگریس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کے جواب میں ہم اپنا ہاتھ بڑھانے میں تامل نہ کریں۔ اور اسکے رویہ کی تبدیلی کو پائیدار بنانے کی کوشش کریں۔

۲۔ اسی معرکہ کے سلسلہ میں کانگریس ہندو مسلم آویزش کو ختم کرنے کے سلسلہ میں بھی سنجیدہ نظر آتی ہے، جس طرح یہ کانگریس کی ضرورت ہے ہم بتا چکے ہیں کہ یہ ہم مسلمانوں کی بھی اپنی ضرورت ہے۔ ہم شاید تنہا اسکو مشکل سے حل کر پاتے۔ اسے ایک تائید غیبی سمجھنا چاہیئے کہ کانگریس جو آج بھی ہندوؤں کی اکثریت پر اثر رکھتی ہے، خود اس کام کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی ہے، اور اسکی جد وجہد کے پروگرام سے جائز حد تک تعاون کرکے ہم شاید زیادہ آسانی سے اس مقصد کو حاصل کر سکتے ہیں — اسکا یہ مطلب نہیں کہ کانگریس کا پروگرام ہماری ضرورت اور ہمارے مقصد کے لئے کافی ہوگا۔ یقیناً ہمیں اس کام کے سلسلہ میں اپنے طور پر بھی بہت کچھ کرنا ہوگا۔ لیکن اس وقت صورت یہ ہے کہ ایک خاص قسم کی فضا سے اس کام کے گویا راستے بند ہیں۔ کانگریس کی اس مہم میں تعاون سے ہمیں خاص فائدہ یہ پہنچے گا کہ اس کام کے راستوں پر پڑے ہوئے قفل ٹوٹ جائیں گے۔ اور ہماری اپنی کوششوں کے لئے راہ ہموار ہو جائے گی۔ کانگریس کی مہم سے تعاون کے ذریعہ اگر یہ فائدہ ہمیں حاصل ہوتا ہو تو بیشک بہت بڑا فائدہ ہے۔ اور اسکا موقع جو آگیا ہے اسے ضائع نہیں کرنا چاہیئے — وقت ہے کہ مسلم زعماء و اہل فکر ہندو مسلم آویزش کو ختم کرنے کے لئے ایک طویل المیعاد عملی پروگرام تیار کریں۔ عتیق

معارف الحدیث

(مسلسل)

اذان:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے اور نماز با جماعت ادا کرنے کے لئے مسجد بنالی گئی تو ضرورت محسوس ہوئی کہ جماعت کا وقت قریب ہونے کی عام اطلاع کے لئے اعلان کا کوئی خاص طریقہ اختیار کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں صحابہ کرام سے بھی مشورہ فرمایا، کسی نے کہا کہ اس کے لئے بطور علامت کوئی خاص جھنڈا بلند کیا جایا کرے، کسی نے رائے دی کہ کسی بلند جگہ آگ روشن کردی جایا کرے، کسی نے مشورہ دیا کہ جس طرح یہودیوں کے عبادت خانوں میں نرسنگھا (ایک قسم کا بھونپو) بجایا جاتا ہے اسی طرح ہم بھی نماز کے اعلان اور بلاوے کے لئے نرسنگھا بجایا کریں، کسی نے نصاریٰ والے ناقوس کی تجویز پیش کی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے کسی بات پر بھی اطمینان نہیں ہوا، اور آپ اس مسئلہ میں متفکر رہے، آپ کی اس فکرمندی نے بعض صحابہ کرام کو بھی بہت متفکر کردیا، ان میں سے ایک انصاری صحابی حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ نے جو حضور کو متفکر دیکھ کر بہت ہی فکرمند اور بے چین ہوگئے تھے، اسی رات خواب دیکھا (جس کی تفصیل آگے آنے والی حدیثوں سے معلوم ہوگی) اس خواب میں انھیں اذان اور اقامت کی تلقین ہوئی، انھوں نے صبح سویرے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا خواب عرض کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا "انشاء اللہ یہ رؤیا حق ہے"

یعنی یہ خواب منجانب اللہ ہے۔ (یہ بات آپ نے یا تو اس لئے فرمائی کہ ان صحابی کے خواب بیان کرنے سے پہلے ہی خود آپ پر بھی اس بارہ میں وحی آچکی تھی یا خواب سننے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب مبارک میں یہ بات ڈالی) بہرحال آپ نے ان صحابی عبداللہ بن زید سے فرمایا کہ تم بلال کو اذان کے ان کلمات کی تلقین کر دو، ان کی آواز زیادہ بلند ہے وہ ہر نماز کے لئے اسی طرح اذان دیا کریں ——— بس اس دن سے اذان کا یہ نظام قائم ہوا جو آج تک دین اسلام اور امت مسلمہ کا خاص الخاص شعار ہے ——— اس تمہید کے بعد اذان و اقامت سے متعلق ذیل کی حدیثیں پڑھیئے!

(۳۱) عَنْ اَبِي عُمَيْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ عُمُومَةٍ لَهُ مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ اِهْتَمَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلٰوةِ كَيْفَ يَجْمَعُ النَّاسَ لَهَا فَقِيْلَ لَهُ اِنْصِبْ رَايَةً عِنْدَ حُضُوْرِ الصَّلٰوةِ فَاِذَا رَاَوْهَا اٰذَنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمْ يُعْجِبْهُ ذٰلِكَ قَالَ وَذُكِرَ لَهُ الْقُنْعُ يَعْنِي شَبُّوْرَ الْيَهُوْدِ فَلَمْ يُعْجِبْهُ ذٰلِكَ وَقَالَ هُوَ مِنْ اَمْرِ الْيَهُوْدِ قَالَ فَذُكِرَ لَهُ النَّاقُوْسُ فَقَالَ هُوَ مِنْ اَمْرِ النَّصَارٰى فَانْصَرَفَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ وَهُوَ مُهْتَمٌّ لِهَمِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاُرِيَ الْاَذَانَ فِيْ مَنَامِهِ قَالَ فَغَدَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ لَبَيْنَ نَائِمٍ وَيَقْظَانَ اِذْ اَتَانِيْ اٰتٍ فَاَرَانِي الْاَذَانَ ...... فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ فَانْظُرْ مَا يَاْمُرُكَ بِهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ فَافْعَلْهُ قَالَ فَاَذَّنَ بِلَالٌ

——— رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ کے (سب سے بڑے) صاحبزادے ابو عمیر اپنے بعض

چچوں سے جو انصاری صحابیوں میں سے تھے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے لئے فکر ہوئی (اور آپ نے مشورہ بھی فرمایا) کہ اس کے لئے لوگوں کو کس طریقہ سے جمع کیا جائے اور کیا تدبیر اختیار کی جائے، پس بعض لوگوں نے عرض کیا کہ نماز کے وقت ایک جھنڈا نصب کیا جائے، جب لوگوں کی اس پر نگاہ پڑے گی تو ایک دوسرے کو اطلاع کر دیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے پسند نہ آئی، راوی کا بیان ہے کہ اس سلسلہ میں آپکے سامنے یہودیوں کے بھونپو کا بھی ذکر کیا گیا، آپنے فرمایا وہ تو یہودیوں کی چیز اور ان کا طریقہ ہے، پھر ناقوس کا ذکر کیا گیا، آپنے فرمایا وہ نصاریٰ کا طریقہ اور ان کی چیز ہے ــــ (الغرض اس مجلس میں کوئی بات طے نہیں ہو سکی) اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر معمولی فکرمندی کو دیکھ کر آپکے ایک انصاری صحابی عبداللہ بن زید بن عبد ربہ بھی بہت فکرمند ہوئے اور اسی فکرمندی کی حالت میں حضور کی مجلس سے واپس آکر پڑ گئے، پھر نیم خواب اور نیم بیداری کی حالت میں انھوں نے اذان سے متعلق خواب دیکھا (اس خواب کی پوری تفصیل آگے آنے والی حدیث سے معلوم ہو جائے گی) وہ صبح سویرے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ رات جبکہ میری حالت یہ تھی کہ نیم خفتہ اور نیم بیدار تھا، نہ پوری طرح بیدار تھا اور نہ سویا ہی ہوا تھا، میرے پاس کوئی آنے والا آیا اور اس نے مجھے اذان کہکر دکھائی ...... (پھر انھوں نے خواب کی پوری تفصیل سنائی حضور نے فرمایا، بلال! اٹھو اور یہ عبداللہ بن زید جو تم سے کہیں اور جو بتائیں وہی کرو (یعنی ان کی تلقین کے مطابق اذان دو) راوی کا بیان ہے کہ پھر بلال نے اس حکم کی تعمیل کی اور اذان دی۔

(سنن ابی داؤد)

(فائدہ) ابو داؤد کی اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ عبداللہ بن زید کے حضور کی

خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب بیان کرنے سے پہلے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا، لیکن جب عبداللہ بن زید سبقت کر کے حضور کی خدمت میں پہنچ گئے اور انھوں نے اپنا خواب پہلے بیان کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے خواب کا ذکر کرنے میں کچھ حجاب محسوس ہوا، پھر بعد میں انھوں نے حضور سے ذکر کیا۔

بعض دوسری روایات میں حضرت ابوبکر صدیق کے اور بعض میں اور بھی چند صحابۂ کرام کے اسی قسم کے خواب کا ذکر کیا گیا ہے لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایتیں ثابت نہیں ہیں۔

(۳۲) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ زَیْدِ بْنِ عَبْدِ رَبِّہٖ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ زَیْدٍ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالنَّاقُوْسِ یُعْمَلُ لِیُضْرَبَ بِہٖ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلٰوۃِ طَافَ بِیْ وَاَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ یَحْمِلُ نَاقُوْسًا فِیْ یَدِہٖ فَقُلْتُ یَا عَبْدَ اللّٰہِ اَتَبِیْعُ النَّاقُوْسَ قَالَ وَمَا تَصْنَعُ؟ فَقُلْتُ نَدْعُوْبِہٖ اِلَی الصَّلٰوۃِ قَالَ اَفَلَا اَدُلُّکَ عَلٰی مَا ھُوَ خَیْرٌ مِنْ ذَالِکَ فَقُلْتُ لَہٗ بَلٰی فَقَالَ تَقُوْلُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ قَالَ ثُمَّ اسْتَاْخَرَ عَنِّیْ غَیْرَ بَعِیْدٍ ثُمَّ قَالَ تَقُوْلُ اِذَا اَقَمْتَ الصَّلٰوۃَ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ

قَدْ قَامَتِ الصَّلوٰةُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ، فَلَمَّا اَصْبَحْتُ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُہٗ بِمَا رَاَیْتُ فَقَالَ اِنَّہَا لَرُؤْیَا حَقٌّ اِنْشَاءَ اللّٰہُ فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَاَلْقِ عَلَیْہِ مَا رَاَیْتَ فَلْیُؤَذِّنْ بِہٖ فَاِنَّہٗ اَنْدٰی صَوْتًا مِنْکَ فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ اُلْقِیْہِ عَلَیْہِ وَیُؤَذِّنُ بِہٖ قَالَ فَسَمِعَ ذَالِکَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَھُوَ فِیْ بَیْتِہٖ فَخَرَجَ یَجُرُّ رِدَاءَہٗ وَیَقُوْلُ وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَقَدْ رَاَیْتُ مِثْلَ مَا اُرِیَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۔

—— رواہ ابوداؤد والدارمی

(ترجمہ) عبداللہ بن زید بن عبدربہ کے صاحبزادے محمد بیان کرتے ہیں کہ میرے والد ماجد عبداللہ بن زید نے مجھ سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس کے لئے فرمایا کہ وہ بنوایا جائے تاکہ اُسکے ذریعہ نماز با جماعت کا اعلان لوگوں کے لئے کیا جائے تو خواب میں میرے سامنے ایک شخص آیا جو اپنے ہاتھ میں ناقوس لئے ہوئے تھا، میں نے اُس سے کہا اے اللہ کے بندے! یہ ناقوس تم بیچتے ہو؟ اُس نے کہا تم اس کا کیا کروگے، میں نے کہا ہم اُسکے ذریعہ اعلان کرکے لوگوں کو نماز کے لئے بلایا کریں گے۔ اُس نے کہا کیا میں تم کو ایک ایسی چیز نہ بتادوں جو اس کام کے لئے اس سے بہت بہتر ہے میں نے کہا ہاں ضرور بتائیے، اُس نے کہا کہو اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشہدان لاالٰہ الا اللہ اشہدان لاالٰہ الا اللہ اشہدان محمداً رسول اللہ اشہدان محمداً رسول اللہ حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الفلاح حیّ علی الفلاح اللہ اکبر اللہ اکبر لاالٰہ الاّ اللہ ——

عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ یہ پوری اذان بتا کے وہ شخص مجھ سے تھوڑی دور پیچھے ہٹ گیا اور تھوڑے توقف کے بعد اُس نے کہا، پھر جب نماز قائم کرو تو اقامت اس طرح کہو۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اشہد ان محمداً رسول اللہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح قد قامت الصلوٰۃ قد قامت الصلوٰۃ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ ———

(عبداللہ بن زید فرماتے ہیں) کہ جیسے ہی صبح ہوئی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا وہ آپ کو بتایا آپ نے فرمایا یہ رؤیا حق ہے انشاء اللہ (اور آپ نے مجھے حکم دیا کہ) تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو کر اُن کلمات کی تلقین کرو جو خواب میں تم نے دیکھے ہیں اور وہ پکار کے اُن کلمات کے ذریعہ اذان کہیں کیونکہ اُن کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے، تو میں بلال کے ساتھ کھڑا ہوا، میں اُسکی تلقین کرتا تھا اور وہ اذان دیتے تھے ——— عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اسکو اپنے گھر میں سنا تو وہ جلدی میں اپنی چادر کھینچتے ہوئے نکلے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر رہے تھے قسم اس پاک ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے ویسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا عبداللہ بن زید نے دیکھا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فللّٰہ الحمد

——— (سنن ابی داؤد و مسند دارمی)

(تشریح) اس حدیث سے متعلق دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے ——— ایک یہ کہ اس میں عبداللہ بن زید کا بیان یہ نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اعلان کے واسطے ناقوس بنوانے کے لئے فرمایا تھا، اور حضرت انس کے صاحبزادے ابو عمیر کی جو روایت اوپر نقل کی گئی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے جب ناقوس کی تجویز پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا کہ وہ نصاریٰ کی چیز ہے، اس

عاجز کے نزدیک اس اختلاف روایت کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ نماز کے اعلان کے لئے جو چند تجویزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی گئی تھیں، ان میں سے جھنڈے والی اور آگ روشن کرنے والی اور یہودیوں کے نرسنگھے والی تجویزوں کے متعلق تو آپ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرما کر واضح طور پر ان کو نامنظور کر دیا تھا اور اسی لئے ان میں سے ہر تجویز کے بعد کوئی دوسری تجویز پیش کی گئی لیکن ناقوس والی آخری تجویز کے بارہ میں آپ نے صرف یہ فرمایا کہ "هو من امر النصاري" (وہ نصاریٰ کی چیز ہے) اور کوئی اور ایسا لفظ نہیں فرمایا جس سے واضح طور پر اسکی نامنظوری سمجھی جاتی اور ممکن ہے کہ آپ کے اُس وقت کے لب ولہجہ سے بھی بعض صحابہ کرام نے یہ سمجھا ہو کہ دوسری تجاویز کے مقابلہ میں آپ کے نزدیک اس تجویز کو کچھ ترجیح ہے اور اسی بنا پر اُنھوں نے یہ خیال کر لیا ہو کہ اس وقت حضور نے بادل ناخواستہ اس تجویز کو قبول فرما لیا ہے اور جب تک کہ کوئی اور بہتر تجویز سامنے نہ آئے فی الحال ناقوس والی تجویز ہی پر عمل ہوگا (اور غالباً اسی لئے اسکے بعد کسی کی طرف سے کوئی اور تجویز نہیں پیش کی گئی) بہرحال اس عاجز کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید نے غالباً اسی صورت کو "أَمَرَ بِالنَّاقُوسِ" سے تعبیر فرما دیا ہے۔ کبھی کبھی کسی چیز کی اجازت اور اختیار دینے کو بھی اَمر سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، قرآن وحدیث میں اسکی نظیریں بکثرت موجود ہیں۔ — واللہ تعالیٰ اعلم

دوسری وضاحت طلب بات اس حدیث میں یہ ہے کہ اذان میں جو کلمات دو دو دفعہ کہے گئے تھے اقامت میں ان کو صرف ایک ایک دفعہ کہا گیا ہے۔ آگے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی جو روایت آرہی ہے، اس سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ اقامت میں ان کلمات کے ایک ہی ایک دفعہ کہنے کا حکم تھا، لیکن بعض دوسری حدیثوں میں (جن میں سے بعض آگے درج بھی کی جارہی ہیں اور ان کی بھی صحت مسلم ہے) اذان کی طرح اقامت میں بھی ان کلمات کا دو دو دفعہ کہنا وارد ہوا ہے، بعض ائمہ نے اپنے اصول اور اپنے معلومات کی بنا پر ایک ایک دفعہ والی روایات کو ترجیح دی ہے اور بعض نے دوسری

قسم کی روایات کو، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اقامت کی یہ دونوں صورتیں ثابت ہیں اور اختلاف صرف ترجیح اور افضلیت میں کیا جا سکتا ہے۔

(۲۳) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا كَثُرَ النَّاسُ ذَكَرُوْا اَنْ يُّعْلِمُوْا وَقْتَ الصَّلٰوةِ بِشَيْءٍ يَعْرِفُوْنَهُ فَذَكَرُوْا اَنْ يُّوْرُوْا نَارًا اَوْ يَضْرِبُوْا نَاقُوْسًا فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَّشْفَعَ الْاَذَانَ وَيُوْتِرَ الْاِقَامَةَ۔

رواه البخاری ومسلم واللفظ لہ

(ترجمہ) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ (نماز کے لئے مسجد میں آنے والے) آدمیوں کی تعداد جب بڑھ گئی تو انھوں نے آپس میں اس مسئلہ پر گفتگو کی کہ کسی ایسی چیز کے ذریعہ نماز کے وقت کا اعلان کیا کریں جس کو لوگ پہچان لیا کریں (تاکہ جلدی بر وقت جمع ہو جایا کریں) اس سلسلہ میں یہ بھی ذکر آیا کہ آگ روشن کی جایا کرے یا ناقوس بجایا جائے پھر (آخر کار اس معاملہ کا اختتام اس پر ہوا کہ) بلال کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان میں (کلمات اذان کو) دو دو دفعہ کہا کریں اور اقامت میں ایک ایک دفعہ۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں واقعہ کو بہت ہی اختصار سے بیان کیا گیا ہے، یہاں تک کہ عبداللہ بن زید کے خواب وغیرہ کا ذکر بھی نہیں کیا گیا ہے، واقعات کے بیان کرنے والے ایسا اختصار کر دینے میں اس وقت کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے جب وہ اندازہ کرتے ہیں کہ ہمارا مخاطب واقعہ کی تفصیل سے واقف ہے یا کسی اور وجہ سے وہ پوری تفصیل کا ذکر کرنا اس وقت غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں بھی کلمات اقامت ایک ہی ایک دفعہ کہنے کا حکم مذکور ہے، جو حضرات اقامت میں بھی اذان کی طرح ہر کلمہ دو دو دفعہ کہنے کے حق میں ہیں وہ مذکورہ بالا ان دونوں حدیثوں کے بارہ میں کہتے ہیں کہ یہ اس ابتدائی دور سے متعلق ہیں جب اذان کی شروعات

ہوئی تھی اسکے بعد سے عرصہ تک یہی طرز عمل رہا، لیکن سات آٹھ سال کے بعد غزوۂ حنین سے واپسی پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان و اقامت کی تلقین فرمائی ہے تو اس میں آپ نے اقامت میں بھی ہر کلمہ دو دو دفعہ کہنے کی تلقین کی ہے جیسا کہ آگے آنے والی حدیث سے معلوم ہوگا۔ اس لئے بعد کا حکم ہونے کی وجہ سے اسی کو ترجیح ہے۔

اس عاجز کے نزدیک اس مسئلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فیصلہ "حرف آخر" ہے کہ اذان و اقامت کے کلمات کے بارہ میں یہ اختلاف قرآن مجید کی مختلف قرأتوں کا سا اختلاف ہے اور ہر وہ طریقہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے صحیح اور کافی ہے۔[۱]

---

[۱] وعندی انہا کاحرف القرآن کلہا شاف کاف ۱۲ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۹۱ ج ۱

وراثتِ ابراہیمیؑ

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

[یہ تقریر مولانا نے اپنے سفرِ برما کے دوران اہلِ رنگون کے ایک عظیم مجمع میں فرمائی تھی جو قریب قریب لفظ بلفظ قلمبند کی گئی۔ اسکے لئے ہم مولانا محمد ابراہیم صاحب نظامی ایڈیٹر روزنامہ دورِ جدید رنگون کے ممنون ہیں ———————]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ مسنونہ!

وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔

دوستو! عزیزو اور بزرگو! ہمارے اور آپکے اوپر سب سے زیادہ، اور سب سے بڑا اللہ تبارک و تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہم کو وجود عطا فرمایا۔ اس دنیا میں بھیجا، اور زندگی عطا فرمائی۔ دینی اور دنیاوی جتنی بھی نعمتیں، جتنی ترقیاں، جتنے کمالات، جتنی لذتیں اور عزتیں ہیں، سب کا سرچشمہ اور سب کا اصل سبب یہ زندگی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اور آپ کو عطا کی ہے۔ نہ ہم زندگی کا خلعت پہن کر اس عالم میں آتے اور نہ ایمان کی دولت سے، جان کی دولت سے، علم کی دولت سے، اور ان تمام دولتوں سے آشنا اور لطف اندوز ہوتے، جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس دنیا میں عطا فرمائیں اور ہمارے لئے مقدر کی ہیں۔

یہ زندگی! ہماری یہ زندگی ہی ساری ترقیوں، سارے کمالات اور سارے احساسات کی جڑ ہے اور ان کا حقیقی سبب ہے۔ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کا فیصلہ ہمارے متعلق اس دنیا میں آنے کا ہوتا ہی نہیں، تو پھر یہ ساری ترقیاں اور یہ سارے کمالات

جو انسان کے لئے ممکن ہیں، اور اگر وہ خوش نصیب ہے تو ان کمالات کو حاصل بھی کرتا ہے یہ سب اس کو کچھ نہ ملتا۔ انبیاء علیہم السلام کی نبوت، اولیاء کرام کی ولایت، اہل علم کا علم، اور ان کے علمی کمالات، اہل معرفت کی معرفت، اور ان کے عارفانہ مقامات، سب کے سب اس نعمت کا نتیجہ ہیں۔ بڑی مبارک گھڑی تھی میرے دوستو! جب اللہ تبارک تعالیٰ کی رحمت اور ارادہ الٰہی نے ہمارے اور آپ کے لئے اس دنیا میں آنے کا فیصلہ فرمایا۔

زندگی کی نعمت کا شکریہ

بس یہ فیصلہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہمارے اوپر گھنگھور گھٹا کی طرح، اور ایک موسلا دھار بارش کی طرح برسیں، اللہ کی اس نعمت و رحمت کی بارش کے قطروں کا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ کیا کوئی بارش کے قطروں کا شمار کر سکتا ہے؟ آپ کا یہ ملک ایک بارشی ملک ہے، یہاں بڑی موسلا دھار بارش ہوتی ہے۔ کسی ایک گھنٹہ کی بارش کے قطروں اور بوندوں کو کوئی گن سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو ہم پر بارش کی طرح برسیں اس بارش کے قطروں کو کون گن سکتا ہے۔ اگر انسان ایک قطرہ کا شکر ادا کرنا چاہے، اور اسکے شکریہ کا حق ادا کرنا چاہے تو ہرگز نہیں کر سکتا۔

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوهَا

اگر کبھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شمار کرنے کا تم بیڑا اٹھاؤ تو تم ان نعمتوں کا شمار نہیں کر سکتے۔

زندگی کی اس نعمت کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اللہ کو پہچانیں، جو سب سے بڑی دولت ہے۔ اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اللہ کا نام لے سکیں جو سب سے بڑی عزت ہے۔ اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اللہ کی محبت کو دل میں بسائیں جو سب سے بڑی لذت ہے، اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اللہ کے حقوق کو جانیں، اس کے احسانات کو پہچانیں۔ جو سب سے بڑی معرفت ہے، اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اللہ کی اس لطیف ہوا میں سانس لیں اور یہ جان ڈالنے والا، یہ زندگی بخشنے والا پانی پئیں، اور اللہ کی

قدرت کی نشانیوں کو دیکھیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ، کہ اسی زندگی نے ہم کو اس قابل بنایا کہ ہم اسکی نہ فنا ہونے والی نعمتوں کو حاصل کرنے کا حوصلہ پیدا کریں اور اس غیر فانی زندگی کی (جس کا اسکی نعمتوں کے صحیح استعمال سے، صحیح معرفت سے، استحقاق پیدا ہوتا ہے) تمنا کریں اور اس زندگی کے لئے کوشش کریں۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ۝

(جس نے زندگی اور موت کو بنایا تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں کون سب سے اچھا عمل کرنے والا ہے۔)

زندگی کی بدولت

دنیا میں آنے کے بعد جس کو جو کچھ ملا وہ اسی زندگی کی بدولت ملا۔ اگر ہم اس دنیا میں نہ آتے، اگر فیصلہ خداوندی یہ ہوتا کہ ہم اس دنیا میں نہ آئیں۔ کروڑوں روحیں ہیں جو اس دنیا میں نہیں آئیں۔ بے چین ہیں اس دنیا میں آنے کے لئے، لیکن فیصلہ خداوندی نہیں ہے ان کے لئے کہ اس دنیا میں آئیں۔ وہ ان تمام کمالات سے، ان تمام ترقیات سے، اس غیر فانی زندگی سے جنت کی نعمتوں سے، اللہ کی معرفت اور ایمان سے محروم رہیں، یہ محض اللہ کا فضل تھا۔ ہماری ذاتی لیاقت کو اس میں دخل نہیں۔ ہم نے اس کا استحقاق نہیں پیدا کیا۔ ان کروڑوں ہستیوں کے مقابلے میں جو زندگی کی اس نعمت سے محروم رہی ہیں کوئی ترجیح حاصل نہیں۔ یہ محض اللہ کا فضل ہے، کہ ہم ناچیز انسانوں کے لئے اس نے فیصلہ کیا کہ ہم دنیا میں آئیں، اور اس دنیا میں صحیح طریقہ پر، صحیح راستہ پر، محنت کر کے، اور کوشش کر کے، اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے مستحق بنیں، جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے مقدر فرمائی ہیں، اور ان انسانی کمالات کو حاصل کریں جو انسان کے لئے ممکن ہیں۔ وہ امکانات وہ کمالات، انسان کی پرواز کی وہ حدیں کہ جہاں تک کسی انسان کا ذہن بھی نہیں پہنچ سکتا۔ ان فضاؤں میں پرواز کے لئے، اور ان کمالات تک پہنچنے کے لئے، اپنی انسانیت کی، اپنے ایمان کی، اپنے معرفت کی، اپنے علم کی، اپنے تعلق باللہ کی تکمیل کرنے کے لئے، اللہ نے ہم کو اس دنیا میں بھیجا اور ہم کو توفیق دی۔

احسان کی تکمیل یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ اگر ہم ساری عمر اسی ایک احسان کو یاد کریں اور اس کا شکر ادا کرنے کی کوشش کریں تو ہم اس سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، اس سے فارغ نہیں ہو سکتے، لیکن اس احسان کا ایک تکملہ، اور اس احسان کا، یوں سمجھئے کہ ایک ضمیمہ ہے، اس احسان کی اللہ تعالیٰ نے تکمیل اس طرح فرمائی کہ ہمارے اس خاکی جسم میں جو کسی قابل نہ تھا، کثیف، بھاری، وزنی، نیچے کی طرف جانے والا، ٹوٹ پھوٹ جانے والا فساد کو قبول کرنے والا، بیماریوں کو دعوت دینے والا، بگڑ جانے کے لئے، بکھر جانے کے لئے، مٹ جانے کے لئے، خاک میں مل جانے کے لئے، ہر وقت تیار، مشتاق، اس جسم میں اللہ نے اپنی ایک امانت، ایک سرِ الٰہی اس میں ڈالا، جس کا نام روح ہے۔ یہ ہمارا جسم خاکی، یہ پنجرہ، یہ قفس بالکل بیکار تھا، مٹی سے بنا تھا۔ اسکی فطرت مٹی تھی، یہ مٹی ہی میں ملنے کے لئے ہر وقت بے تاب تھا۔ ہر چیز اپنے اصل کی طرف جاتی ہے۔ یہ نیچے کی طرف آنے والا جسم یہ خواہشات سے بھرا ہوا جسم، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی ایک امانت ودیعت فرمائی۔

روح اور روح الروح! ایک سرِ الٰہی، ایک راز اسکی قدرت کا، اسکی حکمت کا، اسکی صنعت کا ایک راز جس کو روح کہتے ہیں۔ اس انسان میں ساری استعدادیں اور ساری صلاحیتیں اس روح کی بدولت پیدا ہوئیں، یہ روح ایک سرِ الٰہی ہے۔ خدا کا ایک راز ہے، یہ خزانہ غیب کی ایک چیز ہے، اسکو اللہ تعالیٰ نے اس جسم میں ڈالا تاکہ یہ جسم ان تمام کمالات اور ترقیات کے لئے تیار ہو جائے اور ان کا اہل بنے۔ اور ان کو قبول کر سکے، جو بغیر اس روح کے اور بغیر اس سرِ الٰہی کے، بغیر اس مناسبتِ الٰہی کے، انسان کی رسائی سے باہر تھے، یہ اس احسان کی تکمیل ہے، یہ انسان کی تاریخ کا ایک دوسرا باب ہے۔

لیکن ابھی یہ احسان مکمل نہیں ہوا۔ اس کے بعد یہ احسان اس طرح مکمل فرمایا کہ اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ سے اس میں ایک دوسری جان پیدا کی، ایک جان تو ہے جس کو روح کہتے ہیں، اور جس کو ہم سب، آپ محسوس کرتے ہیں۔ اور اس کا تجربہ کرتے ہیں۔

اور ایک وہ جان ہے جس کو ایمان کہتے ہیں۔ جس طریقہ سے ہمارے اس جسم کے لئے یہ روح جسم کی جان ہے، اسی طریقہ سے اس روح کے لئے وہ ایمان جان ہے۔ اگر اس کو روح جسم کہئے تو اس کو روح الروح کہئے۔ اگر ہماری یہ روح اس قسم کی جان ہے جس سے کہ ہمارے اس جسم میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ آنکھوں میں بینائی آتی ہے، کانوں میں شنوائی آتی ہو دماغوں میں سوچنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ دل میں محبت کرنے، خوف کرنے، تعلق پیدا کرنے، درد پیدا کرنے، دردمندی، احساس اور لطافت کی اس میں صلاحیت پیدا ہوتی ہے، اسی طریقے سے اس روح میں ذکاوت، اس روح میں لطافت، اس روح میں احساس، اس روح میں پرواز، اور اس روح میں بلندی، اس روح میں حرارت اور اس روح میں صحیح معرفت پیدا ہوتی ہے اس ایمان سے۔

روح حیوانی اور روح ایمانی اللہ نے درحقیقت ہمارے جسم کے اندر دو روحیں پیدا کی ہیں۔ ایک روح حیوانی، اور ایک روح ایمانی، روح حیوانی کا مخزن تو ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا وہ خزانہ غیب، جہاں سے روح آتی ہے۔ اور روح ایمانی کا مخزن ہے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم، ہم پہلی مرتبہ تو اس روح سے زندہ ہوئے اور دوسری مرتبہ اس ایمانی روح سے زندہ ہوئے، اگر اللہ تعالیٰ ہمارے جسم میں صرف جسمانی روح ڈالتا یہ بھی اس کا بڑا فضل تھا، بڑی مہربانی تھی، دنیا میں کروروں، اربوں انسانوں میں اس نے وہ روح پیدا کی، آج وہ دنیا میں اپنی زندگی کا مظاہرہ کرتے ہیں، زندگی کا ثبوت دیتے ہیں، ہواؤں میں وہ پرواز کرتے ہیں۔ سمندروں پر دوڑے دوڑے پھرتے ہیں، اپنی طاقت کا، اپنی حرکت کا، اپنی زندگی کا، اپنی ذہانت کا انھوں نے دنیا میں ثبوت دیدیا، اور جگہ جگہ انھوں نے اپنی زندگی کا نقش قائم کر دیا۔

زندہ مگر مردہ! یہ بھی اس کا بڑا فضل تھا، لیکن اللہ کا یہ احسان تکمیل کے اس درجہ کو نہ پہنچتا۔ اگر وہ اپنے فضل سے ہمارے اندر وہ روح ایمانی نہ ڈالتا۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے، بھلا وہ جو مردہ تھا، باوجود روح کے مردہ تھا ایسا بھی ہوتا ہے۔ روح اندر موجود ہے۔ کھانے کے لئے زندہ، پینے کے لئے زندہ بولنے کے لئے زندہ، تماشہ دیکھنے کے لیے زندہ، اپنی قوت کا ثبوت دینے کے لئے زندہ، ظلم کرنے کے لئے زندہ، اپنی نفس کے خواہشوں اور شہوتوں کو پورا کرنے کے لئے زندہ، دوسروں کو مغلوب کرنے کے لئے زندہ، مظلوم پر ظلم کرنے کے لئے زندہ، بیکسوں پر ظلم وستم کرنے کے زندہ، دوسرے انسانوں کو پامال کرنے اور روندنے کے لئے زندہ، ملکوں کو تاراج کرنے کے لئے زندہ، ہزاروں گھروں کے چراغ گل کرنے کے لئے زندہ، ہزاروں قوموں کو ان کے چولھے پرسے اتارنے کے لئے زندہ، لاکھوں انسانوں کا پیٹ پھاڑنے اور کاٹنے کے لئے زندہ، تمام دنیا کو آگ سے اور خون سے بھر دینے کے لئے زندہ، مگر خدا کی معرفت کے لئے مردہ، خدا کے علم صحیح کے لئے مردہ، عدل وانصاف کے لئے مردہ، اپنے انسانیت کو پہچاننے کے لئے مردہ، اپنی زندگی کے مقصد کو جاننے کے لئے مردہ، اللہ کے سامنے ایک مرتبہ سر جھکانے کے لئے مردہ اور بیکار، اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے لئے مردہ، اللہ کے سامنے دو حرف اپنی التجا کے، مناجات کے، بھیک اور سوال کے کہنے کے لئے مردہ۔

حقیقت میں زندہ! تو ایک زندگی کی قسم یہ بھی ہے، محدود زندگی، فانی زندگی، دیکھنے بھر کی زندگی، کہ آدمی اپنے ہاتھ پاؤں کے اعتبار سے زندہ اور ایسا زندہ کہ لاکھوں انسانوں کو اس کی زندگی کے لئے قربان ہو جانا پڑتا ہے، اسکی زندگی کے بھینٹ چڑھ جانا پڑتا ہے، اس کی زندگی کی قیمت ادا کرنے کے لئے قوموں اور ملکوں کو تیار رہنا پڑتا ہے۔ ایسی زندگی کہ اس پر اللہ کی لاکھوں کروروں لعنتیں فرشتوں کی لعنتیں ارواح مقدسہ کی لعنتیں اس کے لئے انسان زندہ ہے، ایک غریب اور یتیم کے منھ پر طمانچہ مارنے کے لئے زندہ، اور ایک بیوہ کے سر کا آنچل چھیننے کے لئے، اور اس کو بے ستر کرنے کے لئے زندہ، ایک آدمی جس کے پاس ایک دانہ ہے، ایک لقمہ ہے،

اس کا وہ لقمہ بھی چھین لینے کے لئے زندہ، لیکن عدل و انصاف کے لئے اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے، اسکی حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ اسکے اعضا جواب دے جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اومن کان میتاً فاحیینٰہ، بھلا وہ جو اگرچہ زندہ تھا پھر بھی مردہ تھا، دیکھنے میں زندہ تھا لیکن حقیقت میں مردہ تھا، اومن کان میتاً ہمارے لئے وہ مردہ تھا، اپنی روح کے لئے مردہ تھا، اپنے انجام کے لئے وہ مردہ تھا، یوں پیٹ بھر کر جانوروں کی طرح کھانے کے لئے وہ زندہ تھا، اور اپنی شہوت رانی اور اپنی نفس پرستی کے لئے وہ زندہ تھا، فاحیینٰہ ہم نے اس کو زندہ کر دیا، ہم نے اسکی زندگی مکمل کر دی ہم نے اسکی حقیقی معنوں میں زندہ کر دیا۔ اب وہ زندہ کہلانے کا مستحق ہے۔

زندگی کے بعد روشنی!

اور اتنا ہی نہیں، بلکہ وجعلنا لہٗ نوراً یمشی بہٖ فی الناس ہم نے اُس کو وہ روشنی عطا کی، جس کے سہارے وہ لوگ کے درمیان چلتا پھرتا ہے، جس طرح تم دیکھتے ہو کہ بازاروں میں موٹریں ٹکرا جاتی ہیں، اگر ٹریفک کنٹرول نہ کیا جائے، اگر سپاہی کھڑا نہ ہو، تو موٹر، موٹر سے ٹکرا جائے، ہوائی جہاز، ہوائی جہاز سے ٹکرا جائے، کشتی، کشتی سے ٹکرا جائے، اور ایک انسان اندھیرے میں دوسرے انسان سے ٹکرا جاتا ہے۔ اسی طریقہ سے اگر اللہ کی روشنی نہ ہو، اللہ کسی کو روشنی عطا نہ فرمائے، تو انسان انسان سے ٹکرائے، قوم، قوم سے ٹکرائے، ملک، ملک سے ٹکرائے، تمدن، تمدن سے ٹکرائے، تہذیب، تہذیب سے ٹکرائے، طاقت، طاقت سے ٹکرائے، ایک شخص کا مقصد دوسرے شخص کے مقصد سے ٹکرائے، اغراض میں تصادم ہو، مفادات میں تصادم ہو، انسانیت، انسانیت سے ٹکرائے، انسان انسان سے ٹکرائے، ایک باپ کا بیٹا، باپ کے دوسرے بیٹے سے ٹکرائے، بھائی، بھائی سے ٹکرائے، باپ بیٹے سے ٹکرائے، بیٹا، اپنے باپ سے ٹکرائے، مرد، عورت سے ٹکرائے، عورت مرد سے ٹکرائے، فرماتا ہے وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا ہم نے اسس کو روشنی بھی عطا کی، انسانوں کے جنگل میں چلنے کے لئے ان راستوں میں ان تنگ و تاریک گلیوں میں سے گزرنے کے لئے اس کو چراغ بھی چاہئیے۔ اس کو مشعل بھی چاہیے۔

زندگی بھی عطا کی اور روشنی بھی بخشی، وجعلنا له نوراً ہم نے اس کو ایسی روشنی دی، جس کے سہارے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے، ٹکراتا نہیں ہے بھلے مانسوں کی طرح۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا۔

اللہ کے وہ بھلے انسان، وہ معقول انسان جو زمین پر شریفوں کے چال چلتے ہیں۔ بھلے مانسوں اور انسانوں کی طرح چلتے ہیں، یمشون علی الارض ھونا دبے پاؤں چلتے ہیں کہ چیونٹی بھی ان کے پاؤں کے نیچے نہ آنے پائے، کوئی کمزور ہستی ان کے پاؤں سے روندی نہ جائے، کسی پر ظلم نہ ہونے پائے، ان کی زندگی کی حرکت کسی کی زندگی کا خاتمہ نہ کرے، واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما اور جب جاہل ان سے منھ لگتے ہیں تو کہتے ہیں بھائی صاحب اسلامت، معاف کرو، ہمارے پاس اتنا وقت نہیں تم سے لڑنے کا، تم سے بحث کرنے کا۔

انسان کی پستی دوستو! ہم انسان، اللہ کی دی ہوئی اس روشنی اور عقل کے باوجود صحیح راستہ نہیں پاسکتے، ہم اپنے جیسے انسانوں کے سامنے بلکہ اپنے سے بھی پست تر اور ذلیل تر مخلوقات کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ انسان کی تاریخ، انسان کی لغزشوں کی نہیں، بلکہ انسان کی حماقتوں اور انسانیت کی رسوائیوں کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ اگر آپ مذاہب کی تاریخ دیکھیں گے، تو معلوم ہوگا کہ انسان نے ایسی ایسی ذلیل ہستیوں کے سامنے سر جھکا رکھا تھا کہ جن کو بعض اوقات وہ خود وجود میں لاتا تھا۔

اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بھلا تم اسکی پرستش کرتے ہو جن کو تم اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو، اس سے بڑھ کر انسان کی حماقت کیا ہو سکتی ہے کہ انسان اپنے ہاتھ سے ایک چیز بناتا ہے اور پھر اسکے سامنے سر جھکاتا ہے، پھر اسکو اپنا خالق و مالک مان لیتا ہے۔ پہلے بھی اور آج بھی دنیا میں ہر جگہ اسکی مثالیں ہیں کہ انسان نے جس کو، اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ایمان نہیں عطا فرمایا، یا اس نے انبیاء علیہم السلام کے اس

تحفہ کی قدر نہیں کی، اپنے جیسے انسانوں کے سامنے سر جھکایا۔ انسان نے آگ کے سامنے سر جھکایا۔ انسان نے پانی کے سامنے سر جھکایا، انسان نے درختوں کے سامنے سر جھکایا۔ اپنے ہاتھوں کے لگائے ہوئے درخت کے سامنے سر جھکایا، سینکڑوں، ہزاروں برس تک ایران کی سرزمین میں، جس کی شاعری کی ساری دنیا میں دھوم تھی، جس کی ذہانت کا تمام دنیا میں سکہ بیٹھا ہوا تھا، جس نے نوشیرواں کو پیدا کیا۔ جس نے بڑے بڑے شاعروں کو پیدا کیا۔ اس سرزمین میں آگ کی پرستش ہوتی تھی، اور کسی ذہین انسان کے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آگ کی پرستش نہیں ہونی چاہیئے۔ آگ کے پیدا کرنے والے کی پرستش ہونی چاہیئے لیکن انسان جو اپنی تلوار کی دھاک تمام دنیا پر بٹھاتا تھا۔ جس نے ہزاروں آدمیوں کے چراغ گل کر دیئے تھے۔ اور ہزاروں زندگی کے اس نے دیئے بجھا دیئے تھے، وہ ایک حقیر دیئے کے سامنے، ایک حقیر چراغ کے سامنے ہاتھ باندھ کے کھڑا ہوتا تھا۔ اور سر جھکا کر زمین پر گر جاتا تھا۔ یہ ہے انسان کی ذہانت اور یہ ہے انسان کی سمجھ۔

مخلوق پرستی! اگر آپ انسان کی ذہانت اور سمجھ کو کہتے ہیں تو انسان کی ذہانت اور سمجھ کے یہ یہ نمونے ہم کو تاریخ کے اندر ملتے ہیں، دریا پوجے گئے، پہاڑ پوجے گئے، آگ پوجی گئی، پانی پوجا گیا، درختوں کی پرستش ہوئی، جانوروں کی پرستش ہوئی، وہ انسان جس نے دریاؤں کو مسخر کیا، جس نے پہاڑوں کو سرنگوں کیا، جس نے دریاؤں کے دھارے بدلے، جس نے پہاڑوں کو کاٹ کر کے نہریں نکالیں، جس نے ویرانوں کو آبادیوں میں تبدیل کیا، وہ انسان جس کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۔

توحید اور معرفت الٰہی دوستو! ہم اور آپ خدا کے فضل و کرم سے مسلمان ہیں۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن ہمارے ہاتھ نہ آتا تو خدا جانے ہم کس دین و ملت میں ہوتے، خدا جانے آج ہم کہاں اپنا سر جھکا رہے ہوتے، ہم سے بڑھ کر ہزار درجہ بڑھ کر کتنے بڑے بڑے عقل مند ہیں۔ کتنے بڑے

بڑے فلسفی دنیا میں گذرے، اور آج بھی دنیا کے اندر موجود ہیں۔ جو حقیر حقیر چ
سامنے سر جھکاتے ہیں اور انکی پرستش اور عبادت کی دعوت دیتے ہیں! ورکبھی ان کی سمجھ میں
کہ یہ چیزیں عبادت کے لائق نہیں ہیں۔ عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے
اوپر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو صحیح معرفت اور توحید کی
عطا فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وسلم کے ذریعے۔

والدین سے بڑھ کر! ہمارے والدین کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے جو ہمارے اس
میں آنے کا ذریعہ بنے، ہمارے ظاہری وجود کا ذریعہ ہمارے
ہیں۔ ہم ان کے لئے جتنی بھی دعا کریں کم ہے، بیشک ان کا ہمارے اوپر بہت
ہم یہ حق کبھی نہیں ادا کرسکتے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا یہ احسان
اوپر والدین کے احسان سے اور ان سب لوگوں کے احسان سے جنھوں نے ہمیں
پلایا۔ ہمارے اس وجود کی پرورش کی اور ہمارے اس جسم کو پالا۔ ان سب سے ہزار
ہے۔ ہمارے والدین نے ہم کو اس دنیا میں پہنچا کر سمجھا کہ انکا کام ختم ہوگیا ہے۔ بیشک ان کا کام ختم
یعنی یہ کہ اللہ نے جس کام کے لئے مامور فرمایا تھا اور اللہ کو ان سے جو خدمت لینی
خدمت ان سے لے لی گئی۔ وہ ہمارے اس دنیا میں آنے کا ذریعہ تھے وہ ذریعہ بن
خبر نہیں کہ انھوں نے ہم کو جہنم کے لئے وجود دیا یا جنت کے لئے وجود دیا۔ ہوسکتا
ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہوتے، لیکن ایمان کی دولت ہم کو نہ ملتی۔ معاذ اللہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ہمارے اس وجود کو ٹھکانے لگایا او
جنت کا مستحق بنا دیا، اگر وہ نہ ہوتے تو ہمارا یہ وجود ہمارے لئے مصیبت ہو
اور ہمارے والدین کا ذریعہ ہمارے لئے ایک لعنت ہوتا۔ والدین کے تذ
بیشک یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں، ہم ان کو کوئی الزام دیں، لیکن آپ
اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو ماں باپ کا ہم کو وجود میں لانا،
کا ہمارے دنیا میں آنے کا ذریعہ بننا، ہمارے حق میں مفید تھا یا مضر تھا؟ آپ
کے ذریعہ سے ہم کو ایمان نہ ملتا تو کیا ہم اپنے باپ کا یہ احسان مانتے کہ وہ

ہکو لے آئے۔

رسول اللہ کے بغیر

جو لکڑی جلنے کے لئے پیدا ہوئی وہ درخت سے نہ کٹتی تو اچھا تھا، وہ درخت ہی پر رہتی تو اچھا تھا۔ جو پھل جانوروں کے منہ کے اندر آتا تھا اور پاؤں کے نیچے جس کو مسلا جاتا تھا وہ درخت سے نہ ٹوٹتا تو اچھا تھا، ہم اگر اس دنیا میں نہ آتے، خدانخواستہ ہزار بار خدانخواستہ اگر ایمان کی دولت سے ہم کو محروم ہی رہنا تھا تو ہم اس دنیا میں نہ آتے تو اچھا تھا، ہمارے ماں باپ نے ضرور ہم پر احسان کیا، مگر بہت محدود احسان، مشروط احسان، مخصوص احسان، اس احسان میں جان پیدا ہوتی ہے رسول اللہ کے احسان سے وہ احسان جب احسان ہے، جب رسول اللہ کے ذریعہ سے ایمان کی دولت مل گئی، جب تو بیشک ان کا بہت بڑا احسان ہے کہ وہ ہمارے اس دنیا میں آنے کا ذریعہ بنے، لیکن اگر خدانخواستہ، معاذ اللہ ہم کو ایمان کی دولت نہ ملتی، تو اس دنیا میں آکر ہمارا انجام کیا ہوتا۔ ہمارا انجام یہ ہوتا، وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا
وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔

ناقص ہے ہر احسان، مشروط ہے ہر احسان، رسول اللہ ہی کا احسان ہر نعمت کو نعمت بناتا ہے۔ ابھی ہم کیا کہہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم کو ہمارا انجام نہ معلوم ہو جائے، اگر ہم کو ایمان کی دولت ملی، اگر ہم اس دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہوئے، اگر ہم جنت کے مستحق بنے، تو ہم بڑے خوش قسمت ہیں اور سب ہمارے محسن ہیں، یہاں بھی ہم ان کا احسان مانیں گے اور آخرت میں بھی ان کا احسان مانیں گے۔

ایمان کی دولت پر کامیابی اور شرافت کا انحصار

ایک واقعہ آپ کو سناتا ہوں۔ تاریخ کا بڑا اہم سوال ہے، کہ تاتاری اتنی بڑی تعداد میں کیسے مسلمان ہوئے، تاتاری ایک بڑی جنگجو قوم گزری ہے، جس نے کہ ساری دنیا کو ایک مرتبہ زیر و زبر کر کے رکھ دیا، وہ خدا کی ایک تلوار تھے، جو چلے مشرق سے لے کر مغرب تک، آندھی پانی کی طرح دنیا میں

پھیل گئے۔ ان تاتاریوں کو کس نے مسلمان کیا؟ بھلا ان تاتاریوں کو جھکانے والی کون سی طاقت ہو سکتی تھی، جس کی تلوار کے سامنے تمام تلواریں کند ہو گئیں، جس کی تلوار کے سامنے بادشاہوں کے تاج قدموں پر گر گئے، اس تلوار کو نیام میں لانے والی طاقت، اس تلوار کو اسلام کے کام میں لانے والی طاقت کون ہو سکتی ہے، سب سے بڑی طاقت تو دنیا کی وہ تھی، اس سے بڑی طاقت کون سی؟ مورخوں کے سامنے یہ ایک سوال ہے، تاریخ نے اس سوال کا جواب دیا ہے۔ میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں، جس سے آپ یہ سمجھیں گے کہ ایمان کی دولت کیسی دولت ہے، ایک تاتاری شہزادہ، ولی عہد سلطنت جو ایک بہت بڑی تاتاری مملکت کا حکمراں اور بادشاہ بننے والا تھا، شکار کو جا رہا تھا۔ اس نے انتظام کیا تھا کہ کوئی مسلمان (اس لئے کہ اس کی پوری قوم مسلمانوں کو اور خاص طور پر ایرانیوں ذلیل سمجھتی تھی) بادشاہ کی سواری، جس جس راستے سے گزرے وہاں نہ آنے پائے، لیکن خدا کو کچھ اور منظور تھا، ایک درویش جن کا نام شیخ جمال الدین تھا، کہیں جاتے جاتے اس راستے پر ان کے قدم پڑ گئے، اور نادانستہ، بے جانے وہ شہزادے کی شکارگاہ کے اندر آ گئے، غلاموں نے ان کی مشکیں باندھیں اور ان کو حاضر کیا، شہزادے نے دیکھا، شہزادے کی پیشانی پر بیسیوں بل پڑ گئے، اس لئے کہ مشرک قومیں، بڑی شگون پرست ہوتی ہیں، اور کہا کہ یہ فقیر! یہ پھٹے حال مسافر، جس کے کپڑے میں پچاس پیوند ہیں، یہ شامت کا مارا، کہاں سے آ گیا، میری منزل کھوٹی ہوئی، میرا شکار خراب ہوا، شکاریوں کی بہت سی اصطلاحیں ہوتی ہیں، اور ان کا عرف ہوتا ہے کہ اگر یہ چیز سامنے آ جائے تو ان کا شکار نہیں ہوتا۔ وہ چیز سامنے آ جائے تو شکار نہیں ہوتا، بلایا، حکم دیا، لاؤ میرے سامنے، جب وہ آئے تو کہا کہ کیا تم کو خبر نہیں تھی کہ یہ میری شکارگاہ ہے، کیا تم کو خبر نہیں تھی کہ آج میں شکار کے لئے نکلا ہوں، انھوں نے کہا کہ مجھے کوئی خبر نہیں تھی، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ بادشاہ کی شکارگاہ ہے تو میں یہاں نہ آتا، شہزادہ نے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو، کون ہو؟ کہا کہ میں مسلمان ہوں، ایران کا رہنے والا ہوں۔ اب دونوں قسم کی "ذلتیں" ان کے اندر جمع ہو گئیں جو اسکی نظر میں ذلیل بنانے والی، ایک تو مسلمان

اور پھر اسکے بعد ایران کا، کر لیا پھر نیم چڑھا جسے کہتے ہیں، اس نے کہا، اچھا بتاؤ کہ میرا یہ کتا بہتر ہے کہ تم بہتر ہو، بتائیے کیا جواب ہے، ؟ ایک عارف کا جواب کیا ہے ؟ وہ کہہ سکتے تھے کہ انسان اور کتے کا کیا مقابلہ ؟ میں اشرف المخلوقات ہوں، میں انسان ہو، اللہ نے مجھے اس دنیا میں باعزت بنایا ہے بہت سے جوابات ہو سکتے تھے، لیکن اللہ نے ان کے دل میں ایک جواب ڈالا، بس یہی تاتاری قوم کے مسلمان ہونے کا ذریعہ بنا شہزادے نے تیوری چڑھا کرکے، آنکھوں سے انگارے برس رہے تھے اور بس جلاد کو حکم ہی ہونے والا تھا کہ گردن اُڑا دی جائے، اس نے کہا کہ بتاؤ تم بہتر ہو کہ یہ کتا بہتر ہے، نہ غصہ آیا، نہ جھنجھلاہٹ ہوئی، نہ دماغی توازن کھویا انھوں نے، نہایت اطمینان کے ساتھ کہا اگر ایمان پر خاتمہ ہوا تو میں اچھا، ورنہ یہ کتا اچھا، پورے اطمینان کے ساتھ اس اللہ کے بندے نے یہ جواب دیا، اس نے کہا ایمان کسے کہتے ہیں ؟ ایمان وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے ایک انسان، ایک ایمانی، ایک مسلمان کتے سے بہتر ہو جاتا ہے، وہ تو سمجھتا تھا کہ مسلمان کتے سے کسی حال میں بہتر ہو ہی نہیں سکتا۔ انھوں نے ثابت کیا کہ اگر مسلمان کے اندر حقیقت اسلام پائی جاتی ہے تو پھر وہ کتا کیا معنیٰ ؟ بادشاہوں سے بھی اور ملائکہ سے بھی افضل ہے۔ انھوں نے ایمان کی تشریح کی، ایمان کے معنیٰ ہیں اپنے مالک کو پہچاننا اپنے مالک ہی سے ڈرنا، اپنے مالک ہی سے امید رکھنا، اور اپنے مالک ہی کو یاد کرنا، اور اپنے مالک ہی کی عبادت کرنا، اس کا نام ایمان ہے، شہزادہ ایک بیخودی کے عالم میں مبہوت کھڑا رہ گیا۔ اسکی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کس طرح کا افسانہ ہے، بجلی کی طرح انکا یہ جواب اسکے دماغ پر گرا، اور اسکے دماغ اور دل کو ہلا دیا، اس جواب کی اس کو امید نہ تھی، اس نے کہا اچھا اس وقت تو میں جارہا ہوں، لیکن اگر آپ کبھی یہ سنیں کہ تغلق تیمور تخت سلطنت پر بیٹھ گیا اور اس کا زمانہ شروع ہو گیا، تو میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے اپنی زیارت سے ضرور مشرف فرمائیں۔ لہجہ بدل گیا، طرز بدل گیا، اس کا سارا طنطنہ اور اس کا سارا غرور جاتا رہا، یہ ہے مرد حق، مرد درویش، مرد عارف کی آواز کا اثر، صاحب ایمان کی آواز کا اثر، اس نے کہا جب آپ کو اطلاع ملے، میری

تخت نشینی کی، تو میری آپ سے عاجزانہ درخواست ہے کہ آپ مجھے اپنی زیارت سے شرف فرمائیں، وہ انتظار میں رہے کہ کب وہ مبارک گھڑی آتی ہے کہ تغلق تیمور تخت و تاج کا وارث ہوتا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ دولت ان کے لئے نہیں بلکہ ان کے صاحبزادے کے لئے مقدر فرمائی تھی، بوڑھے آدمی تھے، ان کا وقت آگیا، اور ان کا یہ ارمان نہیں نکل سکا، انتقال کے وقت انھوں نے اپنے صاحبزادے سے وصیت کی، کہا کہ بیٹا! میرے دل میں ایک ارمان تھا، خدا کو منظور نہیں کہ میرا وہ ارمان نکلے، شاید اللہ نے تمھارے لئے یہ سعادت مقدر کی ہو، دیکھو! جس وقت یہ سنو کہ تغلق تیمور تخت سلطنت پر بیٹھ گیا، اسکے پاس جانا، اور میرا سلام پہنچانا، اور کہنا کہ آپ کو کچھ یاد ہے کہ آپنے شیخ جمال الدین سے کیا کہا تھا، آپنے شیخ جمال الدین سے وعدہ لیا تھا ملنے کا، وہ تو نہیں آسکے، ان کو خدا نے بلا لیا، لیکن ان کا بیٹا حاضر ہوا ہے، وہ وقت آگیا، تمام ملک میں یہ خبر گرم ہوئی، کہ تغلق تیمور اپنے باپ کا وارث ہوا۔ اور تخت سلطنت پر بیٹھ گیا۔ شیخ جمال الدین کے فرزند پہنچے، ملنے کی کوشش کی، لیکن وہاں کسی نے ان کو جانے نہیں دیا، بادشاہوں کے پاس، درویشوں کو، گداگروں کو کون جانے دیتا ہے، ہٹو، بچو، ہٹو بچو کے اس ریلے میں بچارے وہ وہاں نہیں پہونچ سکے، کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ بادشاہ سے کس طرح ملیں، اور کس طرح اپنے باپ کا پیغام پہنچائیں، اس اللہ کے بندے نے مصلیٰ ڈال دیا، قصر شاہی کے پاس، اور پانچوں وقت اذان دینے لگے، وہیں مصلیٰ پر بیٹھ گئے اور دعا کرتے رہے ایک دن صبح کے سناٹے میں شہزادے کے کان میں یہ آواز پڑی، اس نے کہا یہ کیسی آواز ہے؟ میں نے کبھی یہ آواز نہیں سنی، کون شخص ہے، کہاں سے آیا ہے، لوگوں نے کہا کہ ایک دیوانہ سا آدمی ہے، وہ یہ صدا لگایا کرتا ہے، معلوم نہیں کیا کیا کہتا ہے: کہا، بلاؤ۔! بلائے گئے، کہا۔ تم کیا آواز لگاتے ہو، تمھیں کیسے یہ جرأت ہوئی کہ میرے خاص محل کے نیچے تم آواز لگاؤ، اور شور کرو۔ انھوں نے کہا کہ میں شیخ جمال الدین کا بیٹا ہوں، آپ کو یاد ہوگا کہ ایک مرتبہ آپ شکار کے لئے نکلے تھے، شیخ جمال الدین راستہ

میں پڑ گئے تھے، آپ نے ان سے پوچھا تھا کہ کتا بہتر ہے کہ تم بہتر ہو، انھوں نے کہا تھا، کہ اگر ایمان پر خاتمہ ہوا تو میں بہتر ہوں اور اگر خدا نخواستہ ایمان کے بغیر میں اس دنیا سے چلا گیا تو کتا بہتر ہے، میں اس بات کی گواہی دینے آیا ہوں کہ ان کا ایمان پر خاتمہ ہوا، اور وہ اللہ کے ایک باعزت، اللہ کے ایک مقبول بندے کی حیثیت سے اس دنیا سے تشریف لے گئے، اور سلام و پیغام میرے حوالہ کر گئے کہ میں آپ کو ان کا سلام اور ان کا پیغام پہنچاؤں، اس نے کہا کہ تم ٹھہرو، میں تمھیں پھر بلاؤں گا، ان کو تو مہمان خانے میں ٹھہرایا، اور وزیر اعظم کو بلایا، اور کہا کہ بھائی! ایک بات میرے دل میں بہت دنوں سے ہے، لیکن میں وقت کے انتظار میں تھا کہ اسکے لئے کوئی مناسب وقت ملے، اب وہ وقت آگیا ہے، میں تم سے یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ میرا کچھ ارادہ اسلام لانے کا ہو رہا ہے، وزیر اعظم نے کہا، جہاں پناہ! میں تو کئی برس سے مسلمان ہوں، میں ایران جایا کرتا تھا، وہاں ایک درویش سے ملاقات ہوئی، ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے لگا میں مسلمان ہو گیا تھا، لیکن آپکے ڈر سے ظاہر نہیں کرتا تھا، آج جب آپ نے اتنی بات کہی تو مجھے اتنی ہمت ہوئی، انھوں نے کہا الحمد للہ! آؤ ہم تم کلمہ پڑھیں، اور مسلمان ہو جائیں، اور اسکے بعد ایک ایک کر کے اپنے وزیروں کو اور تمام ارکان سلطنت کو بلایا اور سب کے سب مسلمان ہوئے، اور چند دن کی مدت کے اندر اندر لاکھوں کی قوم مسلمان ہو گئی۔

آپ کہیں گے کہ شاید کسی خوش اعتقاد مصنف نے، کسی صوفی مسلمان نے یہ واقعہ لکھا ہو، میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ پروفیسر آرنلڈ نے جو علی گڈھ یونیورسٹی کے عربی کے پروفیسر تھے اور اسلام کی تبلیغ و دعوت کی تاریخ پر سب سے بڑی مفصل کتاب انھوں نے لکھی ہے، پریچنگ آف اسلام، انھوں نے اس واقعہ کو لکھا ہے۔

احسان کی تکمیل!

تو میں یہ عرض کرتا ہوں کہ بیشک اللہ کا یہ احسان بھی بہت بڑا کہ ہم کو اس نے وجود بخشا، اور ہم کو اس دنیا میں بھیجا، بیشک ہمارے والدین کا احسان بھی تسلیم، کہ وہ ہمارے اس دنیا میں آنے کا ذریعہ بنے، بیشک حکومت کا

بھی احسان، استادوں کا بھی احسان، جس جس نے ہماری مدد کی، جس جس نے ہم کو عقل سکھائی، جس جس نے ہم کو انسان بنایا، سب کا ہمارے اوپر احسان، مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ۔ جو انسانوں کا شکریہ ادا نہ کرے اللہ کا بھی اس نے شکریہ نہیں ادا کیا، ابھی مولانا نے آپکے سامنے آیت پڑھی تھی وَلَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ۔ اللہ تعالیٰ جگہ جگہ شکر کی تلقین کرتا ہے، اور اپنی صفتوں میں سے اس نے شکور بیان کیا ہے، قدر کرنے والا، اعتراف کرنے والا، تھوڑی چیز کو بہت سمجھنے والا، بہت اسکی داد دینے والا، بہت اسکی پرورش کرنے والا، بہت ماننے والا۔

ہم سب کا احسان مانتے ہیں، اور سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ لیکن ان سب احسانات کی تکمیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے احسان سے ہوتی ہے سب کے احسان میں جان پڑتی ہے۔ اللہ کے اس احسان سے جو اس نے محمد رسول اللہ کے ذریعہ ہم پر فرمایا۔

بھائیو! آج اگر رسول اللہ کا دامن ہم کو اور آپ کو نہ ملتا، آج اگر اسلام کے مبلغ اس ملک میں نہ آتے، آج اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ایمان نصیب نہ کرتا، آپ کس دین و ملت میں ہوتے؟ خدانخواستہ کہاں ہوتے؟ کس کس کے سامنے سر جھکا رہے ہوتے؟ کس کس کی خدائی کا آپ اقرار کر رہے ہوتے؟ اور کس کس چیز کو اپنا معبود اور اپنا مالک سمجھتے ہوتے؟ اور کس کس طرح سے اپنی انسانیت کی تذلیل کر رہے ہوتے، آج تمام دنیا میں یہی ہو رہا ہے۔

کہاں ہوتے؟

اللہ تعالیٰ نے آپ پر احسان فرمایا، ایسا احسان کہ آپ ساری عمر اس احسان کے شکریہ سے سبکدوش نہیں ہو سکتے، کہ اس نے آپ کو بے محنت، بے منت، بے استحقاق، بے استعداد، .... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل کیا، اور آپ کو توحید کی دولت عطا فرمائی۔ شاعر نے وجد میں آکر کہا ہو کہ

حمد بے حد مر رسول پاک را
آں کہ ایماں داد مشت خاک را

اگر اللہ نے انسان میں جان پیدا کی تو اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ انسان

کے اندر ایمان پیدا کیا۔

سیدنا ابراہیم کی شخصیت! اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرک کی نجاست سے بچایا۔ بت پرستی کی نجاست سے بچایا، اوہام پرستی کی حماقت سے بچایا۔ اپنے جیسے انسانوں کو اپنا معبود، اور اپنی قسمت کا مالک سمجھنے کی جہالت سے بچایا، آپکے دماغ کو روشن کیا، آپکے دل کو روشن کیا، آپ کی آنکھیں کھولیں، آپ کو اتنی سمجھ عطا فرمائی کہ آپ سمجھیں کہ عبادت کا مستحق کون ہے؟ بندگی کا مستحق کون ہے؟ خوف کا مستحق کون ہے؟ کس سے ڈرنا چاہیئے؟ کس سے امید رکھنی چاہیئے؟ کس سے دعا کرنی چاہیئے؟ کس سے نذر و نیاز اور منت مانگنی چاہیئے؟ کس سے اپنی مرادیں مانگنی چاہئیں؟ کون بحر و بر کا مالک ہے؟ کس کا سکہ خشکی اور تری پر رواں ہے؟ کون ہواؤں کا مالک ہے؟ کون بادلوں کا مالک ہے؟ کون روزی کا مالک ہے؟ کون قسمت کا مالک ہے؟ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھ سارے پیغمبروں پر اللہ کا درود و سلام ہو کہ انھوں نے دنیا کے سامنے خالص توحید پیش کی، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری دنیا کے بتکدے میں جب ساری دنیا میں اللہ کو چھوڑ کر سب کی پرستش ہو رہی تھی، وہ اللہ کا مستِ توحید بندہ، مستِ معرفت بندہ، مستِ یقین بندہ کھڑا ہوا، ساری دنیا سے باغی، ساری دنیا کے طلسمات سے باغی، ساری دنیا کے عقائد سے باغی، ساری دنیا کے مذاہب سے باغی، سارے خداؤں کی خدائی سے باغی، کھڑا ہو کر یہ مرد خدا اکیلا تھا۔

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَّلَمْ يَكُ
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ اجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ
وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ
ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔

ابراہیم اپنی ذات سے ایک تھے، لیکن ایک پوری نسل کے بانی، ایک پورے عہد

کے بانی، ایک پوری تاریخ کے بانی، انسانیت کے نئے دور کے بانی، تمدن کے نئے دَور کے بانی، ساری مذہبی اقوام کے مورثِ اعلیٰ اور بانی، توحید کے داعی، وہ ایک تخم تھے، تخم دیکھنے میں ایک، لیکن سارا کھیت اس تخم کا نتیجہ۔ دانہ ایک، لیکن سارا باغ اس ایک دانہ کا نتیجہ، ایک قلم دیکھنے میں ایک، گننے میں ایک، لیکن سارا درخت، اپنی پوری شاخوں پتیوں، اور پھولوں کے ساتھ اس کا شرمندہ احسان، اسی طرح ابراہیم ایک تھے، لیکن ایک پوری دنیا تھے، ابراہیم ایک تھے لیکن پوری ایک نوع تھے، پوری ایک قسم تھے، انسانوں کی ایک پوری قسم، انسانوں کا ایک پورا گروہ۔

وہ اللہ کا بندہ سب سے پہلے دنیا میں کھڑا ہوا، جس وقت ساری دنیا میں شرک کا اور بت پرستی کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا، بادشاہ پرستی کا، آتش پرستی کا، کواکب پرستی کا، انسان پرستی کا، درخت شجر و حجر پرستی کا سایہ اور اندھیرا چھایا ہوا تھا، اس وقت وہ اللہ کا بندہ اکیلا کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔

إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ ہم تم سے بری اور بیزار ہیں، اور ان سب چیزوں سے جن کی تم عبادت اور پرستش کرتے ہو وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ اور پھر اس توحید کو آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے امانت چھوڑ گئے کہ وہ اس توحید کی طرف آئیں، ساری دنیا سے اس اصل کی طرف آئیں۔ یہ مرکز ہے انسانوں کا، اس مرکز کی طرف رجوع کریں۔ یہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احسان ہے، اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت میں ان کی نداء میں، ان کی کوشش اور ان کی محنت میں ہم نے بہت بڑی برکت عطا فرمائی۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ
كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ

فرماتا ہے کہ ہم نے ابراہیم کی یادگار باقی رکھنے کا فیصلہ کیا، ہم نے کہا ابراہیم پھلیں گے، پھولیں گے، اور پھلتے پھولتے ہی چلے جائیں گے، انھوں نے جو درخت لگایا ہے یہ درخت کبھی خشک نہیں ہوگا، انھوں نے جو چشمہ جاری کیا ہے، کبھی اس کا پا

زمین میں جذب نہیں ہوگا، پھیلتا ہی چلا جائے گا، پھیلتا ہی چلا جائے گا، چنانچہ وہی چشمہ ہے جو برما تک پہنچا، ملابار، ملایا تک پہنچا، انڈونیشیا پہنچا، ہندوستان، ترکستان تک پہنچا، چین تک پہنچا، ترکستان تک پہنچا، یہ دعوت ابراہیمی ہے جو ساری دنیا میں پھیلی، پھولی اور پھل لائی۔

وطن کی محبت کے ساتھ ساتھ

ہم ہندوستان کے باشندے ہیں یا اس ملک کے باشندے ہیں، باشندہ ہونے کی حیثیت سے ہم پر اس زمین کے حقوق ہیں۔ ہم کو حق شناس ہونا چاہیئے، ہم کو اس ملک کی خاک سے محبت ہونی چاہیئے، انس ہونا چاہیئے، اس کو ترقی دینے کے لئے ہمارے اندر جذبہ ہونا چاہیئے، ہمیں وہاں کے کلچر اور وہاں کی زبان اور وہاں کی ادبیات سے تعلق اور دلچسپی ہونی چاہیئے، ہمیں سکھنا چاہیئے مگر ہمیں اپنی سب سے بڑی دولت، دولت توحید کو سمجھنا چاہیئے، ہم سب سے بڑے سرمایہ دار ہیں، ہم غریب ہیں یا فقیر ہیں، ہم ٹکڑوں کے محتاج ہیں، دانے دانے کے محتاج ہیں، ہم رکشا چلاتے ہیں، یا بوجھ اٹھاتے ہیں، ہم نان شبینہ کے محتاج ہیں، فاقہ کرتے ہیں بھوکے سو جاتے ہیں، لیکن ہم اپنے وقت کے سب سے بڑے دولتمند ہیں، اور سب سے بڑے خوش قسمت ہیں، سب سے بڑے سرمایہ دار ہیں کہ ہمارے سینوں کے اندر توحید کی امانت ہے، توحید کی دولت ہے، ہمیں سب کو دیکھنا چاہیئے، لیکن ہمیں سمجھنا چاہیئے کہ ہمارا مقام سب سے اونچا ہو ہمیں اللہ نے توحید کی وہ دولت عطا فرمائی ہے کہ ہمیں اب شرک کی پستیوں تک اترنے کی بالکل ضرورت نہیں، ہم جس وقت کسی معبد کے پاس سے گذریں تو ہمارا سر اللہ کے سامنے احسان مندی اور رسول اللہ کے سامنے اعتراف احسان میں جھک جانا چاہیئے اور سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اس پستی سے اٹھا کر سجدوں کی اس بلندی تک پہنچا۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ۔ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا۔

قوم موسیٰ کی تقلید سے بچئے! دوستو! کبھی شرک کی چیزوں کی طرف للچائی ہوئی نگاہ سے نہ دیکھنا، ایمان کے سلب ہوجانے کا اندیشہ ہے کہ اللہ نے جس کو اتنی بڑی نعمت عطا فرمائی ہو، وہ ان چیزوں کو کبھی محبت یا احترام یا لالچ کی یا قدر کی نگاہ سے دیکھے اور کہے کہ افسوس ہم کو یہ چیز نہیں ملی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ذکر کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو توحید کی دولت عطا فرمائی، لیکن وہ ناشکر، وہ ناقدر انسان تھے، انھوں نے کہا:۔

(قَالُوا) يَا مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ○ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ قَالَ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيكُمْ إِلَٰهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بنی اسرائیل کو توحید کی سمجھ عطا فرمائی اور توحید کی دولت سے نوازا، ان کے اندر ایمان پیدا کیا، وہ یہ سمجھے کہ اللہ کے سوا اس دنیا میں کوئی پرستش اور بندگی کے لائق نہیں، اور اس کے سوا اس دنیا میں کسی کی حکومت نہیں، لیکن وہ ایسے ناقدر داں تھے، ایسے جاہل تھے، کہ انھوں نے ایک مرتبہ ایک میلہ دیکھا کہ خدا کے سوا اور ہستیوں کو لوگ پوج رہے ہیں، اس شرک کو دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آیا کہ اگر ایسے ہمارے لئے بت بنا دیا جاتا تو ہم بھی اس کے سامنے جھکتے، ہم بھی اس کے سامنے گھنٹی بجاتے، کیسی رونق ہوتی، کیا لطف آتا، انھوں نے کہا:۔

قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ

اے موسیٰ ذرا ہمارے لئے بھی ایسا ہی کوئی معبود تجویز کر دیجئے، جیسا کہ ان کے پاس ہے۔ اپنے وقت کا موحد اعظم، اپنے وقت کا پیغمبر اعظم بولا، إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ تم پرلے درجے کے جاہل، پرلے درجے کے نادان ہو، تمھاری عقل پر پتھر پڑے ہیں، تمھیں نظر نہیں آتا؟ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَا هُمْ فِيهِ یہ سب

تباہ ہو جانے والے ہیں اور یہ جو کچھ انھوں نے کارخانہ بنایا ہے، سب تباہ ہو جانے والا ہے، وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ جو یہ کر رہے ہیں وہ خاک میں مل جانے والا ہے، وہ کچھ کام آنے والا نہیں، اسکے بعد انھوں نے ذرا سمجھا کر کہا:-

قَالَ أَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْغِيكُمْ إِلٰهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ

اللہ کے بندو! خدا تمھارے حال پر رحم کرے، خدا تمھیں عقل اور سمجھ دے، أَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْغِيكُمْ إِلٰهًا میں خدا کو چھوڑ کر تمھارے لئے اور کوئی خدا لاؤں؟ وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ حالانکہ اس نے تم کو تمام دنیا پر فضیلت دی ہے اور تم کہتے ہو کہ اس فضیلت دینے والے خدا، احسان کرنے والے خدا، جس نے فرعون کی غلامی سے تم کو نجات دی، اس کو چھوڑ کر میں عاجز اور بے اختیار کوئی خدا تمھارے سامنے لے آؤں۔

ایمان کی حلاوت حدیث شریف میں آتا ہے کہ:-

ثَلٰثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ، أَنْ يَكُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ إِلَى الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ۔

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ تین باتیں جس میں جمع ہوں گی، اس کو ایمان کا ذائقہ معلوم ہوگا، کیا ہیں وہ تین چیزیں، کیا ہیں وہ تین علامتیں، فرماتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ أَنْ يَكُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا اللہ اور رسول تمام مخلوقات کے مقابلے میں زیادہ محبوب ہوں۔ جتنی محبت اللہ سے اور اسکے رسول سے، اتنی محبت کسی سے نہیں، نہ اپنی اولاد سے نہ بیوی سے، نہ اپنے سے، نہ والدین سے، نہ دوستوں سے، نہ مال سے، نہ کسی چیز سے، اور دوسری بات یہ کہ کسی انسان سے محض اللہ کے لئے محبت کرے۔ لا یحبہ الا للہ

اور تیسری بات جس کے لئے میں نے یہ حدیث پڑھی ہے وہ یہ ہے کہ اس خیال سے کہ جاہلیت اور کفر کی، اس کیفیت کی طرف واپس جاؤں، اور پھر ویسے ہی بت پرستی کرنے لگوں، دوسری چیزوں کے سامنے جھکنے لگوں، اسکے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، اور ایسی اس پر کپکپی طاری ہو جائے جیسے کہ آگ میں ڈالے جانے سے کسی انسان کو ڈر معلوم ہو، یہ ہے ایمان کی علامت، یہ سوچ کر کہ میں بھی خدا کے سوا کسی کے سامنے جھکنے لگوں، میں بھی کوئی اور تہذیب اختیار کر دوں، اس خیال ہی سے اسکے اوپر لرزہ طاری ہو جائے، اور اس کا دم گھٹنے لگے، اور اس کی جان پر بن جائے، اور وہ کہے کہ ہزار بار اللہ کی پناہ، ہزار بار اللہ کی پناہ، جیسے کہ کسی شخص سے کہا جائے کہ میں تم کو آگ میں ڈال دوں۔ اسی طریقے سے کفر اور شرک سے مسلمان کو نفرت ہونی چاہیئے، اور اس حالت کی طرف واپس جانے سے اسکے دل میں ایک نفرت اور اسکے اندر ایک خوف اور دہشت طاری ہونی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا

اے ایمان والو! اللہ کے احسان کو یاد کرو، کہ تم جہنم کے گڑھے کے بالکل کنارے پر کھڑے ہوئے تھے، اور تمھارے گرنے میں کوئی کسر باقی نہیں تھی کہ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا اللہ نے تم کو اپنے نبی کے ذریعہ سے بال بال بچا لیا یہی ہمارا سب کا حال ہے:-

وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ

اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ جنت میں جس وقت جنتی جائیں گے تو کہیں گے وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ ہم خود اپنی سمجھ سے، اپنی ذاتی عقل کے ذریعہ، اپنی ذاتی سمجھ سے تو یہاں تک پہنچنے والے نہیں تھے، ہماری عقل تو ایسی نہیں تھی، کہ یہاں تک رہبری کرتی۔

وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ

اللہ تعالیٰ کے پہچاننے کا طریقہ کیا ہے؟ انبیاء علیہم السلام اور خدا کے پیغمبر! دوستو! عقل ہرگز کافی نہیں، علم ہرگز کافی نہیں، ذہانت ہرگز کافی نہیں، خلوص کافی نہیں، محنت کافی نہیں، مطالعہ کافی نہیں، صرف پیغمبر کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ نے

پیغمبر ہی کو ذریعہ بنایا ہے، صحیح توحید کا، صحیح ایمان کا، صحیح معرفت کا، صحیح تہذیب کا، صحیح انسانیت کا، اس لئے فرماتا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ۔

شکر ہے اس خدا کا، جس نے کہ ہمیں یہاں تک پہنچایا، وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدٰنَا اللّٰہُ ــــــ خود پہنچنے والے نہیں تھے، اگر اللہ ہم کو یہاں تک نہ پہنچاتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے کس طرح پہنچایا، اللہ ایک ایک کے پاس نہیں جاتا، اللہ ایک ایک کی انگلی پکڑ کے نہیں پہنچاتا، اللہ پیغمبروں کے ذریعہ پہنچاتا ہے، اسی لئے اس آیت کا تکملہ یہ ہے:۔

لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ

(بیشک پروردگار کے پیغمبر حق لے کر آئے)

معلوم ہوا کہ ہدایت کا ذریعہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں پس معرفت وہ صحیح ہے، جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے پہنچے، توحید وہ صحیح ہے حضرات انبیاء جس کو کہیں کہ یہ توحید ہے، سیدنا ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ اور محمد رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جس کو کہیں کہ اللہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے وہی عقیدہ ہے، ساری دنیا جو کہے غلط، ہماری عقل جو کہے، غلط، فلسفی جو کہے، غلط، ادیب اور شاعر جو کہے، غلط، اور اللہ کے پیغمبر جو کہیں، وہ صحیح، اس لئے کہ وہی دیکھ کر کہتے ہیں اور وہی دیکھ کر کے آئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے انہی کو صحیح سمجھ عطا فرمائی ہے۔

لقد جاءت رسل ربنا بالحق

اور پیغمبروں کی تہذیب ہی صحیح انسانی تہذیب ہے۔

صحیح تہذیب سیکھنی ہے، تو اس کا ذریعہ صرف پیغمبروں کی ذات ہے، اسی لئے حضرت سلمان فارسیؓ سے ایک یہودی نے کہا:۔

یُعَلِّمُکُم نَبِیُّکُم کُلَّ شَیئٍ حَتّٰی الخِرَاءَۃ قَالَ اَجَل نَھَانَا اَن۔

مستقبل القبلۃ او نسند برھابناظا وجول

حضرت سلمان فارسی جو ایرانی النسل تھے، وہ مسلمان ہوئے تو ایک یہودی نے ان سے چھیڑنے کے لئے کہا، کہ تمھارے نبی جو ہیں وہ تم کو چھوٹی چھوٹی باتیں سکھاتے ہیں، ہگنا موتنا تک سکھاتے ہیں، حضرت سلمان فارسی نے اس پر کوئی احتجاج نہیں کیا، انکار بھی نہیں کیا، اور چڑے بھی نہیں، انھوں نے کہا، ہاں! ہاں سکھاتے ہیں، ہمیں ہگنا، موتنا ہمیں اپنی ضروریات بشری پورا کرنا بھی نہیں آتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ہر بات سکھائی، اور ہم کو آدمی بنایا، ایسا آج دنیا کی تہذیبوں میں نہ کوئی شعور ہے نہ اخلاق ہے، نہ تعلقات صحیح، نہ تعلقات کے صحیح حدود، نہ معاملات کے صحیح حدود ہیں، یہ سب پیغمبروں کے تہذیب ہے، کھانے پینے سے لے کر مرنے اور مرنے کے بعد کی تمام منزلیں اللہ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ بتائی ہیں۔

ایمان کی حفاظت کرو

معلوم نہیں اللہ کے وہ کون مقبول بندے تھے، جو اس ملک میں آئے اور جن کی بدولت آج تم مسلمان ہو، ہم ان کا نام نہیں جانتے مگر ہم ان کے حق میں دعا کرتے ہیں، ہمیں ان کا نام جاننے کی کچھ ضرورت نہیں، اور ان کو اپنا نام ہمیں بتانے کی بالکل ضرورت نہیں، انھوں نے جس کے لئے کیا تھا، وہ ان کو ان کے عمل کا انعام دے گا، اور ان کے عمل کا انعام دے رہا ہے، لیکن ہم کو اور تم کو شکر کرنا چاہیئے کوئی بھی ذریعہ بنا، اللہ نے ہم کو ایمان کی دولت نصیب فرمائی، اس دولت کو قائم رکھنا، اس دولت کو پھیلانا، اور باقی رکھنا اور اپنی آئندہ نسلوں تک اس دولت کو منتقل کرنا تمھارا فرض ہے، بیشک کھاؤ، پیو، بیشک دکانیں کرو، بیشک خوب کماؤ اور تجارت کرو، کوئی تم کو نہیں روکتا، لیکن تمھارا پہلا فرض یہ ہے کہ تم اپنی اولاد کو اس تہذیب کا وارث بناؤ، اپنی اولاد کو اس توحید کا وارث بناؤ تم پر تمھارا سب سے بڑا ظلم ہوگا، تمھاری یہ خودکشی، اور نسل کشی ہوگی، اگر تم اپنی اولاد کو اس دولت سے محروم رکھو اور محروم دیکھو، اللہ نے تم کو جو دولت عطا فرمائی ہے، اپنی اولاد کو یہ دولت عطا کرو، ان کو اسلامی تعلیم دو، ان کو اللہ اور رسول کی پہچان

کراؤ، توحید کی محبت ان کے دل میں بٹھاؤ، اسلامی تہذیب سے عشق اور اسلامی تہذیب سے وابستگی اور اسلامی تہذیب سے شیفتگی، ان کے اندر پیدا کراؤ۔

ان کو بتاؤ کہ اسی پر جینا بھی ہے، اسی پر مرنا بھی ہے،

وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ

آدمی اگر خدا نخواستہ کفر کے ساتھ گیا، جہالت کے ساتھ گیا، ایمان سے محروم چلا گیا تو اسکی بدبختی، اور اسکی محرومی ہمیشہ قائم رہے گی، فاقہ ہے ایک دن کا، دو دن کا، لیکن یہ روحانی فاقہ ایسا ہے جس کی کبھی روزہ کشائی نہیں، یہ جسم کا روزہ شام کو افطار ہو جاتا ہے اس کا، ایک دن میں نہ ہو، دوسرے دن افطار ہو جاتا ہے، لیکن اگر خدا نخواستہ، روح کا روزہ ہے، روح کا فاقہ ہے، اس کا افطار کہیں نہیں، اپنی اولاد کو سب سے بڑا تحفہ جو دے سکتے ہو، سب سے بڑا ان کا حق جو تم پر ہے، اور سب سے بڑا ذمہ جو ان کا تمھارے ذمہ ہے، وہ ہے ان کو صحیح اسلامی تعلیم دینا، اس کے لئے مدارس ہیں، اس کے لئے مکاتب ہیں، اس کے لئے اسلامی تعلیم گاہیں، اس کے لئے صحبتیں ہیں، اسکے لئے تبلیغ ہے، اسکے لئے خانقاہیں ہیں، اسکے لئے اللہ کے بندے ہیں، عالم ہیں، درویش ہیں، سب اسی لئے ہے کہ ایمان کی دولت باقی رہے، اور ایمان کی دولت ہمارے ساتھ جائے۔

ابراہیمی شعار

دوستو! تمھارا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ تم اپنے کو مسلمان سمجھو، خاندانی حیثیت سے تم جو کچھ ہو، لیکن روحانی اور ایمانی حیثیت سے تمھارا اور ہمارا خاندان ایک ہے، مراکش سے لے کر چین تک سارے مسلمانوں کا خاندان ایک ہے اور وہ خاندان ابراہیمی ہے، وہ خاندان محمدی ہے، ہم سب خاندان ابراہیمی میں داخل ہیں، اس خاندان کا سب سے بڑا شعار، اوّل شعار، ہے توحید، اس خاندان کی خصوصیت یہ ہے کہ اسکے پہلے فرد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر اس خاندان کے آخری فرد تک توحید کا سلسلہ باقی رہے گا،

سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کہتے ہیں:۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

سب سے بڑی جو لو لگی ہوئی ہے ان کو، وہ یہ ہے کہ اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو شرک کی لعنت سے بچا، خاندان ابراہیمی کا سب سے بڑا شعار خاندان ابراہیمی کا طرۂ امتیاز خاندان ابراہیمی کا تعارف، خاندان ابراہیمی کی دنیا میں شناخت کیا ہے، جہاں بھی خاندان کا کوئی فرد ہے، توحید کا جھنڈا ہاتھ میں لئے ہوئے ہے، سارے مشرکانہ نظاموں سے باغی، سب سے منحرف، سب سے مختلف، سب سے ہٹا ہوا، سب کا انکاری، بس ہر جگہ جہاں بھی ہے، کوئی ابراہیمی ہو یہی کہتا ہے کہ میں اللہ ہی کو جانتا ہوں، بس وہی ہے۔

اَلَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ۔

ابراہیمی خاندان کا پہلا شعار یہی توحید ہے، ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کی ابتدا اسی سے ہوئی، اور زندگی کی انتہا، اسی پر ہوئی، اپنے باپ سے اسی بنا پر جدا ہوئے، اور اپنے ملک سے اسی بنا پر نکلے اور اسی بنا پر خاندان تعمیر کیا، اسی نام پر انھوں نے خانۂ کعبہ تعمیر کیا، اور اسی کے نام پر انھوں نے اپنی اولاد کو وہاں بسایا۔

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

دوسرا شعار

دوسرا شعار اس خاندان کا کیا ہے؟ اس کی تہذیب، ایمان کی تہذیب خدا کی تہذیب ہے، اللہ کا نام، اسکی پوری تہذیب میں، پوری معاشرت میں بسا ہوا ہے، رچا ہوا ہے، اُترا ہوا ہے، اسکی پوری تہذیب و معاشرت اللہ کے نام میں اور اللہ کے تعلق میں ڈوبی ہوئی ہے اور رنگی ہوئی ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً

دکان پر دیکھو تو اللہ والا، کھلیان میں دیکھو تو اللہ والا، تجارت کرتا ہوا پاؤ گے اللہ والا، لڑتا ہوا پاؤ گے تو اللہ کے نام پر، کھاتا ہوا دیکھو گے تو اللہ کے نام سے، اللہ کا نام لے کر کھانا، اللہ کے نام پر کھانا ختم کرنا اور شکر ادا کرنا، اللہ کے نام پر جینا، اللہ کے نام پر مرنا، اللہ کے نام پر ملنا، اللہ کے نام پر جدا ہونا، اللہ کا نام لیتے ہوئے کپڑا پہننا اور اللہ کا نام لیتے ہوئے کپڑا اتارنا، آئے دنیا میں تو اذان اس کے کان میں دی جارہی ہے، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ، حَیَّ عَلَی الفلاح، کچھ نہیں سنتا، کچھ نہیں سمجھتا، مگر کان میں اذان دی جارہی ہے، ندائے ابراہیمی، کہ وہ سمجھ جائے کہ مجھے اس نظام سے ہمیشہ وابستہ رہنا ہے، پہلی آواز جو کان میں پڑی ہے وہ خدا کا نام ہے، اور جب وہ دنیا سے جائے تو اس دعا کے ساتھ:-

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۰ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

جب اس کی نماز پڑھی جائے تو اس میں بھی یہی دعا کی جائے کہ:-

اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ۔

اے اللہ ہم میں سے کسی کو زندہ رکھو تو ایمان پر زندہ رکھو، دنیا سے اٹھا تو ایمان پر اٹھا .... جب تک زندہ رکھنا اسلام پر زندہ رکھنا اس نظام اطاعت اور نظام عبودیت پر زندہ رکھنا جو تو نے پسند کیا ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

اور جب اس دنیا سے اٹھانا تو ایمان پر اٹھانا، تیرا کلمہ پڑھتے ہوئے ہم اس دنیا سے جائیں، جب اس ابراہیمی کو قبر میں رکھتے ہیں تو کہتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ

اللہ کے نام پر اور رسول اللہ کی ملت پر۔

مراکش سے چین تک

خاندان ابراہیمی جو مراکش سے چین تک ہے، جس کا ایک گھرانا یہاں بیٹھا ہوا ہے، برما میں، دوسرا گھرانا ملایا میں، تیسرا گھرانا پڑا ہوا ہے انڈونیشیا میں، چوتھا گھرانا پڑا ہوا ہے ہندوستان و پاکستان میں، اور ایک گھرانا خاص اس دیوار کے سائے کے نیچے پڑا ہوا ہے، عرب میں، اور کوئی دریائے نیل کے کنارے اور کوئی خلیج فارس کے کنارے، ساری دنیا میں ابراہیم کا گھرانا پھیلا ہوا ہے، دنیا کا کوئی کورہ مقام ان کی برکت سے خالی نہیں۔

سر کوہ آدم سے تا کوہ بیضا
جہاں جاؤ گے پاؤ گے کھوج انکا

اس خاندان کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسکی تہذیب، اسکی معاشرت، اسکی تعلیم، اسکی پوری زندگی اللہ کے نام میں بسی ہوئی ہے۔ جیسے خوشبو میں کوئی چیز بسا دی جاتی ہے۔

جمال ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

ہمارا یہ جسم مٹی کا ہے، ہمارے یہ کپڑے کپاس اور ریشم کے ہیں، اور ہمارے یہ برتن اور ہمارا یہ کھانا سب کا تعلق خاکی چیزوں سے ہے۔ لیکن یہ سب اللہ کے نام میں بسا دی گئی ہیں، اس خوشبو میں بسائی گئی ہیں، ہمینوں خوشبو کے اندر رکھ کر بسائی گئی ہیں اب رس میں بس گئی ہیں، عطر ابراہیمی میں ہماری پوری تہذیب بس گئی ہے، اگر تم چاہو پچاس مرتبہ دھو ہزار مرتبہ دھو، اس عطر کی خوشبو اس سے جا نہیں سکتی، ابراہیم علیہ السلام نے ایسا اس کو غوطہ دیا تھا، ایسا رنگا تھا صبغۃ اللہ میں کہ اب یہ رنگ اس کا اتر نہیں سکتا، کتنا ہی رنگ اس پر چڑھاؤ، کوئی رنگ اس پر چڑھ نہیں سکتا۔

صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ

اللہ کا رنگ اور اسکے رنگ سے زیادہ پیارا اور زیادہ دلفریب کوئی رنگ نہیں ہے۔

تیسرا شعار

تیسری خصوصیت خاندان ابراہیمی کی کیا ہے، جہاں رہے گا باطل سے کش مکش کرتا رہے گا، حق کے لئے لڑتا رہے گا، توحید کی صدا بلند کرتا رہے گا۔ اللہ کے

راستے کی طرف سب کو بلاتا رہے گا۔ یہ سعادت قیامت تک کے لئے خاندان ابراہیمی کے لئے .... مقدر ہوچکی ہے، جس نے اللہ کے نام کا جھنڈا بلند کیا دنیا کے کسی گوشے اور کسی حصے میں اگر سراغ لگاؤ گے، اور تحقیق کرو گے تو سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کا رشتہ ملتا ہوگا۔ آج ساری دنیا میں بار بار جنگیں ہوئیں۔ دو دو جنگیں ہوچکی ہیں، لیکن یہ خاندان ابراہیمی کی جنگ نہیں تھی۔ اس جنگ میں خاندان ابراہیمی کی کوئی شاخ فریق نہیں تھی، یہ پیٹ کے لئے تھی، یہ بازاروں کے لئے مارکیٹ حاصل کرنے کے لئے تھی، یہ ہوا و ہوس کی جنگ تھی، اس لئے کہ یہ خاندان ابراہیمی کی طرف سے نہیں لڑی گئی تھی۔

آج ساری دنیا میں جس کو دیکھو گے کہ وہ اللہ کا نام لیتا ہے، اللہ کا نام دوسروں کو سکھاتا ہے اور اللہ کے نام کی تلقین کرتا ہے۔ اگر تحقیق کرو تو وہ ابراہیمی نکلے گا۔ اس کا تعلق دور سے یا قریب سے، سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے نکلے گا، یا ان کی صلبی اولاد میں ہے یا ان کے غلاموں کے ذریعہ سے وہ ان کے معنوی خاندان میں داخل ہوچکا ہے، قیامت تک کے لئے توحید کا اعلان، قیامت تک کے لئے ایمان کی دعوت، قیامت تک کے لئے خوف خدا اور فکر آخرت کی دعوت، قیامت کے لئے دینی جد و جہد کو اللہ تعالیٰ نے خاندان ابراہیمی سپرد کر دیا ہے، ہر جگہ ہر زمانہ میں خاندان ابراہیمی کا کوئی سر پھرا ملاح موجوں سے ٹکراتا رہے گا، کشتی کو کنارے لگاتا رہے گا۔ دھارے کے خلاف اس کشتی کو چلاتا رہے گا۔ بازو شل ہوجاتے ہیں۔ تیور جواب دے جاتے ہیں۔ موجیں گستاخیاں کرتی ہیں، مگر خاندان ابراہیمی کا ملاح ہے کہ

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

دامن کے اندر چراغ کو لے کر چھپائے گا، سینے سے لگائے گا، ہزار بار اس پر جھک جائے گا، سپر بن جائے گا، مگر چراغ کو سینے سے لگائے ہوئے، اولاد کی پروا نہیں۔ عزیزوں کی پروا نہیں، مگر اللہ کا چراغ گل نہ ہونے پائے۔ اسکی فکر۔ یہ جنون اگر تم کو ملے گا، یہ فکر اگر

تم کو ملے گی، یہ عشق کیشی اگر تم کو ملے گی تو سیدنا ابراہیم و محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام کے خاندان اور ان کے نام لیواؤں میں، پیٹ کے لئے لڑنے والے بہت، اقتدار کے لئے لڑنے والے بہت، نفس کے لئے لڑنے والے بہت، عزت کے لئے لڑنے والے بہت، کرسیوں کے لئے لڑنے والے بہت، اللہ کے لئے لڑنے والا ایک، اور وہ ابراہیم۔

بڑی خوش قسمتی

میرے بھائیو! خوش قسمت ہو کہ تم کو اللہ نے اس خاندان میں داخل کیا، خاندان ابراہیمی سے وابستہ ہونا، اللہ کے غلاموں میں داخل ہونا سب سے بڑی خوش قسمتی، سب سے بڑی سعادت اور سب سے بڑی عزت ہے، اللہ نے بڑا فضل فرمایا ہے کہ اللہ نے ہمیں اس بابرکت خاندان میں اور اس بابرکت درخت کے سائے میں لے لیا، پس ہم اس دولت سے کبھی محروم نہ ہو جائیں، خدا کے لئے اس دولت کو سینے سے لگائے رکھنا، برما میں رہتے ہو کہ ملایا میں، ترکستان میں بستے ہو کہ چین میں، ہندوستان میں رہتے ہو کہ فرنگستان میں رہتے ہو، دارالاسلام میں رہتے ہو یا کفرستان میں، جہاں رہو اس کا نام لیتے رہو، جہاں رہو اللہ کے سامنے سر جھکاتے رہو، ان مسجدوں سے متعلق رہو، اللہ کے نام سے متعلق رہو، اپنے کو ابراہیمی کہتے رہو، جو زبان چاہے بولو، جو لباس چاہو (بشرطیکہ وہ شریعت کے مطابق ہو) پہنو، مگر ابراہیم کی تہذیب کو سب سے اعلیٰ تہذیب سمجھو، اس سے محبت کرو اور اس کو اپنی سعادت سمجھو۔

وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ

ہم ہرگز اس قابل نہیں تھے کہ ہم پر اللہ تعالیٰ اتنا بڑا فضل فرماتا، ہم کو گھر بیٹھے یہ دولت عطا فرماتا اور یہ نعمت ہمارے گھر بھیجتا، اور برما اور ملایا میں رہ کر ہم اسلام کو قبول کرتے، مگر اللہ نے ہم کو یہ دولت نصیب فرمائی۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے، اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔

دولت ایمانی کی حفاظت

پس اللہ نے تم کو یہ دولت عطا فرمائی ہے۔ اب اس دولت کی حفاظت

کرو، اس دولت کو سینے سے لگائے رکھو، اپنی اولاد کو اس دولت میں شریک کرو، آئندہ نسلوں کے لئے ایمان کی دولت کو قائم رکھو، اسکے لئے کوشش کرو کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی شیوہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور سب فرماتا ہے:۔

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ
وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ
إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا
لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ
عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا
بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۔

فرماتا ہے وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ اللہ کے راستے میں ہر طرح کی کوششیں کرو کیوں؟ هُوَ اجْتَبَاكُمْ اس نے تم کو چن لیا، تم کہاں اس قابل تھے؟ اے برمی بھائیو! اے ہندوستانی بھائیو، اے پاکستانی بھائیو، اے ترکستانی بھائیو! تم کہاں اس قابل تھے کہ اللہ اتنی بڑی دولت نصیب کرے، ایمان کی دولت سے تم کو نوازا ہے، هو اجتبٰكم اس نے تم کو ہزاروں قوموں میں سے اور لاکھوں انسانوں میں سے اور کروروں کے گلوں اور مخلوقات میں سے، اس نے تم کو انتخاب کیا وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ اور تم کو ایسا آسان دین عطا فرمایا، کہ جس میں کوئی دقت نہیں، اس میں یہ نہیں کہ اپنی انسانیت کو خاک میں ملا دو، اس میں یہ نہیں کہ راہب بن جاؤ اور بھوگی بن جاؤ، اس میں یہ نہیں کہ شادی نہ کرو، اس میں یہ نہیں کہ گیروا لباس پہنو، اس میں یہ نہیں ہے کہ اپنے گھر کو اور اپنے گھر والوں کو سلام بتاؤ، اور ان کا منھ دیکھنے کے بھی روادار نہ ہو، اس میں یہ نہیں ہے کہ مکان نہ کرو اور مکان میں نہ رہو، مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ اس نے ایسا دین عطا فرمایا جو تمہارے لئے آسان ہو، اس میں کوئی بندش نہیں ہے، اس میں فطرت کے خلاف تم سے کوئی مطالبہ نہیں ہے مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ملة ابيكم ابراهيم تمہارے مورث اعلیٰ

سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دین هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ انھوں نے تمھارا نام، یہ پیارا نام مسلمان انھوں نے رکھا، انھوں نے سب سے پہلے تم کو مسلمان کے نام سے پکارا۔ من قبل اس سے پہلے جب تم نہیں تھے، تمھاری نسل نہیں تھی، وفی هذا اور پھر اس کے بعد اللہ نے تم کو اس نام سے یاد فرمایا، لیکون الرسول شهيدا عليكم تاکہ رسول تمھارے اوپر گواہ بنے، وتكونوا شهداء على الناس اور پھر تم ساری دنیا کے لئے گواہ بنو، رسول تمھارے لئے نمونہ اور تم ساری دنیا کے لئے نمونہ۔

تہذیب ابراہیمی کی حفاظت

پس میرے دوستو! اس ابراہیمی تہذیب کو جان سے زیادہ عزیز سمجھو، وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ۔ نہ مرنا مگر مسلمان، سچے اور پکے مسلمان، موحد اور مومن مسلمان، اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ سمجھنے والا مسلمان، خدا کے سوا سب سے بے خوف، کسی ایک سے نہ ڈرنے والا مسلمان، خدا کے سوا ہر کسی سے بے طمع، ایک اسی کی طمع کرنے والا مسلمان، خدا کے سوا سب سے پیٹھ پھیر کر، حنیفا مسلما اور اسی کی طرف رخ کرنے والا مسلمان، یہی ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت ہے۔

حَنِيْفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

سب سے کٹ کر اسی سے جڑ جانے والا، سب سے چھوٹ کر اسی کے در پر پڑ جانے والا، سب سے روٹھ کر اسی ایک کا ہو جانے والا، سب سے ہٹ کر اسی ایک سے مل جانے والا، یہی شان تھی ابراہیم کی اور یہی شان ہونی چاہیئے اس خاندان کی، بس اپنے اس خاندان کی آن کو، اس خاندان کی شان کو، اپنے اس خاندان کی آن بان کو اور اپنے اس خاندان کی میراث کو قائم رکھو، اور یہاں اس دنیا میں ایمان کے ساتھ رہو، ایمان اور عافیت کے ساتھ اس طرح سے جاؤ کہ اللہ کی طرف سے آواز آئے، روح القدس کی طرف سے یہ پیغام سنایا جائے۔

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً
مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ؏

اے نفس مطمئنہ، وہ نفس جو اطمینان سے رہتا تھا، اطمینان اس کی فطرت بن گئی تھی، اپنے پروردگار کی طرف خوش خوش جاؤ، خوش خوش فارغ البال فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی پس میرے بندوں میں داخل ہو جاؤ، میری جنت میں داخل ہو جاؤ، ہمارا وہاں استقبال ہو۔ ایمان کا تحفہ اور ایمان کی نذر لے کر جائیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ہم سے کہا جائے، کہ اے میرے پیارے بندے بیشک تو ایمان پر قائم رہا، بیشک اپنے ایمان کے ساتھ ہمارے یہاں آیا، تو نے یہ امانت پہنچا دی، تیرے لئے ہم نے سب کچھ تیار رکھا ہے، نُزُلاً من غفور رحیم۔

رب توفنا مسلمین و الحقنا بالصّٰلحین
غیر خزایا و لا ندامیٰ ولا مفتونین، یا
حیّ یا قیوم برحمتک نستغیث اصلح لنا
شأننا کلّہ، ربنا لاتزغ قلوبنا بعد
اذ ھدیتنا وھب لنا من لّدنک رحمۃ
انک انت الوھاب وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ
خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

ڈاکٹر سید عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ

(از عتیق الرحمٰن سنبھلی)

محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہٗ کے برادرِ معظم جناب ڈاکٹر حکیم مولانا سید عبد العلیؒ کی وفات کی خبر ناظرینِ الفرقان کو بھی مل چکی ہوگی۔ خدا غریقِ رحمت کرے، ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنی ذات اور اپنے اوصاف و کمالات کے اعتبار سے ایک نادرۂ روزگار ہستی تھے۔ وہ اس خاندان کے چشم و چراغ تھے جس نے سید احمد شہیدؒ جیسی ناقابلِ فراموش ہستی ملت کو بخشی، اور اپنے بزرگوں کے امتیازات و کمالات کے جامع بھی۔

اس فرشتہ صفت ہستی کو ۳۴ء سے لے کر عین اس لمحہ تک جب اس کی پاک روح نے اپنے مالک کی طلبی پر لبیک کہتے ہوئے پرواز کی مسلسل اور بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ الفرقان کا دفتر شروع میں تو ۷-۸ سال تک گویا ڈاکٹر صاحب کے مطب اور دولت کدہ سے بالکل متصل ہی رہا۔ اس کے بعد جو کچھ فاصلہ بڑھا بھی تو وہ چند قدم سے زیادہ کا نہ تھا، رہائشی مکان بھی ۶-۷ سال تک ڈاکٹر صاحب کے زیرِ سایہ ہی رہا۔ اٹھنا بیٹھنا لکھنؤ کے قیام کے روزِ اول ہی سے ڈاکٹر صاحب کے متعلقین کے ساتھ رہا۔ اس طرح اپنی بدقسمتی سے گو عمل کچھ نہیں کیا، لیکن خوش قسمتی سے دیکھا بہت کچھ، اور جو کچھ دیکھا وہ کبھی بھولنے والا نہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی صورت ہی دیکھ کر آدمی کو اُنس اور عقیدت پیدا ہوتی تھی۔ یہ دراصل ان کے باطن کی نورانیت اور جاذبیت کا عکس تھا جو پوری آب و تاب کے ساتھ اُن کے چہرے پر نمایاں رہتا تھا۔ اہلِ تقویٰ آج بھی اس دنیا میں بہت سے ہیں اور ایک سے ایک

بنہ گرہیں لیکن ڈاکٹر صاحب کو بہت تھوڑی ہی مدت قریب سے دیکھنے کے بعد دل گواہی دیتا تھا کہ معاصی سے پرہیز کرنا تو الگ بات ہے، ان کے دل میں معصیت کا تصور بھی شاید نہیں آتا۔ وصال کے چند دن بعد ڈاکٹر صاحب کے رفیق خاص و دمساز حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی (اطال اللہ بقائہٗ) کی خدمت میں اس درخواست کے لیے حاضری ہوئی کہ آپ ڈاکٹر صاحب مرحوم کو جتنا جانتے ہیں شاید ہی کوئی دوسرا اس درجہ کی واقفیت رکھتا ہو۔ اسی لئے جی چاہتا ہے کہ اگر صحت مساعد ہو تو مرحوم کے تذکرے میں کچھ ارقام فرمائیں، بہت سے بندگان خدا کو اس سے دینی فائدہ پہونچے گا۔ اس صحبت میں ڈاکٹر صاحب کی سیرت کے اس پہلو کا تذکرہ کرتے ہوئے جس کا ذکر میں نے چھیڑا ہے مولانا موصوف نے مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا تاثر نقل فرمایا کہ ایک مرتبہ حیدرآباد کے زمانۂ قیام میں میری ہی تحریک پر علاج کی غرض سے لکھنؤ تشریف لائے اور ڈاکٹر صاحب مرحوم کا علاج شروع ہوا، یہ پہلی ملاقات تھی جو کافی ممتد ہوئی۔ واپس ہو کر مجھ سے کہا کہ میاں میں تمہارا شکرگزار ہوں کہ ایک ایسے آدمی کے دیکھنے کا موقع تم نے میرے لیے فراہم کیا جیسا نہ اب تک ان آنکھوں نے دیکھا ہو اور نہ امید ہے کہ دوسرا دیکھنے میں آئے۔ میرا تو دل پورے یقین اور وثوق کے ساتھ کہتا ہے کہ اس شخص کے قلب پر کسی معصیت کا خطرہ بھی نہیں گزرتا۔

یہ واقعہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کو تھوڑی ہی سی مدت قریب سے دیکھنے کے بعد پورے جزم و وثوق کے ساتھ یہ تاثر طاری ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی درجہ کی بھی معصیت کا مادہ ہی اس انسان کے اندر نہیں رکھا ہے۔ کوئی تارک الدنیا قسم کے انسان نہیں تھے۔ مطب کرتے تھے۔ زمین اور باغات کے علائق رکھتے تھے۔ ایک وسیع کنبے کے ذمہ دار تھے۔ ندوۃ العلماء کی نظامت کی ذمہ داریاں تھیں، غرض ہر طرح کے بشری علائق تھے۔ مگر قول و عمل میں وہ پاکیزگی، وہ طہارت وہ معصومیت کہ فرشتے بلائیں لیں۔

ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اسی طرح کا ایک امتیازی وصف جسے ملکۂ بلا اختیاری وصف کا شاخسانہ کہنا بجا ہوگا اُن کی للّٰہیت اور استحضارِ عبدیت تھا۔ ان کے اس باطنی کمال

کے یقین سے حاصل ہو، تو سنا ہی ہو گا مگر مرحوم کا وہ خط دیکھ کر جو انھوں نے جوانی کی عمر میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا حکیم سید عبد الحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا تھا، یہ یقین حق الیقین سے بدل گیا۔ اللہ اللہ کیا ٹھکانا ہے اس للٰہیت اور استحضار عبدیت کا کہ الٰہ آباد یونیورسٹی سے بی ایس سی کر کے نکلے ہیں اور اپنی آئندہ زندگی کے نقشے کے خطوط تیار کرتے ہوئے والد ماجد کو لکھتے ہیں۔

صرف عصیاں ہوا وہ حصۂ عمر
جو تری یاد میں بسر نہ ہوا

جس کی جوانی میں للٰہیت اور عبدیت کا یہ رنگ ہو، کیا پوچھنا ہے اس کی پختہ سنی اور بڑھاپے کے رنگ کا۔ بس للٰہیت و عبدیت کی ایک موہنی تصویر تھی جو نہ جانے کب تک آنکھوں میں پھرتی رہے گی۔

اتباع سنت میں بھی اپنے بزرگوں کا پورا پورا ورثہ پایا تھا...... سنت اور سنت کے قائم کردہ حدود کی پابندی کا ہر چیز میں عزیز تھی۔ انگریزی تعلیم اور ڈاکٹری کے پیشے میں کامیابی کے باوجود وضع قطع، رہن سہن اور گھر کا چال چلن از اول تا آخر سنت کے حدود کا پابند۔ ہر طرف ایک دلآویز مسنون سادگی۔ تکلفات سے دوری، سنت اور حدود سنت ہی نہیں مذاقِ سنت کی بھی ایسی پاسداری تھی کہ انسانی کمزوری کے نہایت نازک مواقع پر بھی اس میں فرق نہیں آتا تھا۔ پانچ صاحبزادیوں پر اکلوتے صاحبزادے، سب سے چھوٹے اور فطری سعادت کی بنا پر صحیح معنی میں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک، لیکن لکھنؤ کے پرتکلف اور گراں بار رواجوں سے جکڑے ہوئے ماحول میں اس شان سے شادی کی تقریب ادا ہوئی کہ جیسے سارا سامان ہی تھا کہ سنت کے مذاقِ سادگی کی پیروی کا ایک یہ موقع بھی میسر آئے۔ بڑا دل گردہ چاہیے ایسے فطری کمزوریوں کے مواقع پر بھی مذاقِ سنت کو عزیز رکھنے میں!۔

لڑکیوں کے رشتے آج کی ایک عام کمزوری ہیں۔ اچھے اچھے دیندار اور نمایاں افراد لڑکیوں کے دنیاوی عیش و آرام کی خاطر ان کے رشتے میں دینداری کی تلاش کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ اس معاملہ میں راقم نے اپنی محدود نظر سے ڈاکٹر صاحب علیہ الرحمہ ہی کو دیکھا کہ

دنیاوی تعلیم، دنیاوی وجاہت، دینی عزت اور عالی نسبی کا جامع ہوتے ہوئے انہوں نے صاحبزادیوں کے رشتوں میں ایک نگاہِ غلط انداز بھی ان مواقع پر نہیں ڈالی جو ان معزز حیثیات کا جامع ہونے کی بدولت دنیوی اعتبار سے اچھے رشتوں کے حصول میں انہیں حاصل ہو سکتے تھے۔ تمام صاحبزادیوں کے رشتے میں رسول اکرمؐ کے پسندیدہ دینی معیار کو شرطِ اول قرار دیا۔ اور اس کے ساتھ اگر اپنی جیسی حیثیت کا دنیوی معیار بھی جمع نہیں ہو سکا تو اس کی پرواہ نہیں کی — کتنی عظیم قربانی ہے آجکل کے ماحول میں، معیارِ سنت کی خاطر اپنے لختہائے جگر کے دنیوی عیش و آرام کے امکانات کو قربان کر دینا! اور کس پائے کا اخلاص ہے اپنے دین اور عشقِ رسالت میں!

ان اوصاف کا لازمی تقاضا تھا کہ اس شخصیت میں اسلام اور ملتِ اسلامیہ کے لیے دردمندی اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی تڑپ بھی ہو۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کا سینہ ان جذبات کا بھی گنجینہ تھا۔ اسلامی دنیا میں کہیں کوئی ناگوار واقعہ ہوتا تو بالکل طبعی انداز کے رنج کی کیفیت طاری ہوتی۔ اور کوئی خوش کن خبر ملتی تو طبیعت سرور و نشاط سے لبریز ہو جاتی اور اس کے اثرات دیکھنے میں آتے، مرحوم کے جو بعض خطوط کا سلسلہ اسی شمارہ سے شروع کیا جا رہا ہے اُس سے اچھا خاصہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے سینے میں اعلاءِ کلمۃ اللہ کی کیسی تڑپ اور اسلام کے لیے کیسا درد تھا۔

بزرگوں کی اخلاقی شانیں مختلف ہوتی ہیں۔ کسی میں خوش اخلاقی کا کوئی رنگ ہے کسی میں کوئی۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی خوش اخلاقی میں ایک عجیب باوقار جمال تھا، کشادہ جبینی اور خندہ روئی کے ساتھ ملنے والوں کا استقبال فرماتے۔ عین سنت کے مطابق پورے رُخ کے ساتھ التفات ہوتا۔ ڈاکٹری کا پیشہ ہونے کی بنا پر وقت بے وقت اُن سے ضرورت پڑتی رہتی، ہمیشہ ایک ہی انداز سے متوجہ ہوتے ہوئے پایا، مسجد میں نماز کے بعد کچھ عرض کرنا ہوا تب، مطب سے گھر تک یا مسجد سے گھر تک کے راستے ہی میں کچھ عرض کرنے کی ضرورت پڑ گئی تب، اور گھر کی آرام گاہ میں اجازت لے کر جا پہنچے تب، کشادہ جبینی تھی کہ کسی وقت جدا نہیں ہوتی تھی، خاموش ا

باوقار چہرے پر شفقت جیسے برستی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر حاضری قرب سے قریب تر کرتی اور دل میں محبت کا تعلق ابھارتی۔ بلا شائبہ تکلف اس خادم کو تو وہ بالکل اپنے خاندان کے ایک بزرگ محسوس ہوتے۔ ان کی خاموش مجلس میں جی لگتا اور بغیر کسی ضرورت ہی کے جا کر کچھ دیر بیٹھنے کو دل چاہتا۔

مرحوم اپنی ذات اور اپنے ظاہری و باطنی کمالات سے خود بھی ایک نہ بھولنے والی شخصیت تھیں، مگر ایک زندہ (اور ان شاء اللہ زندۂ جاوید) یادگار بھی ہمارے درمیان چھوڑ گئے ہیں، اور وہ ہیں ہمارے محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (مد اللہ ظلہم) مولانا کے والد مرحوم اُن کو صرف نو سال کا چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے، اس دن سے ڈاکٹر صاحب کے روز وفات تک وہ اپنی والدۂ محترمہ کے علاوہ ڈاکٹر صاحب مرحوم ہی کے سایۂ عاطفت میں رہے اور انھیں کے دامن شفقت میں تعلیم و تربیت کے سارے مراحل طے کیے۔ مولانا محترم کی آج کی پوری شخصیت انھیں کی تربیت و شفقت کا فیض ہے اور فیض بھی کیسا جاری فیض! اللہ تعالیٰ اس فیض کو مدتوں جاری رکھے اور ڈاکٹر صاحب کے رفع درجات کا ذریعہ بنائے۔

کیسا قابل رشک اور قابل تقلید ہے وہ بندہ جو عمر بھر اپنے دونوں ہاتھوں سے بھی آخرت کمائے، اور اپنے بعد بھی اس کمائی کا ایک عظیم ذریعہ چھوڑ جائے۔ خدا اس کی کامل مغفرت فرمائے، انبیاء و صالحین کا قرب عطا فرمائے اور پسماندگان کے دلوں پر اپنے فضل خاص سے سکینت برسائے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب مرحوم کے چند خطوط

برادرِ معظم و مربّی ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبدالعلی صاحب مرحوم کی شخصیت جامعیت سوادِ اعظم، توازن، فہمِ سلیم، رسوخ فی الدین، دینی حمیت، اخلاص و للّہیت اور قدیم و جدید کے محاسن کا جو نادر الوجود نمونہ تھی اس کا اندازہ ان کی خاموشی و بے نفسی کی وجہ سے بہت قریب سے دیکھنے والوں کو بھی نہیں ہے۔ اس کے لیے ایک دفتر اور ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔ لیکن کتاب میں بھی وہ بات کہاں آسکتی ہے جو ان کی آغوشِ تربیت میں پرورش پانے والے کے مشاہدات و تاثرات ہیں۔ کسی حد تک خطوط (خصوصاً جو اپنے بزرگوں اور عزیزوں کو لکھے جائیں اور ان کے متعلق کبھی واہمہ بھی نہ گزرے کہ وہ چھپیں گے) اصلی ذہن و خیالات کی ترجمانی کرسکتے ہیں۔ اور شخصیت کی تصویر پیش کرسکتے ہیں۔ محض قلبِ حزیں کو تسکین دینے کے لیے نہیں بلکہ ان کی ذاتی قیمت اور علمی و تربیتی افادیت کے پیشِ نظر بھی ان کے چند خطوط پیش کیے جارہے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ ۱۲ر ذی قعدہ سنہ ۱۳۸۰ھ (۲ر مئی ۱۹۶۱ء) کو اچانک ہم نے خدا کی کیسی نعمت کھودی اور ۲۲ر ذی قعدہ ۸ر مئی کو ہم نے علم و عمل، شرافتِ نفس، دینی استقامت، اسلامی تہذیب اور رشد و ہدایت کے کس گوہرِ آبدار

اور صلحائے کرام کی کس نادر یادگار کو سپرد خاک کیا، مجھ ناچیز و ننگ وجود کے نام جو شفقت نامے ہیں وہ شفیق والدین، جاں نثار بھائیوں اور مربیوں اور اتالیقوں کے لیے دستور العمل اور چراغ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آخر میں سوائے اس کے کہ اپنے محسنوں، اور مخلص دوستوں سے اپنے شیخ، پیر و مربی و محسن کے لیے دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کی درخواست کروں۔ ٹوٹے ہوئے دل کو تسکین دینے کا اور کوئی سامان نہیں۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست

ابوالحسن علی

سیدی ولی نعمتی متعنا اللہ بحیاتہ[1]

آداب فدویانہ کے بعد گزارش ہے کہ کمترین بخیر و عافیت بسوہ پہونچ گیا، راستہ میں ایک دن کے لیے کانپور میں ٹھہر گیا تھا۔ حافظ حلیم صاحب تو منصوری پر تھے، ان کے صاحبزادے اور منشی یسین حسن صاحب سے ملاقات ہوئی تھی اور انھیں کے یہاں قیام بھی رہا تھا۔ کانپور میں مسٹر جے. پی. سریواستو، منسٹر کیمیائی حکومت صوبجات متحدہ اسسٹنٹ ڈائرکٹر صنعت و حرفت سے ملاقات کی تھی انھوں نے جو مشورہ دیا وہ گزارش کروں گا۔

اپنی آئندہ طرز ماند و بود کے متعلق میں چار پانچ برس سے غور کر رہا ہوں اور اصولاً میں وہی سمجھتا ہوں جو جناب ارشاد فرماتے ہیں۔ یعنی مقصد زندگی حیات اُخروی ہے اور دُنیا مزرعہ آخرت ہے۔ اگر دنیا سے مقصود آخرت ہو تو حصول دنیا کے لیے کوشش بھی باعث ثواب ہے۔ اس حیثیت سے معاملات بھی عبادات بن جاتے ہیں۔ پھر بھی دونوں میں وہی فرق ہے جو زمین و آسمان میں ہے۔ ایک مقصود ہے اور دوسرا مقصود کا آلہ۔ اگر منطقی دلائل سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو عرفان الٰہی و حیات دنیاوی میں جو کچھ نسبت ہے وہ قلب سلیم سے کسی وقت مخفی نہیں۔

---

[1] یہ خط والد ماجد مولانا حکیم سید عبد الحی کے نام ہے اور غالباً سنہ ۱۹[illegible]ء میں بی. ایس. سی. پاس کرنے کے بعد لکھا گیا ہے۔ اس امتحان میں بھائی صاحب پہلے کیننگ کالج میں اول اور پھر الہ آباد یونیورسٹی میں دوسرے نمبر پر آئے تھے۔ یہ خط آئندہ کے پروگرام کے متعلق ہے پڑھتے وقت یہ پیش نظر رہے کہ یہ تحریک خلافت کے شباب کا زمانہ تھا۔

صرف عصیاں ہوا وہ حصۂ عمر جو تری یاد میں بسر نہ ہوا

عرفانِ الٰہی کے بعد ایک انسان کا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ اپنے اوقات خداوند عز و جل کی رضا جوئی میں صرف کرے اور حقیقت میں یہ عرفانِ کامل کے لیے ایک امر لازم ہے۔ طلبِ معاش اس حیثیت سے ضروری ہے کہ رضا جوئی بغیر اس کے ممکن نہیں۔ اس لیے یہ اسی حد تک ضروری رہے گی جس حد تک یہ رضا جوئی کے لیے کارآمد ہو۔ اس کے بعد اگر رضا جوئی میں مخل نہ ہو تو مباح ہوگی اور اگر اوقاتِ عزیز کو ضائع کرے تو حرام ہوگی۔

رضا جوئی کے لیے جن اعمال کی ضرورت ہے۔ ان میں بھی فرقِ مراتب ہے۔ سب سے مقدم وہ اعمال ہیں جو محض ذکرِ الٰہی و تزکیۂ باطن پر مشتمل ہیں۔ مثلاً صوم و صلوٰۃ و حج و تلاوۃ۔ اس کے بعد وہ اعمال ہیں جو اعلائے کلمۃ اللہ و ہدایتِ خلق پر مشتمل ہیں۔ مثلاً جہاد و استعداد للجہاد و تذکیر اس کے بعد وہ اعمال ہیں جو عامۃ مسلمین کے منافع دنیاوی پر مبنی ہیں۔ مثلاً زکوٰۃ و صدقات و صلہ رحم و تعلیم۔ میرے خیال میں ہر مسلمان کو اپنی زندگی میں اس فرقِ مراتب کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ یہ ترتیب معتدل و متوسط حالات کے لیے ہے۔ غیر معمولی حالات میں اس میں تغیر کرنا ہوگا۔ مثلاً جس وقت صنفِ دوم یا سوم کی عبادات زیادہ ضروری ہو جائیں تو صنفِ اول کی عبادات میں اتنا تغیر کرنا ہوگا کہ ان میں سے فرائض و سنن ادا کرنے کے بعد جو وقت بچے وہ صنفِ دوم یا سوم میں صرف کیا جائے لیکن صنفِ اول کا وہ حصہ جو صنفِ دوم و سوم کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے مثلاً ذکرِ قلب و تلاوت وہ کسی حال میں نہ چھوڑنا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ کسی خاص صنف کے زیادہ ضروری ہونے کی حالت میں تمام اعمال میں خواہ وہ دنیاوی ہوں یا دینی اسے پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ اعمال کا انتخاب اس طرح کرنا چاہیے کہ حتی الامکان تمام اعمال کم از کم ضمناً ہی اس صنف کی عبادات کے لیے معین ہوں۔

تذکیر و تعلیم ہمیشہ سے ضروری رہی ہے اور جتنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد زمانی بڑھتا گیا ہے اسی قدر زیادہ ضروری ہوتی گئی ہے۔ لیکن یہ اصول کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ وہی تذکیر مفید ہو سکتی ہے جس کی جانب مخاطب کا نفس متوجہ کیا جا سکے۔ جو ہم جیسے خدام کے نفوس بھی اسی حاضرہ دنیاوی کی جانب زمانہ سے متوجہ ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ تقاضائے فطرت ہے۔ اس لیے حکمتِ عملی یہی

متقضی ہوئی کہ اس اُمت کے لیے جس کو کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر ہدایت کا کام سپرد کیا گیا تھا۔ غلبہ وتفوق فی الارض وعلو بھی لازم کر دیا گیا نہ اس لیے کہ اکراہ فی الدین ہو۔ بلکہ اس لیے کہ نفوس اُمم اس اُمت کی تقلید پر آمادہ ہو جائیں اور اُن کی تذکیر پر توجہ کریں۔ کیونکہ اہل دنیا جن کے نزدیک دنیا ہی سب سے بڑی چیز ہے کسی کا دنیاوی غلبہ دیکھ کر اُسے ہر امر میں اپنے سے بہتر سمجھنے لگتے ہیں یہاں تک کہ اس کے مذہبی اور ذہنی تفوق پر بھی ایمان لے آتے ہیں۔ انبیائے سابقین میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے سبا کے قاصدوں کو دکھانے کے لیے اپنی عظمت اسی لیے ظاہر کی تھی اور ملکہ سبا کا تخت منگوا لینا بھی اسی پر مبنی تھا نیز اسی طرح محل میں لے جانا بھی اسی غرض سے تھا کہ وہ اپنے آپ کو ذہنی حیثیت سے بھی حضرت سلیمان علیہ السلام سے کمتر سمجھے اور جس طرح اس نے کانچ کو پانی سمجھنے میں غلطی کی اور اس غلطی کا احساس کیا اسی طرح اپنی آفتاب پرستی کی غلطی کا بھی احساس کرے۔ چنانچہ اس غلطی کے احساس کے بعد اُسے اس غلطی کا بھی احساس ہو گیا اور وہ ایمان لے آئی۔ معجزات کا بہت بڑا فائدہ بھی یہی تھا کہ ان کی وجہ سے انبیاء کی عظمت نمایاں ہو جاتی تھی اور قوم کے نفوس ان کے کلام پر غور کرنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔

اس زمانے کے حالات دیکھتے ہوئے یہ ظاہر من الشمس ہے کہ صنف دوم کی عبادات کی اہمیت بڑھ گئی ہے اور ان میں بھی بحکم واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ استعداد کی اہمیت سب سے زائد ہے۔ اس وقت کے حالات اس کے مقتضی ہوئے ہیں کہ قتال کی فرضیت استعداد کی طرف منتقل ہو جائے۔ اسلیے مسلمانوں کے تمام اعمال میں یہ اصول پیش نظر رہنا چاہیے اور ذہنی اپنی ہمت کے مطابق اپنے تمام اعمال میں خواہ وہ معاش کیلئے ہوں یا معاد کیلئے اسکی اعانت کرتے رہنا چاہیے مطلق علم ایک صفت مستحسن ہے اس طرح تمام علوم طبع سلیم کو مرغوب ہیں لیکن ان میں سے بعض عملی حیثیت سے انسان کی جسمانی و مادی ترقی کے لیے ضروری ہیں اور بعض روحانی ترقی و تزکیہ باطن کے لیے اور بعض تنشیط ذہن و تفریح طبع کے لیے۔ تحصیل علوم کے احکام نیت پر موقوف ہیں۔ لیکن جو علوم تزکیہ باطن کے لیے ضروری ہیں مثلاً علوم قرآن و حدیث و سیرت اُن سے بہرحال شغل رکھنا ضروری ہے۔ جن حالات میں استعداد کی اہمیت بڑھ جائے گی ان حالات میں ان علوم کی اہمیت بھی بڑھ جائے گی جن پر استعداد موقوف ہے۔ مثلاً کیمیا، دوا،

طبعیات، السنہ وتاریخ و اقتصاد و صناعات وغیرہ۔ مستقلاً فرض کفایہ ہے۔ اس لیے ان علوم کی تحصیل بھی فرض کفایہ ہو جائے گی۔ اور جب تک ان علوم کے ماہرین کی تعداد کفایت کی حد تک نہ پہنچ جائے تمام افراد پر اس کا بار رہے گا۔ تیسری قسم کے علوم مثلاً ادب و شعر بھی بعض وقت مؤکد ہو جاتے ہیں اور بعض وقت مکروہ۔ جیسا حسب اضاعۃ وقت ہو جائیں، تو مکروہ ہو جائیں گے اور جب ان سے فرائض و مؤکدات کے لیے ذہن کو تیار کرنے کا کام لیا جائے تو مؤکد ہو جائیں گے۔

میں اپنے لیے جو راستہ اختیار کرنا چاہتا ہوں وہ انھیں اصول پر مبنی ہے۔ سب سے پہلے میں تزکیۂ نفس و احسان کو ضروری سمجھتا ہوں۔ اس کے لیے میری یہ خواہش ہے کہ مولانا محمود حسن صاحب[1] سے بیعت کروں۔ اور حسب ضرورت ان کی خدمت میں رہوں۔ اب میں اُن کی واپسی کا منتظر ہوں لیکن معلوم نہیں کہ کل کیا ہو، اس لیے اس کے متعلق میں جناب سے مشورہ چاہتا ہوں، میری ذوقی خواہش ان کے بعد مولانا محمد علی صاحب[2] سے ہے لیکن مولانا محمود حسن صاحب کے علاوہ اور کسی بزرگ سے میں اسی وقت بیعت کروں گا جب کچھ روز صحبت میں رہ کر مجھے اطمینان قلب حاصل ہو جائے۔

معاش کے لیے فیصلہ کرنے سے پہلے مجھے اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ تحصیل معاش میں وقت کم صرف ہو اور حتی الامکان شدید دماغی محنت نہ برداشت کرنی پڑے تاکہ میں اپنا دماغ اس سے بہتر کاموں میں لگا سکوں، اور بہتر تو یہ ہے کہ کسی خاص مقام یا شخص یا حکومت کا مجھے پابند نہ ہونا پڑے۔ ڈاکٹری میں حسب ذیل وجوہ سے پسند نہیں کرتا۔ (۱) اگر برابر پاس ہوتا جاؤں تو پانچ برس مجھے ابتدا کرنے کے لیے چاہئیں۔ (۲) بہترین قوائے دماغی اس کی تحصیل میں ضائع ہو جائیں گے۔ (۳) مطلب کی کامیابی کی صورت میں اگر ایمانداری سے کام کروں تو نہ وقت بچے گا نہ دماغ۔

جناب نے محکمۂ تعلیم کی ملازمت کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن ٹریننگ کالج کی مدت تعلیم چھ مہینے نہیں بلکہ دو سال ہے اس کے بعد بھی جو پروفیسری کی اہلیت نہیں پیدا ہو سکتی وہ تو ایم اے ہی پاس کرنے کے بعد صرف کثرت مطالعہ پر موقوف ہے، اگر محض خدمت علم مدنظر ہوتی تو میں اپنی تمام عمر اس میں صرف کرتا اور مجھے امید تھی کہ نتائج حاصل کرتا، مگر مقصود دین ہے اس لیے اس علم پر

---

[1] حضرت شیخ الہندؒ جو استاد بھی تھے۔ وہ اس وقت مالٹا میں اسیر تھے۔

[2] حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ، بانی ندوۃ العلما

گو دواؤں کا ذخیرہ پر قناعت نہیں کی جا سکتی۔ اگر ٹریننگ کالج میں ایل ٹی پاس کر دوں تو ہیڈ ماسٹر ہو سکتا
ہوں۔ لیکن یہاں بھی مجھے مدرسہ کے علاوہ وقت صرف کرنا ہوگا۔ اس کے علاوہ دنیاوی حیثیت سے
بھی یہ دونوں جگہیں زیادہ مفید نہیں، یعنی اس صوبے میں دو گورنمنٹ کالج ہیں ایک الٰہ آباد میں دوسرا
جاتے ہیں ، اور وہاں مجھے پروفیسری کی کوئی امید نہیں اس لیے کہ وہاں انگریز ہی پروفیسر رکھے
ہیں یا ایسے ہندوستانی جو جرمنی وغیرہ کے تعلیم یافتہ ہوں۔ اس لیے مجھے اسسٹنٹ پروفیسری کی امید
ہو سکتی تھی مگر دستور یہ ہے کہ حتی الامکان وہ انگریز پروفیسر اپنے شاگردوں ہی کا انتخاب کیا کرتے
ہیں۔ اور کالجوں یا اسکولوں میں ملازمت کروں تو تھوڑی تنخواہ پر بہترین وقت و عمر و دماغ صرف
کرنے کے بعد بھی پنشن نہیں مل سکتی، محکمۂ تعلیم کے علاوہ اور کسی صیغہ میں مستقل طور سے ملازمت
کرنے پر طبیعت راغب نہیں ہے۔

میرے خیال میں تیسری صورت سب سے بہتر ہے۔ یعنی میں مطب کروں[1]۔ لیکن اسی پر اقتصار
کر لینا بہتر نہیں معلوم ہوتا۔ خدائے تعالیٰ سے بہر حال امیدیں ہیں۔ لیکن توکل فعلِ قلب ہے نہ کہ فعلِ جوارح
اگر تزکیۂ باطن سے توکل حاصل ہو جائے تو اسباب اس میں مضر نہیں ہو سکتے، اگر نہ حاصل ہو تو
اعمال کے ترک سے توکل پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے میں مطب کے ساتھ ہی دوسرا شغل بھی رکھنا چاہتا
ہوں، یعنی ہندوستانی دواخانے کے طرز کی دوکان اور انگریزی دواسازی یا صابون سازی کا کارخانہ
اس میں غالباً جناب خیال فرمائیں کہ وقت زیادہ صرف ہوگا لیکن میرا خیال اس کے برعکس ہے۔
اگر صحیح طریقہ پر کام کیا جائے تو محض نگرانی سے سب کام چل سکتے ہیں۔ ابتدا میں جب وقت کام
چھوٹے پیمانے پر ہوگا تو مجھے بحیثیت صناعِ کیمیائی کے بعض جزئیات کی براہ راست نگرانی کرنی
ہوگی۔ اس کے بعد جب میں معمولی درجہ کے کیمیا دانوں کو مقرر کر سکوں گا تو میں مشیر کیمیائی کی حیثیت
سے ان کے کام پر نظر رکھوں گا اور محض تجارتی نگرانی ضروری ہوگی۔ عملی تجربہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔
کانپور میں گورنمنٹ سوڈا فیکٹری کا انتظام مسٹر سریواستو[2] کے سپرد تھا اور وہ کارخانہ اپنی طرز کا پہلا
کارخانہ ہے۔ کیونکہ اس طریقہ سے سوڈا بنانا خود مسٹر سریواستو نے دریافت کیا ہے۔ باوجود اس کے مسٹر سریواستو

[1] بھائی صاحب طبیہ کالج کے فارغ التحصیل ہو چکے تھے۔ [2] جے۔ پی سریواستوا جو بعد میں یو پی کے منسٹر بھی ہوئے

کو اس کارخانہ میں جانے کی بہت کم ضرورت پیش آتی تھی اور اس سے وہ اتنا وقت بچا سکتے تھے کہ ایک صنعتی مدرسہ میں پرنسپل اور محکمہ صنعت و حرفت میں اسسٹنٹ ڈائرکٹری کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، اور اس کے بعد بھی بالکل عدیم الفرصت نہ تھے، اس کارخانے کے متعلق تو میرا عینی تجربہ ہے۔ دوسرے کارخانوں کے متعلق بھی میں نے ایسا ہی سُنا ہے۔ مثلاً کانپور کا دواسازی کا کارخانہ جس میں اس کا منیجر زیادہ سے زیادہ تین گھنٹے روزانہ صرف کرتا ہے۔

یہ صورت میں اس لیے زیادہ پسند کرتا ہوں کہ تحصیل زر سے کم از کم میری یہ نیت نہیں ہے کہ محض ذاتی آسائش حاصل کروں اور مجھے خدا تعالیٰ پر بھروسہ ہے کہ اپنی نیت پر عمل کرنے کی مجھے توفیق دے گا۔ میں تحصیل زر کو صنعت و حرفت کی عبادات میں سے سمجھتا ہوں۔ جو اس وقت بہت اہم ہو گئی ہیں نیز خود ذریعہ تحصیل اس سے زیادہ اہم ہے کیونکہ ایمان و اخلاق کے بعد صناعات جدیدہ ہی موجب قوت ہیں۔ واعدوا لهم ما استطعتم من قوة پر عمل ان صناعات کو مسلمانوں میں رائج کرنے ہی سے ممکن ہے اور دواسازی پر سیاست حربی کا بڑا حصہ مبنی ہے، میں نے اس کے متعلق جب [illegible] سے مشورہ کیا تو انھوں نے یہ کہا کہ انگریزی دواسازی اور صابون سازی سب سے زیادہ ضروری اور مالی حیثیت سے بہت امید افزا ہیں۔ اور چیزوں کے متعلق میں نے دریافت کیا تو انھوں نے بہت سی صنعتوں کے نقائص بتائے اور بعض کے متعلق کہا کہ ابھی زیر تجربہ ہیں۔ دواسازی اور صابون سازی کے کام کرنے کا انھوں نے یہ طریقہ بتایا کہ پہلے بنگلور کے سائنس انسٹی ٹیوٹ میں تقریباً ایک سال تک اس کا عملی تجربہ حاصل کرنا چاہیے اس کے بعد کسی کارخانے میں ملازمت کر لینا چاہیے جو بہت آسانی سے ممکن ہے وہاں کارخانہ چلانے کا اور تجارت و نرخ کی کمی بیشی اور بازار کا عملی تجربہ ہو جائے گا جب اپنے اوپر اعتماد ہو جائے تو خود کام شروع کر دینا چاہیے اس وقت روپیہ ملنا کچھ دشوار نہیں ہے۔ ایسی حالت میں لوگ اپنی خواہش سے سرمایہ دیں گے۔ انھوں نے یہ کہا کہ ہمیشہ بنیاد مضبوط رکھنی چاہیے اور بغیر دوسرے کارخانے میں تجارتی تجربہ حاصل کیے ہرگز کام نہ شروع کرنا چاہیے۔ بنگلور سائنس انسٹی ٹیوٹ میں کام سیکھنے کی یہ صورت بتائی کہ گورنمنٹ و مہاراجہ و نظام وغیرہ کی جانب سے وظائف دیے جاتے ہیں ان میں سے کوئی وظیفہ حاصل کر لینا چاہیے گورنمنٹ کا وظیفہ حاصل کرنے کی یہ صورت ہے کہ میرے لیے کیننگ کالج اور لکھنؤ کے ڈپٹی کمشنر

تحریک کریں۔ وہ تحریک کانپور کے بورڈ صنعت و حرفت میں پیش کی جائے گی۔ اس بورڈ کا تعلق سر پی استوا سے بھی ہے اور ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب اور ڈاکٹر ولی محمد صاحب بھی اس کے ممبر ہیں۔ مسٹر سر پی استوا نے امید دلائی کہ یہاں اس تحریک کے پاس کرنے میں مدد دیں گے اس کے بعد گورنمنٹ ممالک متحدہ اسے منظور کر لے گی اور پچھتر روپے ماہوار وظیفہ ملے گا۔

اس رائے کے سننے کے بعد میں نے یہ خیال کیا کہ وظیفہ حاصل کر کے بنگلور میں ایک سال رہوں اور اس عملی تعلیم کے دوران میں طبی کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کروں اس کے بعد اگر دہلی کے کسی کارخانے میں ملازمت ہو جائے تو حکیم اجمل خان صاحب کے یہاں مطب بھی کرتا رہوں اور اگر بمبئی، کانپور وغیرہ میں ملازمت ہو تو خود مطب کروں۔ اور ملازمت چھوٹنے کے بعد لکھنؤ میں مطب کے ساتھ کام شروع کردوں۔ اور اگر مناسب ہو تو لکھنؤ میں مطب شروع کرنے سے پہلے طبیہ کالج دہلی میں ایک سال کے لیے کیمیا، علم النباتات یا علم الحیوانات پڑھانے کے لیے ملازمت کر لوں۔ اور اسی کے ساتھ حکیم اجمل خان صاحب کے مطب سے استفادہ کرتا رہوں۔ سر پی استوا نے یہ بھی کہا کہ انگریزی دواسازی حاصل کرنے کے بعد میں طب کو بھی فائدہ پہنچا سکتا ہوں، میرے خیال میں یہ قرین قیاس بھی ہے۔ ایک سال ہوا میں نے اس خیال سے کہ زہر مہرہ اصلی بہت مشکل سے ملتا تھا اس کا کیمیائی تجزیہ کیا تھا تاکہ مصنوعی زہر مہرہ بنا سکوں جو نفع میں اصلی کے برابر اور قیمت میں بالکل سستا ہو، چنانچہ جو آنک میں دریافت کر سکا تھا اس کے بعد موقع نہیں ملا کہ اس کی تکمیل کرتا۔ انگریزی دواسازی بھی اگر مطب کے ساتھ کرتا رہا تو اس قسم کے کام بھی کر سکوں گا۔

وظیفہ حاصل کرنے میں بظاہر کوئی دقت نہیں معلوم ہوتی مجھے امید ہے کہ اگر میں کیننگ کالج کے پرنسپل سے کہوں گا تو وہ خود بھی تحریک کریں گے اور ڈپٹی کمشنر سے بھی کہہ دیں گے، مگر وہ آج کل مسوری میں ہیں اور چھ ماہ کے لیے ولایت جانے والے ہیں۔ اس لیے اگر وظیفہ ہی کے لیے کوشش کرنا ہو تو مجھے ان سے مل لینا چاہیے۔ یا خط لکھ دینا چاہیے۔ اس وقت جو فیصلہ کیا جائے گا وہ دنیاوی و اخروی دونوں زندگیوں پر ابد تک کے لیے مؤثر ہوگا۔ اس لیے اس کی ضرورت ہے کہ بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا جائے اس لیے جناب سے گزارش ہے کہ میں نے جو اصول عرض کیے ہیں اور کام کا جو نظام قائم کیا ہے اس میں جو سقم ہوں اس سے جناب مطلع فرمائیں۔ اب تک میرا یہ تجربہ رہا ہے

کہ جناب کے حسب ارشاد عمل کرنے میں میں نے فلاح پائی ہے اس لیے آئندہ بھی میں اسی تجربہ سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا جس کے اختیار کرنے کے لیے جناب ارشاد نہ فرمائیں اور اس پر میرا قلب مطمئن نہ ہو جائے

وعلی اللہ توکلنا وھو یھدی السبیل وھو حسبنا ونعم الوکیل

کمترین عبد العلی

از بہوہ ، ۵ رمضان

مولنا المحترم[1]۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

سو روپیہ کا ایک نوٹ روانہ خدمت کرتا ہوں، رسید سے مطلع فرمائیے گا۔ پانچ روپیہ کا نوٹ علی سلمہ کو دے دیجئے۔ علی سلمہ پہونچ گئے ہیں۔ امید ہے کہ ان کا یہ سفر محض تفریح سے کچھ بڑھ کر ثابت ہوگا۔ اور آپ اُن کی اخلاقی تربیت سے غافل نہ رہیں گے۔ لاہور کی علمی خصوصیتیں توجہ دلانے کے قابل ہیں۔ معاہد علمی کے علاوہ ممتاز شخصیتوں کے فیض صحبت سے جو کچھ مل جائے اُس کے حصول سے غفلت نہ کرنا چاہیے۔ میوزیم کی سیر دلچسپ اور سبق آموز ہوگی۔ مولانا احمد علی (شیرانوالہ گیٹ) کی صحبت کو غنیمت سمجھیں اس سب سے زیادہ ضروری آپ کی صحبت سے استفادہ ہے۔ ان پر یہ نقش کر دیجئے کہ موجودہ تمدن کی آب و تاب سطحی اور کھوکھلی ہے اور ہمارے آبا و کرام کا طریقہ ہمارے لیے ہمیشہ قابل تقلید رہے گا خواہ ہم کتنی ہی علمی و اقتصادی ترقی نہ کر لیں، خدا کا شکر ہے کہ ہمارے اسلاف ذاتی کمالات (نہ کہ اضافی) سیرت اور تقویٰ میں ایسے تھے جن کی نظیر اللہ تعالیٰ نے نہیں پیدا کی۔ ہماری بدنصیبی ہوگی اگر ہم اُن سے بیخبر رہیں۔ اور ان کے اتباع سے محروم رہ جائیں۔ ان کو بتا دیجئے کہ اُن کی عملی زندگی ہمارے منتہائے تخیل سے بھی بدرجہا بلند تھی۔ ہمارا مطمح نظر ابھی اس سے بدرجہا پست ہے۔ آدمیت علم و دولت و تہذیب سے بہت اونچی چیز ہے۔ اچھی بھیا سے سلام کہہ دیجئے۔

عبد العلی ۲۱ مئی سنہ ۲۹ء

---

[1] یہ خط بھی مولانا سید طلحہ صاحب ایم اے کے نام ہے جو اس وقت اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر تھے اور یہ ناچیز ۱۹۲۹ء میں جبکہ ۲۰ سال کی عمر تھی پہلی مرتبہ لاہور گیا تھا۔

لکھنؤ کے مشہور معالج حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ کے چند خاص مجربات

شربت اکسیر قوت

اس شربت میں وہ ضروری معدنیات اور وٹامن پوری مقدار میں موجود ہیں جن سے انسان بنا ہوا ہو اور جن کی کمی سے صحت خراب ہو جاتی ہے۔ اس لیے اگر کسی بیماری یا موسم کے شدائد یا موت کا واسطہ یا افکار کی وجہ سے آدمی کم زور ہو جائے اور دل و دماغ پورا کام نہ کر سکتے ہوں۔ ہاتھ پیروں سے سکت جاتی رہے تو اس کے استعمال سے یہ کمزوریاں دفع ہو جائیں گی اگر بچہ بڑھ نہ رہا ہو لاغری پیدا ہو جائے دانت چھ ماہ کی عمر ہونے پر نہ نکلنا شروع ہوں تو اس شربت کے استعمال سے بچہ کی بھوک بڑھے گی۔ پھر لاغری دفع ہو گی دانت آسانی سے نکلیں گے اور قد بڑھے گا۔

بڑوں کے لیے خوراک۔ ایک ایک چائے کا چمچہ صبح۔ دوپہر شام بچوں کی خوراک ۱۵ بوند سے ۲۰ بوند تک صبح شام یا صبح دوپہر شام دودھ کے بعد پیئیں،

چھوٹی شیشی ——— ؏
بڑی شیشی ——— ۱۲/

شربت جذام

یہ شربت ہماری ان تمام منتخب ترین اور مخصوص دواؤں میں ہے جس کا فائدہ خدا کے شکر سے ہمیشہ ۹۰ اور ۱۰۰ فی صدی کے درمیان رہا ہے۔

جذام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو ایسی ہے کہ ہر شخص پہچان لیتا ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جسے ڈاکٹر ہی پہچانتے ہیں اس کی علامت یہ ہے کہ دھوپ میں چلنے سے چکتا ابھار نکلتی ہیں اکثر جلد پر چھپے پڑ جاتے ہیں ان میں سردی، گرمی کا احساس جاتا رہتا ہے۔ ایک شیشی میں گرم پانی اور دوسری میں سرد پانی بھر کر دونوں شیشیاں چھوٹ پر رکھائی جائیں تو دونوں میں فرق نہ معلوم ہوگا۔

شربت جذام کے استعمال سے یہ مرض دفع ہو جاتا ہے پانچ چھ ماہ دوا استعمال کرنی چاہیے مقدار خوراک ۲ - ۳ چائے کے چمچے کے برابر صبح دوپہر شام ایک پونڈ کی بوتل کی قیمت۔ پانچ روپیہ علاوہ محصول ڈاک

مرہم شرخ

یہ بھی ہماری انتہائی کامیاب اور تیر بہدف دواؤں میں ہے جسکو ہم پورے اعتماد کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں

پھوڑوں خصوصاً پیٹھ اور گردن کے پھوڑوں یعنی کاربنکل میں یہ مرہم بہت مفید ہے کاربنکل پیٹھ یا گدی پر ہوتا ہے اور ڈھائی کی تشتری یا اس سے بھی بڑا ہوتا ہے۔ شروع سے تکلیف زیادہ ہوتی ہے پکھنے کا نام نہیں لیتا۔ آخر میں چھوٹے چھوٹے سوراخ ہونا شروع ہوتے ہیں اور مکھی کے چھتے کی سی شکل ہو جاتی ہے پھٹتا بمشکل سے ہوتی ہے۔ اگر اس کا آپریشن کرایا جائے تو آپریشن کے بعد بھی مریض تکلیف میں مبتلا رہتا ہے اور مدت کے بعد اچھا ہوتا ہے۔ شرخ مرہم کا استعمال کرتے ہی درد اور جلن کافور ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ پھوڑا صاف ہو کر صحت ہو جاتی ہے قیمت آٹھ آنہ ڈبیہ
۲ روپے چار آنے

ذیابیطس

★ سفوف ذیابیطس کے استعمال سے چند ہی روز میں شکر میں کمی شروع ہو جاتی ہے قوت آنے لگتی ہے اور رات کو بار بار اٹھنے اور نیند خراب ہو جانے سے نجات مل جاتی ہے۔

★ سفوف ذیابیطس کے چند ہفتوں کے استعمال سے پیشاب ہی سے شکر غائب نہیں ہو جاتی بلکہ خون میں بھی شکر اتنی ہی رہ جاتی ہے جتنی تندرست آدمیوں کے خون میں ہوتی ہے۔

★ سفوف ذیابیطس کے چند مہینوں کے استعمال سے دوا چھوڑ دینے پر بھی فائدہ قائم رہتا۔

مقدار خوراک ۴ ماشہ سے ۶ ماشہ صبح و شام
پانچ تولہ کی شیشی ؏ سات تولہ کی شیشی ۱۰/

براہ راست ہم سے طلب فرمایئے

حسنی فارمیسی ۷۵ گوئن روڈ لکھنؤ